یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ

کتابِ مُستطاب

مِصباحُ المجالس

محافل و مجالس چہاردہ معصومین علیہم السلام

جلد پنجم

مُصنّفہ

سیّدُ المفسّرین

ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

بانی جامعہ امامیہ و صدر جامعہ امامیہ کمیٹی

ناشر

ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ناظم آباد ۲ کراچی

مجالسِ چہاردہ معصومین علیہم السلام

مجلسِ اوّل

در حالِ ولادتِ حضرت رسولِ خدا

قصیدہ

(از جناب عزیز لکھنوی (مرحوم))

نہیں کٹتی شبِ فرقت لبوں پر گھٹ کے جاں آئی — کہاں تک اے دلِ رنجور دعوائے شکیبائی
لکھی تھی تلخ کامی کیا ہمارے ہی مقدر میں — ہمیں اس زہر کے قابل تھے کیا اے چرخِ مینائی
بلا سے کوئی مر جائے بلا سے کوئی رسوا ہو — اگر ہے امتحاں منظور تو کیا خوفِ رسوائی
بلا کا جذبہ ہے کافر ادا اس حسنِ دلکش میں — تری جانب سے پھرتی ہی نہیں چشمِ تماشائی
علاجِ داغ کرتا ہے بہ سعی کاوشِ ناخن — مقدر سے ملا ہے چارہ گر بھی ہم کو سودائی
وہ کم ہے جو نہ ہو اس دل کا عالم وقتِ نظارہ — ترے نقشِ قدم کے جب ہزاروں ہیں تماشائی
قدم رکھتے نہیں وہ ناز سے اللہ رے رعنائی (مطلع) نظر یہ آگیا کس کا نشانِ ناصیہ سائی

خوشا قسمت کہ لے ہے ظرفِ زینت بزم میں اپنی — دلِ عشاق سے شیشوں کی جا ہے محفل آرائی
کبھی پہلو قرار آتا نہیں اللہ رے بیتابی — ہوا ہے جب سے یہ دل اس بتِ کافر کا شیدائی
میانِ رہ گزر بے دم پڑا ہے تیرا شیدائی (مطلع) — دکھا دے جلنے والے آج اعجاز مسیحائی
پڑے ہیں ہجر کے صدموں سے اتنے داغ سینہ میں — کہ گن سکتا نہیں چاہے اگر کوئی تماشائی
مگر ہاں کر سکے احصا جو احمدؐ کے فضائل کا (گریز) — وہ احمدؐ بعد حق زیبا ہے جس کو نازِ یکتائی
کسے زیبندہ ہے کون و مکاں کی مسند آرائی — محمدؐ رحمۃ للخلق آقائی و مولائی!
یہ سبحان الذی اسریٰ لعبدہٖ سے ہوا ظاہر — کہ تھی منظورِ حق کس درجہ ان کی عزت افزائی
ہوئیں کرنی تھیں جو باتیں راز کی پردہ ہی پردہ میں — خدا ان کا تھا شیدائی خدا کے وہ تھے شیدائی
ابو القاسم محمدؐ شہدا عرصۂ ایماں — کہ جن کی خاک پا سے چشمِ دل کو کحل بینائی
اسی سے نے عمیق ہوئے ادریسؑ علو کے ہوئے واضح — سلیماں نے کیا حاصل انہی سے درسِ دانائی
دو بالا کیوں نہ شان و شوکتِ اسلام ہو جائے — علیؑ سا جب محمدؐ کو برابر کا ملے بھائی
ملائک سب یہ کہتے ہیں یالیتنی کنت تراباً کر — شب و روز ان کی چوکھٹ پر ہے شغلِ ناصیہ سائی
چمکتا تھا انہی کا نور پیشانیِ یوسفؑ میں — انہی سے دیدۂ یعقوبؑ نے پائی تھی بینائی
پلٹ آئے نبی معراج کی شب اتنے عرصہ میں — کہ بستر گرم اور زنجیرِ در ہلتی ہوئی پائی
زہے عوذ شرف کا ہیں ہدیۂ احقر قبول افتد — طبق میں گوہرِ انجم لیے ہے چرخِ مینائی
گلستاں ان پہ کیوں کر آتشِ نمرود ہو جاتی — نہ ہوتے گر محمدؐ کے خلیل اللہ شیدائی
پئے احیائے اموات آپ جنبش دیں اگر لب کو — ابھی تو مردۂ صد سالہ میں پیدا ہو گویائی
وہ اندھے ہیں جو اس کو گردشِ گردوں سمجھتے ہیں — نثارِ روضۂ شہ ہو رہا ہے چرخِ مینائی
بڑھی ہے اس قدر اوراق گل میں مدحِ حضرتؐ کی — کہ اب تک خشک ہے نوکِ زبانِ خارِ صحرائی

عزیز آخر کہاں تک دورِ صہبائے سخن بس بس
دعا وہ مانگ جس کا ہو اثر سو جاں سے شیدائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى
سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَشَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ وَرَحْمَةً

لِلْعَالَمِیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ مِنْ یَّوْمِنَا هٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ وَکَلَامِہِ الْمَتِیْنِ وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ (سورہ المائدہ ۵/۱۵)

(بیشک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا ہے اور روشن کتاب) تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد وجود اشرف کائنات مفخر موجودات فخر عالمیان مرکز دور زماں احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ قاعدہ ہے کہ جس شے میں جو جز غالب ہوتا ہے اسی کے نام سے اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ حضور سرور انبیاء بظاہر لباس بشری میں تھے مگر نورانیت آپ کے وجود مادی پر اس درجہ غالب تھی کہ خلاق عالم نے آپ کو نور فرمایا ہے نورانی چیز ہونا اور چیز ہے نور مجسم ہونا اور بات ہے اللہ اللہ جس کو خالق نور خود نور فرمائے اس کے مراتب کا کیا ٹھکانا ہے۔

یہی ہے وہ نور جس کو اول مخلوق بننے کا شرف حاصل ہے حضور فرماتے ہیں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ (یعنی سب سے پہلے خدا نے جو نور خلق فرمایا وہ میرا نور ہے) یہی وہ نور تھا جس کے پرتو فیض سے تمام کائنات عالم وجود میں آئی۔ یہی وہ نور تھا جس کے لیے تمام آسمان و زمین پیدا کیے۔ حدیث قدسی ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اے رسول اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا ہی نہ کرتا) یہی نور تھا جس کو پیدا کر کے خلاق عالم نے اپنی معرفت کرائی۔ حدیث قدسی ہے کُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُكَ يَا مُحَمَّدُ (میں ایک خزانہ مخفی تھا پس میں نے چاہا کہ اپنی معرفت کراؤں۔ لہذا اے محمد میں نے تجھ کو پیدا کر دیا۔)

اس نور کے ایک جزو کا یہ مقولہ ہے کہ لَوْلَا نَحْنُ مَا عُرِفَ اللّٰهُ وَلَوْلَا نَحْنُ مَا عُبِدَ اللّٰهُ اگر ہم نہ ہوتے تو بندوں کو اللہ کا عرفان ہی نہ ہوتا۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت ہی نہ کی جاتی۔

یہی وہ نور تھا جو خلقتِ آدم سے نو ہزار برس قبل عرشِ الٰہی کی زینت بنا ہوا تسبیحِ الٰہی میں مصروف تھا۔ ایک روز صحابہؓ کے مجمع میں حضرتؐ نے فرمایا خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ آدَمَ بِتِسْعَةِ اٰلَافِ عَامٍ (میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا کئے گئے۔ خلقتِ آدم سے نو ہزار سال قبل) یہ نو ہزار سال ہماری دنیا کے نہیں بلکہ اس عالم لاہوت کے ہیں جہاں ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے کوئی محاسب ہے جو اس مدت کا حساب لگا کر بتا سکے۔

صحابہ نے یہ سن کر عرض کی اَیْنَمَا کُنْتُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ حضور اس طولانی مدت میں کہاں رہے؟ فرمایا کُنَّا اَشْبَاحًا مِنْ نُوْرٍ تَحْتَ عَرْشِ اللّٰہِ نُسَبِّحُہٗ وَنُقَدِّسُہٗ۔ ہم ایک نور کا پرتو تھے عرشِ الٰہی کے نیچے اور خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ اشباح جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نور عظمت و جلال کا صرف ایک ہی پرتو نہ تھا بلکہ بہت سے پرتو تھے جو اس عالم آب و گل میں چہاردہ معصومین کی صورت میں ظاہر ہوئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

اللہ اللہ! اس نور کی نورانیت کا کیا ٹھکانہ ہے جو نو ہزار برس میں عرشِ الٰہی جیسی نورانی مخلوق کے نیچے نور ازل کے پرتو سے فیض حاصل کرتا رہا ہو لوہا اگر تھوڑی مدت آگ کے شعلوں میں رہتا ہے تو آگ کی مانند بن جاتا ہے۔ آگ کے تمام خواص اس کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں پس جو نور بارگاہِ قدس و جلال میں نو ہزار برس کامل رہا ہو وہ الوہی سیرتوں اور ایزدی اخلاق سے ناقابل بیان حد تک کیوں نہ آراستہ و پیراستہ ہوا ہوگا۔ اہل انصاف بتائیں اگر ایسی ذات کو رحمۃ للعالمین صاحب خلق عظیم، سراج منیر، مفخر موجودات، فخر کائنات نہ بنایا جاتا تو کس کو بنایا جاتا۔

یہی وہ نور تھا جس کے تمام اجزا کے نام آدم کو تعلیم دیئے گئے اور پھر فرشتوں سے ان ناموں کے مسمیات کو پوچھا گیا تھا چونکہ فرشتوں کو اس وقت انوار مقدسہ کی معرفت کامل حاصل نہ تھی اس لیے ہر مسمیٰ کی خصوصیات کے لحاظ سے اس کے نام نہ بتا سکے۔ آدم میں چونکہ قوت استنباط تھی یعنی مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ لہذا ہر نام کا مفہوم سمجھ کر اس ذات سے مخصوص کر دیا جس کو بلحاظ خصوصیات اس نام سے مناسبت تھی آدم نے میدان جیت لیا اور ملائکہ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (سورہ البقرہ ۲/۳۲) (ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنی تعلیم تو نے دی ہے) کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہی وہ بلند مرتبہ ہستیاں تھیں جن کے متعلق ابلیس سے سجدہ آدم کے انکار کرنے پر کہا گیا تھا۔ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (سورہ ص ۳۸/۷۵) (آیا تو نے تکبر کیا یا عالین یعنی بلند مرتبہ والوں میں سے ہو گیا) ظاہر ہے کہ اس وقت ملائکہ ابلیس اور آدم کے سوا اور کسی مخلوق کا وجود نہ تھا۔ پس ایسی صورت میں سوائے انوار مقدسہ محمد و آلِ محمد کے

سوا اور کون ہو سکتے تھے جن کو عالین کہا جا سکتا۔

یہی وہ نور محمدی تھا جس کے پرتو سے تمام انبیاء کی خلقت ہوئی۔ یہی وہ نور تھا جس کی نصرت و تصدیق کا میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا اور کیوں نہ لیا جاتا جب کہ اس نور کی بدولت ہر نبی کو نبوت ملی تھی بلکہ خلعت وجود سے آراستہ ہوا تھا۔

یہی وہ نور محمدی تھا جو اس وقت تاج نبوت سر پر رکھے ہوئے تھا جب کہ آدم بیچارہ کا پتلا بھی نہ بنا تھا اور ہنوز آب و گل سے زیادہ نہ تھے فرمایا حضور سرور انبیاء نے کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ۔ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم آب و گل میں تھے) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بنی آدم تو موجود ہی نہ تھے پھر حضرت بہ حیثیت نبی تبلیغ کس پر کرتے تھے کیونکہ کوئی نبی بغیر تبلیغ نہیں رہ سکتا لہذا ماننا پڑے گا کہ حضرت اس وقت ملائکہ پر نبی تھے یا یوں کہا جائے کہ حضرت میں اس وقت بھی نبی بننے کی اہلیت تھی۔

یہی وہ نور محمدی تھا جو عالم مادی میں آنے سے پہلے دس ہزار سال حجاب میں رہ کر کسب ضیا کرتا رہا۔ کیا ٹھکانا اس متعلم کے علم و فضل کا جس نے درسگاہ لاہوت میں پورے دس ہزار سال تحصیل علم میں گزارے جب ہی تو عالم وجود میں آنے کے بعد آپ کی تعریف میں کیا گیا۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ (سورہ الرحمٰن ۱ تا ۴) (رحمٰن وہ ہے جس نے پہلے تعلیم قرآن دی۔ پھر ایک خاص انسان کو پیدا کیا تو پیدائش کے بعد اس کو بیان کرنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ ذات محمدی وہ ذات ہے جس کو قبل پیدائش دنیا ہر طرح کے زیور علم سے آراستہ کیا گیا تھا اور جو کچھ وہ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ بتلا دیا گیا تھا۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ کوئی رطب و یابس ایسا نہیں جو اس کے اندر نہ ہو۔ پس جب قبل خلقت اس قرآن کی تعلیم حضرت کو دے دی گئی تو پھر کون سی چیز جاننے سے باقی رہ سکتی ہے۔

الغرض اس کے بعد یہ نور حجاب عقل میں نو ہزار سال رہا پھر حجاب قدس میں آٹھ ہزار سال حجاب حلم میں تین ہزار سال حجاب تواضع میں دو ہزار سال پھر حجاب شکر میں ایک ہزار سال رہا۔

کیا کہنا اس نبوت کی آرائش و زیبائش کا جس کے گیسوئے فضل و کمال کو مشاطہ قدرت نے ہزارہا برس سنوارا ہو جتنا کمال بڑھتا گیا اہلیت اونچی ہوتی گئی۔ جتنی فضیلت عروج پاتی گئی۔ اسی قدر مدت تعلیم کم ہوتی گئی۔ بہر حال اس نور کو عرش سے فرش تک اترتے اترتے ہزارہا سال لگ گئے لیکن جب شب معراج فرش سے عرش کی طرف چلا تو پلک جھپکتے پہنچ گیا۔ بات یہ ہے جو چیز اپنے مرکز کے خلاف چلتی ہے تو اس کی رفتار میں زیادہ دیر لگتی ہے اور جب اپنے مرکز کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک مٹی کا ڈھیلا آپ اوپر کی طرف پھینکئے تو

اس میں زور بھی زیادہ صرف کرنا پڑے گا اور اس کو اوپر جانے میں نسبتاً دیر بھی زیادہ لگے گی لیکن زمین کی طرف آئے گا تو تیزی سے آئے گا۔ رسولؐ کا اصل مرکز عرش تھا۔ جب اس سے خلاف طبیعت مرکز کی طرف بڑھا تو ہزار ہا برس لگ گئے لیکن جب زمین سے عرش کی طرف چلا تو چشم زدن میں پہنچ گیا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ۔

بہر حال نور محمدی کو جب عالم مادی کی طرف منتقل کرنے کا ارادہ خلاق عالم نے کیا تو سب سے پہلے اس کو صلب آدم میں جگہ دی پھر صلب شیث میں اسی طرح اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا صلب عبدالمطلب تک پہنچا۔ یہ سب اصلاب و ارحام طاہرہ تھے۔ کفر و شرک کا ان سے لگاؤ تک نہ تھا جیسا کہ آیۂ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (سورہ الشعراء ۲۶/۲۱۹) سے ظاہر ہوتا ہے چونکہ یہ نور ہر نبی کے ساتھ رہا تھا اس لیے ہر زمانہ کی امتوں کے تجربے اس کی نظر میں تھے تمام ادیان اور شریعتوں کے احکام و اعمال اس کے ذہن نشین تھے اسی عالم ظہور میں پہنچنے پر کسی دین و ملت کی کتابوں کے مطالعہ کی اس کو ضرورت نہ تھی کسی معلم سے سبق لینے کی حاجت نہ تھی کسی نبی کے حالات معلوم کرنے کی احتیاج نہ تھی لوگ بے عقلی سے سمجھتے تھے کہ وہ نعوذ باللہ جاہل اور ان پڑھ رہے لیکن وہ دنیا و ما فیہا کا علم اپنے سینے میں لیے چلا آرہا تھا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کا مطالعہ کیے ہوئے آرہا تھا۔ ابنائے روزگار کے ایک ایک عمل کی جانچ پڑتال کرتا ہوا آیا تھا درسگاہ من لدن کا سند یافتہ تھا وہ کیوں کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا۔

بہر حال جب یہ نور صلب جناب عبدالمطلب سے منتقل ہو کر جناب عبداللہ میں آیا تو اس کی ضیاباری بہت تیز ہو گئی کیونکہ ظہور کا وقت آ گیا تھا جناب عبداللہ کی پیشانی ایسی تابندہ ہو گئی تھی کہ دیکھنے والے حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بے شمار عورتیں تھیں جو حسن و جمال جناب عبداللہ پر فریفتہ ہو رہی تھیں اور اس حسرت و آرزو میں تڑپ رہی تھیں کہ کاش جناب عبداللہ سے شادی کر لیں لیکن یہ دولت تو جناب آمنہ بنت وہب کے مقدر میں قسام ازل نے لکھ دی تھی کسی اور کی طرف کیسے منتقل ہوتی۔

منقول ہے جناب عبداللہ کی شادی جناب آمنہ سے ہوئی اور نور مبارک محمدی صلب جناب عبداللہ سے منتقل ہو کر رحم جناب آمنہ میں جلوہ افروز ہوا تو ایک حسینہ عرب جو جناب عبداللہ سے شادی کی بیحد خواستگار تھی۔ اور راہ چلتے آپ کو بڑی حسرت کی نظر سے دیکھا کرتی تھی۔ اب جو اس نے جناب عبداللہ کو دیکھا تو وہ شوق اس کی نظر میں نہ تھا کسی نے سبب پوچھا اس نے جواب دیا جس جوہر کے ملنے کی مجھے آرزو تھی وہ اپنے مقام سے ہٹ گیا، جس نور کو دیکھ کر میں بے چین ہو جایا کرتی تھی وہ اب پیشانی عبداللہ میں باقی نہیں اس لیے میری بیتابی زائل ہو گئی۔

سبحان اللہ ربیع الاوّل کی سترہ تاریخ کیسی مبارک اور پرُاز رحمت تاریخ تھی کہ اس کی شب جمعہ میں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین محبوب رب العالمین سید المرسلین خاتم النبین افضل کائنات فخر موجودات خیر الوریٰ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے عرش سے فرش تک ایسا نور ساطع تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ فرشتے تحفۂ تہنیت لے کر آرہے تھے حوریں مولود مسعود کے قدم چومنے کے لیے فرش زمین پر آرہی تھیں۔ ساکنان ملاء اعلیٰ میں شور تھا کہ رحمۃ للعالمین کا ظہور ہوا زمین خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی کہ آج عرش کی زینت، لوح وکرسی کی سجاوٹ قاب قوسین او ادنیٰ کا بزم آراء جنت ودوزخ کا قاسم سرکار الٰہی کا مختار، گناہگاروں کی شفاعت کرنے والا، ہدایت کا مینار، رحمت وبرکت کا تارا بے سہاروں کا سہارا، اللہ کا پیارا آج میرے آغوش کی زینت ہے۔

شعب ابوطالب خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ مجھے مسکن النبی بننے کا فخر حاصل ہوا۔ کعبہ خوشی میں جامہ سے باہر ہے کہ میرا وارث خلیل کا فرزند اور دین ودنیا کا مالک آپہنچا۔ مکہ فرط مسرت سے بے چین ہے کہ مجھ سے کفر وشرک کی نجاست دور کرنے والا آگیا۔ عرب سر فخر ومباہات بلند کر رہا ہے کہ میرے آغوش کی زینت سید المرسلین محبوب رب العالمین بن کر رہے گا۔

تمام مورخین لکھتے ہیں کہ نور محمدی کے ظہور پر بہت سے عجیب وغریب امور ظاہر ہوئے۔ وقت ولادت آپ کی والدہ گرامی کو وہ تکلیف نہ ہوئی جو عموماً مستورات کو دردزہ کی ہوتی ہے۔ پیدا ہوتے ہی حضرت کی پیشانی مبارک سے ایسا نور ساطع ہوا جس سے ملک عرب کا گوشہ گوشہ روشن ہوگیا۔ کاشان کے قریب والی سادہ جھیل جس کی لوگ پرستش کرتے تھے خشک ہوگئی، ملک شام کی وادی سماوہ میں جو ایک ہزار سال سے خشک پڑا تھا پانی جاری ہوگیا۔ دریائے دجلہ میں وہ طغیانی آئی کہ اس کا پانی بڑھتے بڑھتے محل کسریٰ تک پہنچ گیا ایوان کسریٰ میں وہ زلزلہ آیا کہ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے طاق کسریٰ بیچ میں سے شق ہوگیا۔ آتش کدوں کی آگ جو ایک ہزار سال سے روشن تھی یکایک سرد پڑگئی۔ تمام دنیا کے بُت سرنگوں ہوگئے۔ شیطان اور اس کی ذریت کا آسمان پر جانا بند ہوگیا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

اگرچہ ہر نبی ورسل کی ولادت کے وقت کچھ امور خارق عادت ظہور میں آیا کرتے ہیں مگر نبی آخر الزماں کی ولادت کے وقت جو کثیر معجزات ظہور میں آئے ان کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈھی نہیں ملتی۔

مومنین کے محظوظ کرنے کے لیے جناب قیس زنگی پوری کے مخمس کا کچھ حصہ پڑھتا ہوں ؎

خدا جب ہو مدحت سرائے محمدؐ بشر کیا کرے گا ثنائے محمدؐ
مہ ومہر ہیں نقش پائے محمدؐ بنے عرش وکرسی برائے محمدؐ

دو عالم میں پھیلی ضیائے محمدؐ

شرف جو ہمارے نبی کو ملا ہے — خدا کے سوا کوئی کیا جانتا ہے
اس اعزاز کی بھی کوئی انتہا ہے — زبانِ محمدؐ پہ حمد خدا ہے
زبانِ خدا پر ثنائے محمدؐ

پیمبر سب ہی تھے معظم مکرم — فضیلت میں کوئی زیادہ کوئی کم
چلو کہہ دیں اللہ کے روبرو ہم — رسولوں کا سرتاج ماہ دو عالم
ہوا اور نہ ہوگا سوائے محمدؐ

چلا عرش پر جب سوار مدینہ — براق فلک سیر تانے تھا سینہ
لٹاتا تھا موتی ٹپکتا پسینہ — ہوا غسل فرشتوں میں زینہ بہ زینہ
وہ آئے محمدؐ وہ آئے محمدؐ

ہوا چرخ جو ماہ کامل دوپارہ — پھرا پھر مغرب سے پاکر اشارہ
اُتر آئے ڈیوڑھی پہ زہرا ستارا — سنے لخت دل عرش کا گوشوارا
یہ کس کا شرف ہے سوائے محمدؐ

جدا ہو کے حوّا سے گریاں تھے آدم — دیا واسطہ ان کا خالق کو جس دم
ملیں آکے حوّا سے ہوئے شاد و خرم — سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کہیں ہم
رُلائے خدا اور ہنسائے محمدؐ

عجب حیرت افزا ہے فطرس کا قصہ — عتابِ خدا سے زمیں پر پڑا تھا
مقدر سے حضرت کی ڈیوڑھی پہ آیا — ملے بال و پر جب تو حیرت سے بولا
لگائے خدا اور بجھائے محمدؐ

کیا کس نے آدم کو جنت سے باہر — وسیلہ سے کس کے گئے پھر مکرر
یہ سب عشق کے کھیل ہیں بندہ پرور — دگرنہ نہ کرتی کبھی عقل باور
اجاڑے خدا اور بسائے محمدؐ

حقیقت یہ ہے کہ کس کی طاقت ہے جو ایسی ذات رفیع الدرجات کی تعریف کر سکے جو کمال انسانیت کی مسند پرنور پر جلوہ افروز ہو توحید شمیم جاں پرور ہے جس کا ہر تار نفس معطر ہو نبوت جس کے سر کا تاج اور ختم نبوت جس کی دستار فضیلت کا طرۂ امتیاز ہو وحی جس کے حرم تقدس کی پردہ دار اور الہام گنجینۂ دل

کلید بردار۔ ملک جس کی آستان بوسی کو آئیں۔ فخر جانیں حوریں جس کی خدمت گذاری کی منتیں مانیں۔ سراج منیر جس کی بزم عرفان کا روشن چراغ خلق عظیم جس کی محفل قدس کا روح پرور ایاغ۔ کفر کی گردن جس کے آگے نڈھال۔ شرک و ضلالت جس کی ٹھوکروں سے پامال۔ نظام عالم امکان جس کے ادنیٰ اشارے پر رقصاں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جس کا تابع فرمان، قرآن کی تاویل جس کی زبان، روح کی غذا جس کا بیان، جس کا ہر قول جانِ ایمان جس کا ہر عمل ریحان، رحمت عالم خلق مجسم، نبی اکرم سردار دو عالم۔

میں اس محفل پرنور میں ایک نور کا ذکر کر رہا تھا۔ چاہتا ہوں کہ تھوڑا سا ذکر کر کے نور علیٰ نور کا مصداق بنا دوں۔ جب یہ نور عالم ظہور میں آیا تو ایک عالم کو پُرنور بنا دیا۔ اللہ اللہ اس وجود نورانی کی کار فرمائی کا کیا ٹھکانہ جس نے وجود مادی کی تاریکی کو اس حد تک مٹایا کہ آنکھیں ڈھونڈھتی رہیں اس کا سایہ نظر نہ آیا۔ حضرات سایہ نظر کیوں کر آتا جبکہ نور محمدی ظل الٰہی تھا تو سایہ کا سایہ کہاں ہوتا یہ قاعدہ ہے جب کسی نور کی تیز شعاعیں کسی مادی وجود پر چھا جاتی ہیں تو اس کے اطراف سے تاریکی کو اڑا کرتے جاتی ہیں ارسطو نے آفتاب کو نور کامل قرار دیا ہے اور ہر قسم کی روشنی کا مرکز و منبع اسی کو قرار دیتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ کمال کا مرتبہ آفتاب کو کہاں نصیب اس کے داغ دھبے اس کے وجود کی تاریکی کا پتہ دے رہے ہیں۔ نجومیوں (سائینسدانوں) نے آلات رصدیہ کی مدد سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ سورج کی سطح پر بہت بڑے بڑے داغ سیاہ ہیں۔ علاوہ بریں سورج کی ضیا پاشی میں ایک بڑا عیب یہ ہے کہ اگر آپ ایک سینک کو کھلی دھوپ میں سیدھا کھڑا کر دیں تو سورج میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی چاروں طرف کو روشن و منور کر دے۔ ضرور کسی نہ کسی طرف اس کا سایہ پڑتا رہے گا۔ لیکن نور محمدی کو یہ کمال حاصل تھا کہ اس نے آنحضرتؐ کے نور مادی کو اتنا روشن و تابندہ بنایا تھا کہ اس کا سایہ کسی طرف پڑتا ہی نہ تھا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

اتنا ہی نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے جسم مبارک کا سایہ نہ پڑتا تھا بلکہ اس نور محمدی نے آپ کے تمام جسم کو از سرتاپا افراط نورانیت سے چشم بینا بنا دیا تھا جس طرح ہمارے اجسام میں صرف آنکھ کے اندر قوت بینائی ہے اسی طرح حضرتؐ کے ہر حصہ بدن میں اللہ تعالیٰ نے یہ قوت بخشی تھی یہی وجہ تھی کہ آپ جس طرح اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی ملاحظہ کرتے تھے بعض لوگ بحالت جماعت آپ سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تھے۔ ایک روز حضرتؐ نے چیں بجبیں ہو کر فرمایا لَا تَسْبِقُوْنِیْ فِی الرُّکُوْعِ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ قُدَّامِیْ یعنی تم مجھ سے پہلے رکوع میں مت جایا کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

ایک روز جناب ابوذر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا حضورؐ آنکھیں بند کیے ہوئے استراحت فرما رہے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون مجلس	صفحہ نمبر
۱	حال ولادت حضرت رسولؐ خدا	۱
۲	حال وفات حضرت رسولؐ خدا	۱۲
۳	حال ولادت حضرت علی علیہ السلام	۲۷
۴	حال شہادت حضرت علی علیہ السلام	۴۰
۵	حال ولادت جناب سیدہ عالم صلوات اللہ علیہا	۵۲
۶	حال وفات جناب سیدہ عالم صلوات اللہ علیہا	۶۴
۷	حال ولادت امام حسن علیہ السلام	۷۵
۸	حال شہادت امام حسن علیہ السلام	۸۷
۹	حال ولادت امام حسین علیہ السلام	۹۷
۱۰	حال شہادت امام حسین علیہ السلام	۱۱۰
۱۱	حال ولادت امام زین العابدین علیہ السلام	۱۲۲
۱۲	حال وفات امام زین العابدین علیہ السلام	۱۳۲
۱۳	حال ولادت امام محمد باقر علیہ السلام	۱۴۵
۱۴	حال وفات امام محمد باقر علیہ السلام	۱۵۸
۱۵	حال ولادت امام جعفر صادق علیہ السلام	۱۶۹
۱۶	حال وفات امام جعفر صادق علیہ السلام	۱۸۲
۱۷	حال ولادت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	۱۹۱
۱۸	حال وفات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	۲۰۸
۱۹	حال ولادت امام رضا علیہ السلام	۲۲۲
۲۰	حال وفات امام رضا علیہ السلام	۲۳۸
۲۱	حال ولادت امام محمد تقی علیہ السلام	۲۵۰
۲۲	حال وفات امام محمد تقی علیہ السلام	۲۶۲
۲۳	حال ولادت امام نقی علیہ السلام	۲۶۹
۲۴	حال وفات امام نقی علیہ السلام	۲۷۸
۲۵	حال ولادت امام حسن عسکری علیہ السلام	۲۸۷
۲۶	حال وفات امام حسن عسکری علیہ السلام	۲۹۸
۲۷	حال ولادت حضرت امام حجتؑ علیہ السلام	۳۰۹
۲۸	حال ولادت جناب زینب علیہا السلام	۳۲۲

ہیں آپ نے یہ جاننے کے لیے کہ حضورؐ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں حضرت کے قریب کھڑے ہو کر کچھ سوکھی لکڑیاں توڑنی شروع کیں تاکہ ان کے چٹخنے کی آواز سُن کر اگر حضرت بیدار ہوں تو میری طرف متوجہ ہو جائیں۔ حضرت نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: اے ابوذر یہ کیا کر رہے ہو اے ابوذر تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا یعنی میں جس طرح بحالت بیداری میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں اسی طرح بحالت خواب بھی سنتا اور دیکھتا ہوں۔

اور انبیا میں بھی نورانیت تھی مگر اس کو نور محمدی سے کیا نسبت تھی وہ نور محدود فی الذات تھا اور یہ نور متعدی الی الغیر کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا نور بھی تو متعدی الی الغیر تھا کیونکہ وہ ٹھوکر مار کر اپنا نور جو سبب حیات ہے مُردہ اجسام میں داخل کر کے ان کو زندہ کر دیتے تھے بیشک ہم اس کو مانتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ روح حیات انہی میں پھونکتے تھے جن میں حیات پہلے پائی جاتی تھی وہ اپنا نور انہی اجسام میں پہنچاتے تھے جو پہلے صاحب نور رہ چکے ہیں برخلاف ہمارے رسولؐ کے آپ نے سنگریزوں کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ان سے تسبیح الٰہی کرادی، ظاہر ہے کہ سنگریزے جمادات میں سے ہیں اور جمادات موالید ثلاثہ میں سب سے پست چیز ہے اس میں نور سب سے کم ہے پس کتنا کمال حاصل تھا نور محمدی کو کہ پست سے پست کو وہ قوت بخش دی جو اشرف المخلوقات انسان سے مخصوص ہے یعنی نطق اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

اللہ اللہ اس نورانیت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جو چیز اس جسم مبارک سے متصل رہتی تھی اس میں بھی اتنی نورانیت آجاتی تھی کہ وہ فرش سے اُٹھ کر عرش تک جا سکتی تھی۔ جناب موسیٰ جب وادی ایمن میں پہنچے تو حکم ہوا یا موسیٰ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (سورہ طٰہٰ ۲۰/۱۲) اے موسیٰ اپنے نعلین نکال ڈالو کیونکہ تم وادیٔ مقدس میں چل رہے ہو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی نورانیت نے ان چیزوں پر اثر نہ کیا جو ان کے جسم مبارک سے متصل رہتی تھی۔ لیکن جب ہمارے رسولؐ معراج کے لیے گئے تو ان سے کہا گیا کہ اے رسول اپنی نعلین کو اُتار دو۔ حضرت عیسیٰ کا رفع جب آسمان پر ہوا تو آپ کے لباس میں ایک سوئی لگی رہ گئی تھی قدرت نے اس کی وجہ سے ان کو آسمان چہارم سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا منشا یہ تھا کہ اگر تم کو پوری طرح ہماری طرف توجہ ہوتی تو تمہارے ساتھ یہ ایک سوئی نہ ہوتی اس کی وجہ سے دل خالی ہوتا تو اس کو لباس سے پھینک کر آتے لیکن ہمارے حضورؐ کو باوجود نعلین ساتھ ہونے کے قاب قوسین تک پہنچایا گیا اور کہیں نہ روکا گیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

آپ کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے جسم مبارک پر مکھی تک نہ بیٹھتی تھی۔ مکھی کیسے بیٹھتی وہ تو فضول کش ہوتی ہے۔ حضرت کی نورانیت نے آپ کے جسم مبارک تک فضول چیز کو آنے ہی کب دیا تھا ہاں فضول کش کی بجائے

فضیلت کش آپ کے جسم مبارک پر بیٹھا کرتے تھے کبھی حسنین علیہما السلام آپ کے سینے مبارک پر بیٹھتے تھے کبھی پشت مبارک پر کبھی پہلو میں رہتے تھے اور کبھی دوش مبارک رسولؐ پر سوار ہوتے تھے آپ کے جسم مبارک میں سب سے زیادہ حصہ وہ صاحب نور تھا جس پر قدرت نے مہر نبوت کو نقش کیا تھا قدرت کو اس کا احترام اس درجہ مدنظر تھا کہ حضرت کو برہنہ تن بیٹھنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ خالق کو منظور نہ تھا کہ ایسی نگاہوں کا تار اس سے متصل ہو سکے جو کسی وقت بھی معصیت کے دامن میں اُلجھ چکا ہو لیکن اللہ اللہ کیا مرتبہ تھا امیر المومنینؑ کے پائے مبارک کا کہ وہ اس مہر نبوت پر خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

زہے نقش پائے کہ بر دوش احمدؐ
زمہر نبوت مقام نشیند!

کیا مرتبہ تھا ان بچوں کا جو ان شانوں پر شب و روز بیٹھا کرتے تھے جن پر مہر نبوت اپنی جلوہ نمائی کیا کرتی تھی یہ معمولی بات نہ تھی اگر بیٹھنے والوں میں کوئی خاص روحانی عظمت نہ ہوتی تو خدا کا حبیب ہرگز اس بات کو محبوب نہ رکھتا۔

معتبر روایات سے ثابت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چھوٹے نواسے امام حسین علیہ السلام کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے بیت الشرف سے تشریف لائے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ یا ابن رسول اللہ نعم المرکب مرکبک (اے حسینؑ تمہاری سواری سب سے بہتر سواری ہے) حضرتؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ اس کے ساتھ مجھ سے بھی یہ کہو نعم الراکب راکبک یا محمدؐ اے محمدؐ تمہارا سوار سب سواروں سے بہتر ہے اگر سوار میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی تو رسولؐ ہرگز اپنے شانوں پر سوار کرنا پسند نہ فرماتے۔

ہمارے رسولؐ کے فضائل و مراتب کا اس سے اندازہ کرو کہ شب معراج جب خداوند عالم نے براق دے کر جبرائیل امین کو آنحضرتؐ کے لانے کے لیے بھیجا اور آپ خانہ رسالت میں نازل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت سو رہے ہیں جبرائیل معمولی مخلوق نہ تھے سید الملائکہ تھے امین وحی تھے۔ مقرب خاص بارگاہ قدس و جلال تھے لیکن ان کی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ حضرت کو بے محابہ بیدار کر دیتے۔ ٹھٹکے اور بارگاہ عز و جلال میں عرض کرنے لگے خداوند تیرا حبیب سو رہا ہے کس طرح تیرا پیغام پہنچاؤں اگر تیری اجازت ہو تو بیدار کر دوں خطاب ہوا کہ اے جبرئیل تو جانتا ہے کہ تیرے رخسار کس چیز سے بنائے گئے ہیں عرض کی کافور جنت سے فرمایا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ یہ کس مقصد سے بنائے گئے ہیں اے جبرئیل اپنے رخساروں کو ہمارے حبیب کے تلووں پر مل جب ان کی خنکی ہمارے رسولؐ کے دماغ کو پہنچے گی آنکھیں کھول دیں گے جبرئیل نے ایسا ہی کیا تو حضرتؐ فوراً بیدار

ہوئے اور فرمایا اے حبیبؐ! خداوند تعالیٰ بعد تحفہ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ اے ہمارے حبیب میں تمہارے لیے براق بھیجتا ہوں اس پر سوار ہو کر آؤ اور میرے آیات کو دیکھو۔

براق اور برق ایک ہی چیز ہے برق میں سرعت بھی ہے اور نور بھی ہے۔ اس سے اندازہ کرو کہ ہمارے رسولؐ کی نورانیت کس پایہ کی تھی کہ عالم نور کی طرف جانے کے لیے جو سواری بھیجی گئی وہ بھی نور مجسّم اور سراپا سرعت تھی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

کس کی طاقت ہے کہ خدا کے اس محبوب رسول کی عظمت و شان بیان کر سکے۔ خلاق عالم نے ہر نبی کو اس کا نام لے کر پکارا ہے۔ مثلاً یَاآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (سورہ البقرہ ۲/۳۵) یا یَآاِبْرٰہِیْمُ قَدْصَدَّقْتَ الرُّؤْیَا (سورہ الصافات ۳۷/۱۰۵) یٰدَاوٗدُ اِنَّاجَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (سورہ ص ۳۸/۲۶) یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (سورہ ہود ۱۱/۴۸) وغیرہ وغیرہ لیکن کسی مقام پر یا محمدؐ کہہ کر نہیں پکارا بلکہ اپنے محبوب کی جو ادا پسند آگئی جو صفت پیاری معلوم ہوئی اسی نام سے پکار دیا۔ مثلاً کبھی یٰسین کہہ کر پکارا تو کبھی طٰہٰ کہہ کر کبھی یا ایہا المزمل کہہ کر کبھی یا ایہا المدثر کہہ کر اس کی جہت یہ ہے کہ اگر نام لے کر پکارتا تو اس کی ہدایت کے مطابق اور لوگ بھی حضرت کا نام لے کر پکارتے اور چونکہ آپ کا نام لینے کے بعد درود پڑھنا واجب ہے لہٰذا یہ ممکن تھا کہ بعض لوگ غفلت سے یا نسیان سے یا کسی اور وجہ سے نہ پڑھ سکتے تو خواہ مخواہ ایک واجب کو ترک کر کے معصیت میں مبتلا ہوتے لہٰذا اس نے نہ خود نام لے کر پکارا نہ دوسروں کو نام لے کر پکارنے کی اجازت دی برخلاف اور انبیاء کے ان پر درود پڑھنا لازم نہ تھا اس لیے ان کو ناموں سے پکار دیا۔

یہ کچھ کم مرتبہ نہیں کہ درود کو آنحضرتؐ کے نام کے ساتھ مختص کر دیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ رحمت الٰہیہ آپؐ کے نام کا جزو بن گئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

آج حضرتؐ کی ولادت کا دن ہے محفل میں ہر طرف سے بار بار درود و سلام کے نعرے بلند ہونے چاہئیں زمین سے اہل ایمان کا نعرہ بلند ہو آسمانوں سے ملائکہ کا اس کے ساتھ خدا کی طرف سے رحمت کے دروازے کھل جائیں اور درود بھیجنے والوں پر رحمت و برکت کی بارشیں ہونے لگیں۔ مومنین کے دامن اعمال سے گناہوں کے دھبے دھلنے لگیں نجات کی امیدوں میں جان پڑ جائے بخشش معاصی کا ذریعہ پیدا ہو جائے یہی درود شمیم جان بخش بن کر اس محفل روح پرور کو معطر بنا دے گا یہی درود افسردگی دل کو مٹا کر اعمال صالحہ کا جوش بھر دے گا۔

اپنے مولا و آقا سرور دوجہاں، صدر بزم عالمیان شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین کی شان میں چند اشعار پڑھ کر میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں ؎

واللیل اذا زلفِ ضیا گیر محمدؐ　　والشمس کی تفسیر ہے تنویر محمدؐ
ہو کس سے بیاں عظمت و توقیر محمدؐ　　اللہ کی تقریر ہے تقریر محمدؐ
رحمت کا مرقع بنی تصویر محمدؐ

ایمان کی رگِ جان ہے عرفانِ محمدؐ　　قدسی ہے سرِ بزم ثناخوانِ محمدؐ
ہے عالمِ امکاں پہ احسانِ محمدؐ　　مخلوق خدا کیوں نہ ہو قربانِ محمدؐ
ہر ذرہ ہے تحت ید تسخیر محمدؐ

درباں ہیں ملک جس کے وہ سرکار محمدؐ　　اللہ کا دربار ہے دربار محمدؐ
سو جاں سے رحمت ہے خریدار محمدؐ　　حد یہ ہے کہ خالق ہے طلبگار محمدؐ
پائی نہ کسی نے جو ہے توقیر محمدؐ

مجلسِ دوم

وفات حضرت رسولؐ خدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقانہ الحمید

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۲ (سورہ الجمعۃ ۶۲/۲)

(اللہ وہ ہے جس نے جاہلوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا تاکہ وہ آیات خدا کو ان پر تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاک و پاکیزہ بنا دے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دے اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں کیوں نہ ہوں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت سرور انبیاء کی غرض بعثت آیات الٰہی کی تلاوت کرنا لوگوں کے نفوس کو کفر و شرک کی نجاست اور اخلاق رذیلہ کی کثافت سے پاک و پاکیزہ بنانا تھا آنحضرتؐ نے خود بھی اپنی غرض بعثت

یہی بیان فرماتا ہے۔ اِنِّی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق (میں اس لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق بزرگیوں کی کمیوں کو پورا کر دوں)

تزکیہ نفس کا کام آسان کام نہیں انتہائی مشکل کام ہے آدمی کو اپنے نفس کے پاک صاف بنانے میں ہزارہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات انتہائی کوشش کے بعد کامیاب نہیں ہوتا دوسروں کی اصلاح کا ذکر ہی کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ڈھائی ہزار برس کی عمر پائی اور پورے نو سو برس تبلیغ کی۔ لیکن اس مدت میں پندرہ سے زیادہ آدمی خدا پر ایمان نہ لاسکے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو کام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا اس کے اتمام کا بار ایک ذاتِ واحد پر رکھا گیا اور پھر وہ بھی ایسی تکمیل کہ قیامت تک پھر کسی مبلّغ و رسولؐ کے آنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے پھر یہ مشکل اور نہ زیادہ وزنی بن جاتی ہے۔ جب عرب کے جاہل اور وحشی بدّو جن کے لیے نہ کوئی قانون تھا نہ کوئی تہذیب نہ اخلاق حسنہ سے ان کا کوئی تعلق تھا نہ خدا پرستی سے کوئی علاقہ۔ آنحضرتؐ کے سپرد اس لیے کیے گئے کہ ان کی زنگ آلود طبائع پر صیقل کی جائے ان کی نفسیاتی کثافتوں کو اس حد تک دور کیا جائے کہ وہ ایک عالم کے لیے اخلاق حسنہ اور تہذیب نفسانی کا نمونہ بن جائیں پھر آنحضرتؐ کے لیے یہ دشواری اور بڑھ جاتی ہے جب تعلیم و تبلیغ کی مدّت صرف ۲۳ سال ہی میں معین کی جاتی ہے اس مشکل میں ایک اور پیچ پڑ جاتا ہے جب یہ قلیل مدت بھی امن اور خوف جنگ اور سکون دونوں میں تقسیم ہو جاتی ہے کفار و مشرکین کی ایک ہولناک مخالفت آنحضرتؐ کی کوششوں میں سدِ راہ بھی ہو جاتی ہے۔

مگر واہ رے رسول تیرے کمال کا کیا کہنا کہ اس امر کا بیڑا اٹھا کر قدم بڑھایا کہ بات ہی کیا ہوئی اگر ۲۳ سال پہلے ہی اس کام کو ختم نہ کر دوں اور اپنے خالق سے یہ نہ کہلواؤں کہ بیشک دین کامل ہو گیا اور میں اس دین سے راضی ہو گیا۔ چنانچہ اپنی رحلت سے کئی ماہ پیشتر یہ مژدہ سن لیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورہ المائدہ ۵/۳) آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل بنا دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور میں نے دین اسلام کو تمہارے لیے برگزیدہ کر لیا۔)

ارسطو نے افلاطون سے پوچھا کہ انسان کا کمال کیا ہے؟ اس نے کہا تولید مثل یعنی اپنی ذات کو درجۂ کمال پر پہنچانے کے بعد لائق تحسین و آفرین وہ شخص سمجھا جاتا ہے۔ جو کم سے کم دو آدمی تو اپنا جیسا باکمال بنا دے آپ کو دنیا میں ایسے تو بہت سے لوگ نظر آئیں گے جو اپنے ذاتی کمال کے خواہاں ہوں گے لیکن ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے تولید مثل کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام ہے بھی حد درجہ مشکل ہر شخص کے بوتے کا نہیں یہ بڑے قوی نفس لوگوں کا کام ہوتا ہے کہ دوسروں کو پستی سے کھینچ کر اس سطح پر لے

آیئں جہاں خود ان کا نفس نہ ہو آپ دیکھئے کہ ہمارے رسولؐ نے اس تولید مثل کا کام کس خوبی سے انجام دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہی جیسے پاکیزہ نفس اخلاق حسنہ کے پتلے، اعمال صالحہ کے مرکز، خدا پرستی کے پیکر ایمان کے مجسمے بہت لوگ بنا ڈالے اور ان میں چار نفوس علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ تو تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کی ان منزلوں تک پہنچا دیئے جن کی نظیر آج بزم عالم میں ڈھونڈھی نہیں ملتی۔ حقیقتاً رسالت کا فرض اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب وہ اپنا ہی جیسا کامل انسان کسی کو بنا لیتی ہے۔ اس کے بعد اگر کمال کی منزلوں تک دوسرے نہ پہنچیں تو یہ خود ان لوگوں کی کوتاہی ہوتی ہے۔ ذات رسولؐ اس بارے میں ہر قسم کے الزام سے بری ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ایک کامل نمونہ بھی بنا کر نہ دکھایا جاتا تو البتہ رسالت رسولؐ پر اعتراض بھی ہو سکتا تھا۔

یاد رکھیئے ہمارے رسولؐ بلحاظ اخلاق و عادات، بلحاظ اعمال صالحہ، بلحاظ معاشرت و تمدن بنی نوع انسان کی مکمل فرد تھے۔ آپ کی ذات میں کوئی بات بھی ایسی نہیں پائی جاتی ہے جو دامن انسانیت پر بدنما داغ بنتی۔

ارسطو نے کہا ہے کہ فرد کامل دنیا میں بس ایک ہوتی ہے باقی ناقص افراد حد شمار سے باہر ہوتے ہیں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کسی ذات کا نقصان یہ بتاتا ہے کہ ابھی اس سے اوپر کوئی اور بہتر فرد ہے جہاں تک یہ نقصان ذات چلتا رہے گا یہ درجات بڑھتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں ایک فرد کامل ہاتھ آ جائے گی اس نے ایک مثال دی ہے وہ کہتا ہے بلحاظ ضیا پاشی ذرہ سب سے زیادہ ناقص ہے اس سے بالاتر لعل شب چراغ ہے جس کی چھوٹ ذرہ سے بہت زیادہ ہے آس پاس پڑتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اطراف کو روشن کرنے والا چراغ ہوتا ہے مگر اس کی شعاعیں بھی زیادہ دور تک نہیں جاتیں اس کے بعد چند اور روشن واسطوں کے بعد چاند کا مرتبہ آتا ہے اور اس کے بعد آفتاب کا جو آفتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے اور بس وہی کامل ہے وہ کہتا ہے اگر مخلوقات کا کوئی سلسلہ کسی وجود کامل پر جا کر ختم نہیں ہوتا تو اس سے خالق کی صناعی پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کو کامل کر کے پیدا کرنے پر قدرت ہی نہیں۔

آپ بنی نوع انسان کے افراد پر غائرانہ نظر ڈالیئے بلحاظ اخلاق اور مدارج نفسانی ان میں کوئی نہ کوئی عیب آپ کو نظر آئے گا۔ خواہ وہ اتنا کم ہی کیوں نہ ہو کہ اس کو ترک اولیٰ ہی سے تعبیر کیا جائے پس عقل یہ چاہتی ہے کہ کم سے کم ایک آدمی ایسا بھی پایا جانا چاہیئے جو ترک اولیٰ سے بھی کوسوں دور ہو اور ہم اس کو ہر حیثیت سے انسان کامل کہہ سکیں۔ پس خلاق عالم نے وہ انسان کامل بصورت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنا کر دنیا میں بھیجا۔ پس اگر حضرت اس کمال کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھتے تو پھر کمال میں نقصان پیدا ہو جاتا۔ یعنی کہنے

والے کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ یہ کیسا کامل ہے جو تولید مثل پر قدرت نہیں رکھتا۔ لہذا ہمارے رسولؐ نے اپنے اہل بیتؑ کو اپنا ہی جیسا بنا کر دنیا کو دکھا دیا تو ایک کامل نے اتنے کامل بنا دیئے کہ اب قیامت تک کسی ایک نہ ایک کامل کا وجود دنیا میں ضرور بالضرور ہر زمانہ میں باقی رہے گا۔

آیہ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾ (سورہ القلم ۶۸/۴) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور انبیاء خلق کے بہترین مراتب پر فائز تھے پس آپ سے بہتر تزکیہ نفوس کا کام کون کر سکتا تھا۔ یہ آپ کے خلق عظیم ہی کا اثر تھا کہ گروہ کے گروہ دین اسلام میں داخل ہوتے چلے جاتے تھے۔ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (سورہ النصر ۱۱۰/۲) کفار و مشرکین مکہ جو آپ کے خون کے پیاسے ہی بنے رہے وہ بھی آپ کی امانت و صداقت کے اس حد تک قائل تھے کہ آپ کو الامین اور الصادق کہہ کر پکارا کرتے تھے حضورؐ کا بہترین کیرکٹر اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق ہی وہ مقناطیس تھا جس نے یکایک تمام عرب کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور ایسا کھینچا کہ جو دائرہ اسلام میں آگیا۔ وہ حضرت کے شمع اخلاق کا پروانہ ہی بن کر رہا۔

عرب جیسے ملک میں اور پھر قریش جیسے قبیلہ میں جو پشتہا پشت سے اپنی اہلیت و انسانیت کو کھو بیٹھے تھے۔ تبلیغ کرنا آسان کام نہ تھا حضرت خود فرماتے ہیں۔ مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ كَمَا أُوذِيتُ۔ کوئی نبیؑ میرے برابر نہیں ستایا گیا۔ کون سا ظلم تھا جو ان سنگدلوں نے نہ کیا۔ حضرت پر مجمعوں میں پتھر برسائے گئے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے کوٹھوں سے چلتے وقت آپ کے اُوپر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا بحالت نماز آپ کی پشت پر اونٹوں اور بکریوں کی اوجھڑیاں رکھیں آپ کی تقریر کے وقت تالیاں بجائیں ننگے ہو ہو کر ناچے آپ کو مجنون اور دیوانہ مشہور کیا انتہا یہ ہے کہ آپ کے قتل پر آمادہ ہوئے مگر آپ نے کبھی ان کے لیے بددعا نہ کی بلکہ ہمیشہ یہی فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ بارالہا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ جو نیکی میں ان کے ساتھ کر رہا ہوں یہ اس کو جانتے نہیں۔ اگر وہ بدذات غریب مسلمانوں کو طرح طرح سے پریشان نہ کرتے دین اسلام کی اشاعت میں طرح طرح کی رکاوٹیں نہ ڈالتے تو حضرت ہرگز ہرگز میدان جنگ میں ان کے مقابلے کے لیے نہ نکلتے۔

آنحضرتؐ منکسر المزاج، نیک دل، تواضع پسند اور ہر کس و ناکس کے ساتھ نیکی کرنے کا ارادہ رکھنے والے انسان تھے۔ باوجودیکہ آپ تمام عرب کے مالک تھے اور لاکھوں مسلمان آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے مگر آپ نے کبھی بادشاہان دُنیا کی طرح تکبر و رعونت سے کام نہیں لیا اور اپنے نفس پر ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دی۔ آپ کے کسی کام میں خواہش نفسانی کو دخل نہ تھا بلکہ جو مرضیٔ الٰہی ہوتی تھی وہی کام کرتے تھے۔ بادشاہ بن کر جیسی سیدھی سادی زندگی آپ نے بسر کی دُنیا میں اس کی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی دنیاوی سازو

سامان کے اعتبار سے آپ میں اور ایک غریب مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔ بادشاہ بن کر اپنے سر پر تاج نہ رکھا کسی مرصع تخت پر بیٹھنا گوارا نہ کیا، کسی عالیشان محل میں رہنا پسند نہ فرمایا۔ اعلیٰ قسم کے لباس پہنے نہیں۔ مرغن غذا کبھی کھائی نہیں۔ عیش و عشرت کے سامان سے تعلق نہیں رکھا۔ گھر تھا جو چند بالشت لمبا چوڑا وہ بھی کچا بنا ہوا تھا چھوٹا سا حجرہ جس کی چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی اتنی نیچی کہ سر سے لگتی تھی۔ در و دیوار سے مٹی جھڑتی تھی۔ دروازے پر ایک پھٹے ہوئے کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا زمین پر ایک بوسیدہ چٹائی آپ کا فرش خواب تھی، معمولی کپڑے کا لباس اس میں بھی جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے جو کی سوکھی روٹیاں آپ کی غذا تھی وہ بھی کبھی کھائی اور کبھی بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ فکر تھی تو یہ کہ مسلمان کوئی ننگا بھوکا نہ رہے کوئی سائل در سے خالی ہاتھ نہ جائے۔ کہ خدا کے بندے کو اپنا حق ضائع ہونے کی شکایت پیدا ہو دنیا نے ایسا رحم دل ایسا ہمدرد ایسا غمخوار بادشاہ کہاں پایا ہے۔

حضورِ سرورِ کائنات نے انسانیت کی اس سطح کو جو صدیوں سے ناہموار چلی آرہی تھی اور سرمایہ داروں نے غریبوں اور محتاجوں کو نظر سے گرا دیا تھا۔ صاحبانِ اقتدار نے کمزوروں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا حکمرانوں نے اپنے محکوموں کے جائز حقوق کو پامال کر رکھا ہے ایسا ہموار بنا دیا برتری اور کمتری کا فرق ایسا مٹا دیا کہ غلام اور آقا امیر اور غریب قوی اور ضعیف محمود اور ایاز سب ایک ہی صف میں آگئے۔

اسلامی سطح پر بلاکسی امتیاز کے سب برابر کھڑے ہوگئے۔ وہاں معیار فوقیت و برتری نہ سرمایہ داری تھی نہ حسب و نسب نہ اقتدار تھا نہ قوت نہ کثرت تھی نہ وجاہت بلکہ حلقۂ اسلام میں جو سب سے زیادہ متقی تھا وہی سب سے زیادہ قابلِ تعظیم تھا چاہے وہ کسی قوم کا کسی نسل کا ہو کسی دیس کا ہو۔ عربی یا عجمی ہندی ہو یا سندھی، مصری ہو یا یونانی سب ایک مصحف اخوت کے اوراق تھے۔ سب ایک خاندان کے ممبر ایک دین کے پیرو ایک خدا کے ماننے والے تھے سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے تھے ایک ظرف میں مل کر پانی پی سکتے تھے آپس میں مناکحت و مباشرت کر سکتے تھے۔

ایک روز ایک دولت مند مسلمان حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک غریب مسلمان بھی جس کے کپڑے بہت میلے اور بوسیدہ تھے شرف صحبت حاصل کرنے کے لیے وہاں آیا اور اسی مالدار کے پہلو میں بیٹھا۔ مالدار اپنا قیمتی لباس اس سے بچانے کے لیے ذرا کھینچنے لگا۔ ناگاہ حضرت کی نظر پڑ گئی چہرۂ مبارک پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپ نے چیں بہ جبیں ہو کر اس مالدار شخص سے فرمایا۔ اے شخص تو اپنے غریب بھائی سے کیوں کھینچ کر بیٹھا۔ آیا اس خیال سے کہ تیری امیری اس سے جا لپٹے گی یا اس خیال سے کہ اس کی غریبی تیرے گلے کا ہار ہو جائی جس خدا نے یہ لباس فاخرہ تجھے دیا ہے کیا اسے نہیں دے سکتا یا جس

نے اسے فقیر بنایا ہے وہ مجھے محتاج نہیں بنا سکتا۔ حضرت کے اس ارشاد نے اس کا دل کانپ گیا اور رونے لگا۔ پھر ہاتھ باندھ کر عرض کی حضورؐ مجھ سے یہ بہت بڑا قصور سرزد ہوا۔ اب میں اس کی تلافی یوں کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی نصف دولت اپنے اس غریب بھائی کو ہبہ کر دی۔ حضورؐ اس کی حق شناسی سے خوش ہوئے اور اس مردِ غریب سے فرمایا یہ ہبہ منظور ہے۔ اس نے دست بستہ عرض کی۔ حضورؐ! مجھے منظور نہیں فرمایا کیوں اس نے کہا حضورؐ یہ اپنی اس نجاست کو میری طرف پھینکنا چاہتا ہے جس نے اس کو مرتبہ انسانیت سے گرا دیا تھا۔ مجھ کو ایسی مالداری سے جو فرعونیت پیدا کرنے والی ہو اپنی غریبی ہی پسند ہے۔ حضورؐ نے اس کی عالی ہمتی کی تعریف کی۔ اس مالدار نے یہ حال دیکھ کر عرض کی حضورؐ گواہ رہیں میں نے اپنی ساری دولت بحق فقراء و مساکین وقف کر دی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مسجد نبوی کے صحن میں ایک کچا چبوترہ بنا ہوا تھا جو صفہ کہلاتا تھا جس پر وہ محتاج مسلمان پڑے رہتے تھے جن کا نہ کوئی کنبہ قبیلہ تھا اور نہ کہیں رہنے سہنے کا ٹھکانہ۔ مہاجرین و انصار کے یہاں سے باری باری ان کے لیے کھانا آیا کرتا تھا۔ حضورؐ سرور انبیاء کا معمول تھا کہ ہر روز نمازِ صبح کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ان کے پاس بغرضِ احوال پرسی ضرور بیٹھا کرتے تھے ایک روز جو حضرت تشریف لائے تو ایک غریب مسلمان سے مل کر بیٹھے تو اس نے حضرت سے اپنا پہلو بچانا چاہا آپ نے پوچھا اے بھائی تم ایسا کیوں کر رہے ہو اس نے عرض کی حضور بادشاہ دین و دنیا ہیں میرے کپڑے حد درجہ میلے ہو رہے ہیں جسم سے پسینہ کی بو آ رہی ہے میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میری کثافت کا اثر حضورؐ کے لباس تک پہنچے۔ یہ سن کر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس کے زانو کو ہاتھوں سے دبا کر بہ شفقت اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: بھائی شرم نہ کرو فقیر فقیر کے پاس بیٹھا کرتا ہے۔ اللہ اللہ ایسے غریب نواز بادشاہ ہوتے ہیں کہاں۔ یہ تھا حضرت کا خلقِ عظیم۔ یہ تھی انسانیت کی وہ سطح جسے اسلام نے ہموار بنایا تھا۔

ایک بار حضرت نے بادشاہ روم کو ایک خط لکھ کر دعوت اسلام دی اس نے اپنے وزراء سے مشورہ کیا انہوں نے کہا پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ محمد بن عبداللہ کس شان و شوکت کے بادشاہ ہیں اس کا دین کیسا ہے اگر کوئی قوت اس کے اندر پائی جائے گی۔ تو اس بارے میں کچھ غور کیا جائے گا ورنہ نہیں اس مشورہ کے مطابق دس آدمی جو نہایت چست و چالاک اور بڑے فصیح البیان و طلیق اللسان تھے نہایت امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ تحقیق حال کے لیے روانہ کیے گئے۔ جب یہ لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو اتفاقاً جناب جابر بن عبداللہ انصاری ان کو ملے جو ایک باغ کو پانی دے رہے تھے۔ انہوں نے جناب جابر سے پوچھا ہم بادشاہ اسلام محمد بن عبداللہ کے قصر اعلیٰ تک جانا چاہتے ہیں تم ہماری رہنمائی کرو جناب جابر نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ وہ سب جناب

جابر کے ساتھ چلے کچھ دور چل کر جناب جابر ایک دروازے کے پاس جاکر ٹھٹکے جس پر پرانے کمبل کا پھٹا ہوا پردہ پڑا ہوا تھا انہوں نے کہا اے شخص معلوم ہوتا ہے تو کوئی دیوانہ ہے ہم بادشاہ اسلام کی بارگاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور تو ایک فقیر محتاج کے دروازے پر لا کھڑا کرتا ہے جناب جابر نے فرمایا خاموش رہو بادشاہ دین و دنیا کی سرکار یہی ہے۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور ایک دوسرے سے اشارۃً کہنے لگے بس حقیقت معلوم ہو گئی اس کے بعد انہوں نے بے محابا داخل ہونا چاہا جناب جابرؓ نے ان کو روکا اور فرمایا تم بے اجازت اندر داخل نہیں ہو سکتے میں سرکار دوعالم سے پہلے باریابی کا اذن حاصل کر لوں تب تم کو اندر جانے دوں گا اس پر ان کو اور زیادہ ہنسی آئی اور آپس میں کہنے لگے سبحان اللہ یہ بارگاہ ایسی ہی بلند پایہ ہے کہ اس میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے۔

بہرحال جناب جابر اجازت لے کر آئے اور ان سے فرمایا خوش نصیب کہ سرکار دوعالمؐ نے داخلے کی اجازت دے دی یہ سن کر وہ لوگ اندر داخل ہوئے دیکھا کہ خواجہ کائنات اشرف موجودات باعث ایجاد عالم فخر آدم و نبی آدم خاک پر تشریف فرما ہیں اور اصحاب آپ کے گرد اس طرح باادب بیٹھے ہیں جیسے چاند کے گرد ہالہ آنحضرتؐ کی شانِ جلالت کا کچھ ایسا اثر ان لوگوں پر پڑا کہ بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اور کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی تادیر سکتہ کے عالم میں خاموش کھڑے رہے۔ حضورؐ نے سر انور اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا اور فرمایا تم لوگ جس مقصد و مدعا کے لیے آئے ہو اسے بیان کرو ان میں سے ایک شخص نے جو ان کا سردار تھا کہنا شروع کیا۔ حضورؐ والا ان آنکھوں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے بڑے بڑے شاہان کجکلاہ کی شان و شوکت کو ملاحظہ کیا ان کی جلالت و عظمت کے کارنامے سنے اور دیکھے مگر واللہ اے خاک نشین بادشاہ اس عظمت و جلال کا کہیں کچھ نشان نہ پایا۔ یہ رعب و ادب ڈھونڈے نہ ملا۔ حضرت نے فرمایا خیر جو دیکھا ہے اسے جاکر وہاں بیان کر دینا انہوں نے کہا حضورؐ اب ان قدموں کو چھوڑ کر جائیں کہاں دنیا کے ہوس رانوں اور غرض کے بندوں کی اس بادشاہت سے کیا نسبت ہے ہماری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ رعایا کا ہمدرد، حقوق انسانی کا پاسبان خلق اللہ کا غمخوار، انسانیت کی حدود کا نگہبان ایسا انسان ہونا چاہئے جیسے حضورؐ ہیں۔ دنیا کی سلطنتوں کے قوانین خود غرضی اور ہوس رانی کی آلائشوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں جن کے ذریعے غریبوں کے جذبات ٹھکرائے جاتے ہیں کمزوروں کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں تفوق و برتری کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اب دنیوی قوانین کی مسموم فضا میں سانس لینے کو جی نہیں چاہتا اب تو انہی قدموں میں رہ کر اپنی بقیہ زندگی گزار دیں گے یہ ہے سیاست الہٰیہ اور سیاست نبویہ اور یہ تھا آنحضرتؐ کے خلق عظیم کا اثر۔

جنگ احزاب میں خندق کھودی جارہی ہے کئی کئی وقت کے فاقے سے مسلمان خندق کی انتہائی مشقت

برداشت کر رہے ہیں اس فقہ و فاقہ میں رسولؐ بھی ان کے شریک ہیں۔ پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ جناب فاطمہ زہراؑ جو کی ایک روٹی لے کر اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت نے بیٹی سے وہ روٹی لے لی اور اس کے بہت سے ٹکڑے کر کے ان مسلمانوں کو تقسیم کر دیئے جو بہ سبب شدت گرسنگی کے اپنی طاقت کھو بیٹھے تھے اور دل کی طرح حضرت کے حصّہ میں بھی ایک ہی ٹکڑا آیا یہ تھی مساوات کی تعلیم، یہ تھا ہمدردی کا سبق۔

جنگ بدر میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے ان میں حضرت کے چچا عباس بھی شامل تھے مسلمانوں نے اوروں کی طرح ان کی مشکیں بھی خوب کس کر باندھ دی تھیں وہ مقام جہاں عباس کو محبوس کیا گیا تھا حضرت کے دولت سرا کے قریب تھا رات کو جب عباس کے کراہنے کی آواز آئی تو آپ کی نیند اُڑ گئی اور اس کا سبب معلوم کیا جب یہ پتہ چلا کر رسّی کی سخت بندش سے کراہ رہے ہیں تو آپ نے کچھ لوگوں کو بلا کر ہدایت کی کہ عباس کی بندش ذرا ڈھیلی کر دو اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں کسی نے عرض کی کہ قرابت داری کے خیال سے عباس پر تو یہ احسان کیا جا سکتا ہے لیکن اور کافروں پر جو ہمارے خون کے پیاسے ہیں کیوں کیا جائے فرمایا میں یہ رعایت اپنی قرابت کے لحاظ سے نہیں چاہ رہا بلکہ اس وجہ سے کہ یہ سب انسان ہیں اور تکلیف کا احساس ان کے اندر پایا جاتا ہے۔ یہ ہے رحمۃ للعالمین کی شان۔

مشرکین مکہ نے کون سی اذیت تھی جو آنحضرتؐ کو نہ پہنچائی تھی، انتہا یہ ہے کہ آپ کو اپنا محبوب وطن ترک کرنا پڑا ایسے موقع پر عام انسانوں کے دل میں جو جذبات انتقام ہوتے ہیں کون نہیں جانتا لیکن جب آنحضرتؐ نے مکہ فتح کیا کوئی بھی بدلہ نہ لیا جب اسلامی لشکر سرزمین مکہ میں داخل ہوا تو اس وقت کفار و مشرکین میں بڑی کھلبلی مچی ہوئی تھی ہر شخص یہ سمجھے ہوئے تھا کہ آج خیر نہیں کوئی دم گزرتا ہے کہ قتل عام کا حکم ہوتا ہے لیکن جب رحمۃ للعالمین کا کوکبۂ حشمت و اجلال مکہ میں آیا تو آپ نے منادی کرائی کہ سب لوگ کعبہ میں جمع ہو جائیں جو اپنے گھر میں رہے گا اسے پناہ نہ ملے گی۔ یہ سن کر سب زن و مرد بچے اور بوڑھے لرزتے کانپتے وہاں پہنچے۔ آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا تم نے جو مظالم مجھ پر کیے وہ تمہارے علم میں ہیں۔ آج خدا نے مجھے اتنی قدرت دی ہے کہ میں تم سے پورا پورا بدلہ لے سکتا ہوں تمہیں قتل کر سکتا ہوں جلا وطن کر سکتا ہوں۔ گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجوا کر ان پر ہل چلوا سکتا ہوں بتاؤ تم کو اب مجھ سے کیا توقع ہے، بتاؤ مجھے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ ہر طرف سے آواز آئی ہم اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہیں اور آپ سے وہی توقع رکھتے ہیں جو ایک کریم ابن کریم سے رکھنا چاہیے، یہ سن کر حضرت نے فرمایا قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (سورہ یوسف ۱۲/۹۲) جب تم نادم ہو گئے تو اب تم پر کوئی الزام نہیں یہ تھی حضرت کی شان رحمت و کرم اور عفو و بخشش۔

طائف میں جب آپ تبلیغ کے لیے پہنچے تو بے رحم کفار نے آپ پر پتھر برسائے کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا آپ اسی حالت میں ایک باغ میں چلے گئے۔ محافظ باغ کو حضورؐ کی اس حالت پر رحم آگیا اس نے ایک خوشہ انگور آپؐ کو لاکر

دیا اور کہا آپؐ اپنے دشمنوں کے لیے دعائے بد کیوں نہیں کرتے آپؐ نے فرمایا خدا ان کو ہدایت کرے گا اور اگر آج نہیں سمجھتے تو کل سمجھیں گے۔ حضرت کا یہ صبر دیکھ کر وہ شخص مسلمان ہوگیا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

حقوق مسلمین کے تحفظ کا آپ کو اس قدر خیال تھا کہ جناب ابوذر غفاری بیان کرتے ہیں کہ ایک شام کو جو میں حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ کو سخت بے چین پایا میں نے سبب پوچھا تو فرمایا اے ابوذر بحق مسلمین میرے پاس تین درہم تقسیم کرنے سے باقی رہ گئے ہیں میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ اگر رات میں مجھے موت آگئی تو مسلمانوں کا یہ حق ادا کرنے سے رہ جائے گا۔ ابوذر کہتے ہیں کہ صبح کو جب میں پھر حاضر ہوا تو آپ کو ہشاش بشاش پایا میں نے سبب پوچھا تو فرمایا اے ابوذر شکر ہے خدا کا شام جو چیز میرے پاس امانت تھی وہ رات اپنے مستحقوں تک پہنچ گئی۔

یہ تو بنی نوع انسان کے حقوق شناسی کا بیان تھا اب ذرا حال اس کا بھی سن لیجئے کہ حق کی ادائیگی کس صورت سے کی جاتی تھی۔ آپ کی عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ تمام تمام رات محراب عبادت میں گزر جاتی تھی یہاں تک کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ آپ کی یہ حالت خدا سے نہ دیکھی گئی فرمایا طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (سورہ طٰہٰ ۲۰/۲) اے میرے طیب و طاہر بندے میں نے اس لیے قرآن نازل نہیں کیا کہ تم اپنے کو مشقت میں ڈالو۔ اے حبیب اتنی زیادہ عبادت نہ کیا کرو قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا (سورہ المزمل ۷۳/۲) رات کو ذرا کم کھڑے رہا کرو آدھی رات یا اس سے کچھ کم عبادت سے مخصوص رکھو۔ اللہ اللہ اس عبادت کا کیا ٹھکانا ہے جس کو وہ معبود بے نیاز زیادہ سمجھتا ہے جس کی عبادت کرنے والے اٹھارہ ہزار عالم میں اور جس کو کسی کی عبادت کی پرواہ نہیں خوف الٰہی میں حضرت کا یہ حال تھا کہ جب محراب عبادت میں کھڑے ہوتے تو بدن کا ایک ایک جوڑ کانپ جاتا، چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا بعض اوقات اصحاب آپؐ کی حالت نازک دیکھ کر خائف ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سلمان فارسی راوی ہیں کہ جب حضرت مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور بخار کی شدت ہوئی تو نماز ظہر ادا کرنے کے لیے آپ نے مسجد میں جانا چاہا۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ حضور میں اتنی طاقت نہیں معلوم ہوتی کہ مسجد تک تشریف لے جائیں بہتر یہ ہے کہ حضور گھر ہی میں نماز ادا فرمالیں اے سلمان میرا دل چاہتا ہے کہ ایک بار اور مسجد میں نماز پڑھ لوں، شاید اب یہ میری مسجد میں آخری نماز ہو۔ سلمان کہتے ہیں یہ سن کر میں لرز گیا اور حضرت کی رحلت کے تصور میں زار زار رونے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا اے سلمان کیوں روتے ہو موت برحق ہے جو پیدا ہوا ہے وہ مرے گا ضرور بہر حال حضورؐ اسی حالت میں بیت الشرف سے باہر تشریف لائے۔ حضرتؐ کا ایک بازو میں نے پکڑا اور دوسرا مقداد نے ہلکے ہلکے قدم اٹھاتے ہوئے حضرتؐ مسجد میں تشریف فرما ہوئے صحابہؓ پہلے ہی جمع تھے حضرتؐ نے جس طرح ہو سکا نماز جماعت ادا فرمائی اس کے بعد آپؐ صحن مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ بیان کر کے مسلمانوں سے فرمایا ایہا الناس

وہ وقت قریب آگیا ہے کہ میں تم سے جُدا ہو جاؤں میں نے پوری کوشش کی کہ جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہے وہ ادا ہو جائے پس اگر میرے علم و یقین سے باہر کسی کا کوئی حق مجھ پر رہ گیا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس وقت مجھ سے طلب کرلے میں نہیں چاہتا کہ اس دار فنا سے اس طرح جاؤں کہ کسی کا حق بقدر دانہ تل بھی مجھ پر نہ ہو۔ یہ سن کر تمام اصحاب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرطِ غم سے کوئی ایک کلمہ ان کی زبان سے نہ نکلا۔ ناگاہ سویدہ بن قیس انصاری اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے عرض کی یارسول اللہ! میرا ایک حق آپ کے اُوپر ہے۔ ایک بار آپ ناقہ غضبا پر سوار تھے آپ اس کو تازیانہ مارنا چاہتے تھے کہ وہ اُچٹ کر میری پشت پر آلگا لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ حضورؐ سے اس کا قصاص لے لوں تاکہ میرا یہ حق آپ پر سے ہٹ جائے۔ حضرت نے جناب سلمان سے فرمایا کہ سیدہؑ سے میرا تازیانہ مانگ لاؤ سلمان یہ سن کر روتے ہوئے آئے اور سیدہ عالم سے تازیانہ مانگا انہوں نے کہا اے سلمان مسجد میں تازیانہ کی ضرورت کیا ہے اس حالت مرض میں بابا جان سوار ہو کر کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سلمان نے کہا سیدہ عالم جانے کا ارادہ تو کہیں کا نہیں سویدہ بن قیس حضورؐ سے قصاص طلب کر رہا ہے اس کے بعد تمام واقعہ سنایا یہ سُن کر حضرت سیدہؑ بے چین ہو گئیں اور حسنینؑ سے فرمانے لگیں اے فرزندو تم سلمان کے ساتھ جاؤ اور سویدہ سے بمنت کہو کہ ہمارے نانا میں تازیانہ کھانے کی طاقت نہیں ہے اے شخص! اگر تجھے قصاص ہی لینا ہے تو ہماری پشتیں حاضر ہیں جتنے تازیانے چاہے مارلے۔

الغرض جناب سلمان مع تازیانہ اور حسنینؑ کے مسجد میں پہنچے اور حضورؐ کے سامنے وہ تازیانہ رکھ دیا آپ نے سویدہ سے کہا تو شوق سے اپنا قصاص لے لے جب سویدہ تازیانہ لینے اُٹھا تو حسنینؑ نے کہا اے شخص ہمارے نانا میں بہ سبب شدّتِ مرض تازیانہ کھانے کی طاقت نہیں۔ ہم دونوں بھائی حاضر ہیں اس نے کہا شہزادو میں تو یہ قصاص حضورؐ ہی سے لینا چاہتا ہوں حضرتؐ نے فرمایا اے فرزندو! تم غم نہ کرو الگ ہو جاؤ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ اس قصاص کو خود ہی پورا کردوں، پھر سویدہ سے فرمایا تازیانہ اُٹھا اور قصاص لے اس نے کہا حضورؐ اس وقت میری پشت برہنہ تھی۔ یہ چاہتا ہوں کہ حضورؐ بھی اپنی پشت برہنہ کر دیں۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے لباس اُتار دیا جونہی مُہر نبوت نظر آئی سویدہ نے بڑھ کر بوسہ دیا اور عرض کرنے لگا حضورؐ مجھے اپنی نجات کا یقین ہو گیا کیونکہ ناممکن ہے کہ خدا ان ہونٹوں کو آتشِ دوزخ کا عذاب چکھائے جنہوں نے مہر نبوت کو چُوما ہو۔ یہ سن کر سب صحابہؓ خوش ہوئے اور حضرت وہاں سے بیت الشرف کو واپس آگئے۔

لکھا ہے کہ بحالتِ مرض آپ نے سوائے خانہ جناب سیدہؑ اور کہیں جانا پسند نہیں کیا آپ جانتے تھے کہ میری مفارقت کے تصور سے بیٹی یونہی زندہ درگور ہو رہی ہے اگر میں ازواج ہی میں سے کسی کے گھر چلا گیا تو میری بیٹی کو اور زیادہ صدمہ ہو گا حضرت کی بیماری کا زمانہ جناب سیدہ پر بڑا شاق تھا جوں جوں حضرت کی حالت نازک ہوتی

جاتی تھی۔ آپ کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی ہر وقت آپ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتی تھیں آپ کا سر مبارک اکثر اوقات حضرت علی علیہ السلام کی گود میں رہتا تھا۔ حضرت کا بھی یہ عالم تھا کہ بار بار بیٹی کو سینے سے لگاتے تھے۔

جس روز حضورؐ سرور انبیاءؐ اس دُنیا سے رخصت ہونے والے تھے آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور محبت کے ساتھ بڑی دیر تک آپ سے سرگوشی کرتے رہے یہ وہ راز کی باتیں تھیں جن کا علم سوائے رسولؐ اور نائب رسول کسی اور کو نہیں ہو سکتا تھا اس کے بعد آپ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہؑ کو بلایا اور پیار کر کے فرمایا اے نور دیدہ تیرے باپ کی مدتِ حیات ختم ہوئی۔ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی ہے کل میں اس دُنیا میں نہ ہوں گا میری پارۂ جگر تیرے باپ پر تیری جدائی بہت شاق ہے جناب سیدہ یہ سُن کر رونے لگیں اور عرض کرنے لگیں بابا میں آپ کے بعد کیونکر زندہ رہوں گی۔ اے بابا جان میں آپ کی فرقت کا صدمہ برداشت نہ کر سکوں گی۔ اس کے بعد آپ نے حسنین علیہما السلام کو بلایا اور چھاتی سے لگایا اور دیر تک روتے رہے۔ امام حسین علیہ السلام نے عرض کی نانا جان آپ ہمیں آج اس طرح پیار کر رہے ہیں جیسے پھر دوبارہ کسی کو ملنے کی اُمید نہیں ہوتی آہ حضرت بچوں کو کیا جواب دیں ان کی دل شکستگی کے خیال سے خاموش رہے۔

لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی روح مبارک نے جنت عالیہ کی طرف پرواز کی تو اس وقت اہل بیت میں ایک عجیب سا کہرام بپا تھا ایک طرف حضرت علی علیہ السلام رو رہے تھے دوسری طرف جناب سیدہ وا ابتاہ وا ابتاہ کے نعرے مار رہی تھیں حسنینؑ کی تباہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ بار بار حضرتؐ سے جا کر لپٹ جاتے تھے اور کہتے تھے نانا جان آپ ہم سے بولتے کیوں نہیں، جناب سیدہؑ رو رو کر کہتی تھیں اے نور چشمو اب تم کہاں اور نانا کہاں آہ آج تمہارے سر سے نانا کا سایہ اُٹھ گیا یہ سنتے ہی بچے بلبلا کر رونے لگے اور واجداہ واجداہ کے نعرے مارنے لگے۔

بہت سے اصحاب تو خلافت کے قصہ میں سقیفہ کے اندر اُلجھے ہوئے تھے ان کو حضرت کی تجہیز و تکفین کی بھی خبر نہ ہوئی آپؐ کی وصیت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا اور آپ ہی نے اور دیگر خاندان کی شرکت سے حضرتؐ کو دفن کیا۔

آنحضرتؐ کی وفات کا جناب سیدہ کو صدمہ ہوا کہ اس سے جانبر نہ ہو سکیں آپ اپنے شفیق باپ کی یاد میں شب و روز رویا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں آہ بابا آپ کے مرنے کے بعد ہمارے گھر میں وحی کا آنا ملائکہ کا نازل ہونا بند ہو گیا ہمارے آستاں کا وہ احترام جاتا رہا جو آپ کی موجودگی میں تھا۔ آہ جب بلال مینارہ مسجد میں جا کر اذان دیتے تھے تو سیدہؑ پر گریہ طاری ہونے لگتا تھا جب بلال کہتے تھے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو سیدہ چیخیں مار مار کر رونے لگتی تھیں اور کہتی تھیں اے بلال اب محمد کہاں ہیں۔ آہ سیدہؑ ان کے درد فرقت میں تڑپ رہی ہے آہ میرے بابا کا نام لیا جا رہا ہے۔ میں سنتی ہوں درد جدائی سے بیتاب ہو جاتی ہوں اکثر البلاء تا

تھا کہ آپ روتے روتے غش ہو جاتی تھیں۔

منقول ہے جناب سیدہؑ کا رونا کسی طرح کم نہ ہوا تو ایک روز ہمسایہ کے کچھ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے سیدہؑ کے رونے نے ہماری نیندیں حرام کر دی ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر دن میں رویا کریں تو رات کو نہ رویا کریں اور اگر رات کو رویا کریں تو دن میں نہ رویا کریں۔ حضرت علی علیہ السلام نے یہ پیغام لوگوں کا سیدۂ عالم کو سنایا تو آپ نے فرمایا یا علی آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ فاطمہ تمہارے درمیان زیادہ دن رہنے والی نہیں، اچھا اگر میرے رونے سے تمہاری نیندیں اُچاٹ ہوتی ہیں تو میں بجائے گھر جنت البقیع میں جاکر رو لیا کروں گی۔ چنانچہ اس کے بعد آپ جنت البقیع جاکر رویا کرتی تھیں۔ صبح امام حسنؑ کو ساتھ لے جاتیں اور شام کو امام حسینؑ کو۔

آہ! آہ! اس نبی زادی پر باپ کی وفات کے بعد ہی وہ وہ مصائب نازل ہوئے کہ ان کے تصور ہی سے کلیجہ کانپتا ہے معصومہ عالم خود فرماتی ہیں ؎

صُبَّتْ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا

صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

میرے اوپر وہ مصائب نازل ہوئے ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتے تو اس صدمہ سے راتیں بن جاتے آہ رسولؐ کی آنکھ بند ہونے پر لوگوں کے رُخ بنت رسولؐ کی طرف سے پھر گئے اور ان کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا ان کے شوہر کو حق خلافت سے۔ آہ اس گھرانے کی لڑکیاں کیسی بدنصیب تھیں کہ ان کو اپنے اپنے باپ سے جو چیز بطور انعام عطا ہوئی وہ لوگوں نے ان سے چھین لی۔ رسولؐ نے اپنی بیٹی کو فدک دیا تھا وہ سیدہؑ کے پاس نہ رہا اور حسینؑ نے اپنی بیٹی سکینہ کو دو گوشوارے دیئے تھے خولی نے وہ کربلا میں بچی کے کان چیر کر نکال لیے۔ سیدہؑ کو باپ پر نوحہ کرنے کے لیے روکا گیا اور سکینہ کو لاش حسینؑ پر کربلا میں۔ میں کہتا ہوں سیدۂ عالم میں جنت البقیع میں جاکر اپنے باپ پر بچے کھچے ماتم کر تو لیا لیکن آہ! آہ سکینہ کو یہ بات بھی نصیب نہ ہوئی۔ اس بے کس بچی کو ایک گوشہ بھی ایسا نہ ملا جہاں وہ اپنے شہید باپ کو رو سکتی۔

آہ! اگر لاش حسینؑ سے لپٹ کر وہ بچی رونے بھی لگتی تھی تو شمر شقی طمانچے مار مار کر جدا کر دیتا تھا آہ! بعد شہادت حسین علیہ السلام وہ بچی ذرا دیر کے لیے بھی باپ کی صفِ ماتم پر نہ بیٹھ سکی کبھی کربلا میں تھی تو کبھی کوفہ میں، کبھی دربار پسر زیاد میں کبھی زندان کوفہ میں اور کبھی دمشق میں، کبھی زندان شام میں، کہاں روتی اور کیسے روتی دشمن اسے رونے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ باپ کو

ترستی ہوئی بچی زندانِ شام کے اندر اس صدمے میں ہلاک ہوئی۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ،
وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

سر پیٹو روزِ رحلت شاہِ ہدیٰ ہے آج
باغ جناں کی سمت سفر مصطفٰے ہے آج

سر پیٹتی ہیں فاطمہؑ روتے ہیں مرتضٰی
حسنین پر ہجوم ملال و بکا ہے آج

گھر فاطمہؑ کا منزل حرمان و یاس ہے
یہ روز انتقال حبیب خدا ہے آج

وحی الٰہی منقطع ہوتی ہے ہائے ہائے
سر دھنتی غم سے رحمت رب علا ہے آج

ماتم کدہ مدینہ کا ایک ایک گھر بنا
پیدا ہر ایک گوشہ سے شور بکا ہے آج

سرکار دو جہاں کی یہ رحلت کا روز ہے
ماتم کدہ بنا ہوا ارض و سما ہے آج

مجلسِ سوئم

در حالِ ولادت امیرالمومنین علیہ السّلام

قصیدہ

از سیدہ پروین دولت صاحبہ ادیب جامعہ آگرہ (ممتاز)

نرالی شان سے پھر باغِ عالم میں بہار آئی — چلی ٹھنڈی ہوا اور چرخ پر کالی گھٹا چھائی
اُٹھا کعبہ سے بادل اور تنِ بے جاں میں جان آئی — شمیمِ گلشنِ جاں بخش کیا پھرتی ہے اترائی
جدھر دیکھو نرالا رنگ ہے گلشن میں پھولوں کا — دلوں کو کھینچ لیتی ہے ہر ایک غنچہ کی برنائی
غضب کے ہیں اشارے نرگسِ شہلا کی آنکھوں کے — نرالی دھج سے کی سنبل نے اپنی زلف آرائی
زبان سوسن کی رکتی ہی نہیں گلشن کی مدحت میں — ترانوں نے عنادل کے قیامت اک نئی ڈھائی
لبِ جو پہ جب ادا و ناز سے سبزہ کہیں لہکا — گلوں نے قہقہہ مارا تو غنچوں کو ہنسی آئی
ہر اک شاخِ چمن دلہن بنی ہے سبز جوڑے میں — پہن کر ہار پھولوں کے بڑھائی شانِ زیبائی
چمن میں آ گئی شبنم بھی اپنی آرسی لے کر — حسینانِ گلستاں دیکھتے ہیں شانِ رعنائی
ترانہ تہنیت کا ہے تو نغمہ ہے مسرت کا — جدھر دیکھو چمن سارا ہے محوِ جلوہ آرائی
صبا مژدہ سناتی پھرتی ہے ہر ایک گوشہ میں — کہ لوگو عید میلادِ علی مرتضےٰ آئی

پڑھے صلِ علیٰ مومن نہ کیونکر شاد ہو ہو کر
ہوئی کعبہ کے اندر نورِ حق کی جلوہ فرمائی

لکھا ہے جب ہوا بنت اسد کو دردِ زہ عارض
طبیعت یک بیک تکلیف سے کچھ ایسی گھبرائی

نکل کر اپنے گھر سے وہ چلیں کعبہ کی جانب کو
کہ خالق سے دعا مانگیں برائے چارہ فرمائی

کہا یا رب تجھے ہے واسطہ جدِ مکرم کا
یہ مشکل کر میری آساں کہ لب پر جان ہے آئی

الٰہی واسطہ دیتی ہوں اس بیت مبارک کا
کہ جس کے ہر در و دیوار پہ رحمت تری چھائی

ابھی محوِ دعا تھیں فاطمہ بنت اسد ناگہ
ہوئی دیوارِ کعبہ شق کسی کی یہ صدا آئی

اسی در سے بلا خوف و خطر کعبہ میں آ جاؤ
تمہارے بطن میں وہ ہے جو ہے خالق کا شیدائی

یہ حیدر ہے اسی کے واسطے کھولا گیا ہے در
ولادت اس کی ہم نے کعبہ سے مخصوص فرمائی

ہوئے پیدا غرض کہ نائب ختم الرسل جس دم
در و دیوارِ کعبہ سے صدائے تہنیت آئی

لرز کر گر پڑے طاقوں میں جتنے بت بھی تھے رکھے
نہ کیوں گرتے کہ کعبہ پڑ رہی تھی ناصیہ سائی

علیؑ کے نور سے روشن تھا سارا خانۂ کعبہ
نہ کیوں ہوتا کہ وجہ اللہ کی تھی جلوہ آرائی

پئے دایہ گری جنت سے حوریں آئیں وہ فوراً
پئے مولود ہر اک تحفۂ باغِ جناں لائی

بہت شاداں ہوئیں بنت اسد بچہ کو جب دیکھا
خوشی میں ایک غم کی بھی مگر صورت نکل آئی

نہ کھولی آنکھ بچے نے نہ ہمکا دودھ پینے کو
طبیعت دیکھ کر یہ دونوں باتیں سخت گھبرائی

پریشاں تھیں کہ آ پہنچے رسول دوسرا ناگہ
چچی کو دی مبارک باد اور یہ بات فرمائی

میری گودی میں دو مشتاق ہوں میں آپ کی زیارت کا
یہ بازو ہے مرا میرا وصی ہے اور مرا بھائی

ادھر آغوش کی حسرت ادھر دیدار کے ارماں
علی نے کھول دی آنکھیں نبی نے گود پھیلائی

چسائی پھر زباں اپنی علی کو فرطِ شفقت سے
خدا نے شیر کی اک دھار اس سے جاری فرمائی

خدا جانے کہ وہ تھا شیر یا کہ علم کا چشمہ!
سمجھ میں آج تک یہ بات اے پرویں نہیں آئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ

السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (سورہ البقرہ ۱۲۷/۲)

رسول وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اُٹھارہے تھے تو یہ کہتے جاتے تھے، اے ہمارے رب ہماری اس خدمت کو قبول کر لے بے شک تو بڑا سننے والا جاننے والا ہے کیا مبارک اور مقدس وہ گھر ہے جو خدا کے نام پر بنا اور ابراہیم و اسمٰعیل جیسے مقدس نبیوں نے بنایا اور عبادت الٰہی کے لیے بنایا گیا جب ہی تو اس گھر کی تعریف میں کہا گیا ہے مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (سورہ آل عمران ۹۶/۳) وہ تمام عالموں کے لیے سرتاپا ہدایت اور باعث برکت ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا گھر بھی نہ ملے گا جس کی یہ خصوصیت ہو۔ ۰ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورہ آل عمران ۹۷/۳) جو اس گھر میں داخل ہو گیا وہ امن و امان میں ہو گیا۔ یعنی کیسا ہی جرم و قصور کرنے کے بعد کوئی اس گھر میں داخل ہو جائے جب تک وہ خود ہی نہ نکلے کسی حکومت کی طاقت نہیں کہ اس کو اس گھر کے اندر سے نکال سکے۔ دنیا میں بے شمار عبادت خانے مختلف مذاہب و ادیان کے پیروؤں نے بنائے لیکن جو خصوصیت مسلمانوں کے اس عبادت خانے کو حاصل ہے وہ ابتدائے آفرینش سے آج تک نہ کسی معبد کو حاصل ہوئی ہے اور نہ ہو گی اور کیوں نہ ہو جب اللہ کے گھر میں بھی کسی گنہگار کو پناہ نہ مل سکے تو بھلا پھر کہاں مل سکتی ہے اس گھر کی ایک صفت یہ بھی ہے سَوَآءَ ۨالۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَالۡبَادِ‌ؕ (سورہ الحج ۲۵/۲۲) اس میں شہری اور بدوی سب برابر ہیں کیوں نہ ہوں جب کہ سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں چنانچہ اس گھر کا طواف کرتے وقت اگر کوئی غلام اپنے آقا سے، غریب کسی امیر سے، رعایا بادشاہ سے آگے ہو تو کسی کی مجال نہیں کہ اسے پیچھے کر دے یا حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے اگر کوئی غریب کسی امیر سے آگے بڑھا ہو تو اس کو آگے سے پیچھے نہیں ہٹایا جاسکتا۔

غور کرنے کے قابل بات ہے کہ ہر قوم نے اپنے عبادت خانے بڑے بڑے عالیشان بنوائے اور طرح طرح سے ان کو آراستہ کیا۔ سونے چاندی کے در و دیوار اور گنبد وغیرہ بنوائے اور ان میں جا بجا جواہرات لگوائے لیکن مسلمانوں کے خدا نے جو اپنا گھر بنوایا وہ بہت سیدھا سادھا اور چھوٹا معمولی اُن گھڑے پتھروں کا جن پر نہ پلاسٹر تھا نہ پچی کاری نہ کوئی آرائش نہ زیبائش۔ اگر وہ چاہتا تو جواہرات کا بنوا لیتا اس کے خزانے میں کمی کس چیز کی تھی مگر وہ غنی مطلق بے نیاز ذات جس کی مخلوق دنیا کی ہر شے ہے ایسی ادنیٰ چیزوں کی طرف کیوں توجہ کرتا اس نے گوارا نہ کیا کہ میرے بندوں پر عمارت کی عظمت و جلال کا اثر پڑے۔

لکھا ہے کہ جناب ابراہیم نے خانہ کعبہ کی بنیادیں اونچی کر لیں، دیواریں اتنی بلند ہو گئیں کہ کسی چیز پر کھڑے ہو کر ان کو بنایا جائے تو حضرت اسمٰعیل کی مدد سے ایک پتھر اُٹھا کر لائے اور اس پر کھڑے ہو کر دیواروں کو بلند

کیا یہ پتھر مقام ابراہیمؑ کہلاتا ہے یعنی حضرت ابراہیم کی کھڑے ہونے کی جگہ جس وقت جناب ابراہیمؑ کے پیر اس پتھر پر رکھے گئے تو اس نے سرکارِ الٰہی میں عرض کی کہ اے پالنے والے چند منٹ کے لیے میرے اندر موم کی خاصیت پیدا کردے تاکہ اس وقت میں تیرے خلیل کے مبارک پیروں کا نقش اپنے سینہ پر لے لوں اس کی یہ دُعا قبول ہوئی اور حضرت ابراہیم کے پائے مبارک کا نقش اس پر جم گیا خدا کو اس پتھر کی حق شناسی اور خلیل نوازی پسند آئی اور اس کے صلہ میں اس کو حرم کعبہ کے اندر جگہ دی اور حاجیوں کو حکم دیا کہ جب حج کرنے کے لیے یہاں آؤ تو دو رکعت نماز اس پتھر پر بھی پڑھا کرو۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ط (سورہ البقرہ ۲/۱۲۵) اس طرح ایک پتھر اور بھی تھا جس نے ذکر الٰہی کی پسندیدگی کے صلہ میں اس مبارک گھر میں جگہ پائی ہے اور وہ حجر اسود ہے جب حضرت آدم جنّت میں تھے تو اس پتھر پر بیٹھ کر ذکر الٰہی کیا کرتے تھے جب جنت سے چلے تو یہ پتھر رونے لگا خطاب ربّ العزت ہوا تو کیوں روتا ہے اس نے عرض کی خداوندا مجھ پر بیٹھ کر تیرا ذکر کرنے والا اب یہاں سے جا رہا ہے۔ اب میں کس سے تیری تسبیح و تہلیل سنوں گا جب اس کو اپنے نبی کا ایسا قدر دان اور اپنے ذکر کا ایسا دالہ و شیفتہ پایا تو اس کو اپنے گھر میں جگہ دے کر حاجیوں کو حکم دیا کہ جب یہاں آیا کریں تو بغیر اس کو بوسہ دیئے نہ جایا کریں۔ خدا کی سرکار میں محبت اور خلوص کی قدر ہے جب اس نے پتھروں کو بے اجر کے نہ رکھا تو بھلا کسی انسان کو کیوں رکھنے لگا چونکہ وہ بے جان تھے معرفت میں پست تھے لہٰذا ان کو حرم میں جگہ دی اور اس ذات کو جو آگے چل کر نفس اللہ کا لقب حاصل کرنے والی تھی اپنے گھر کے اندر جگہ دی اور اس کو مولود کعبہ قرار دیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی گھر کسی مکین کے لیے اور کوئی بیت کسی اہل بیت کے لیے بنایا جاتا ہے پس خدا کی طرف یہ منسوب ہے وہ تو اس کا مکین قرار نہیں پا سکتا کیونکہ وہ جسم و جسمانیت اور مکان و مکانیت سے مبرّا اور منزّا ہے لہٰذا ضرورت ہوئی کہ اس کے سوا اور گھروں کے مکین اور ہوں۔ اس بیت کا کوئی اور اہل بیت ہو یہ ظاہر ہے کہ یہ گھر جناب ابراہیمؑ نے اپنے لیے تو بنایا نہ تھا پس لا محالہ اس کا اہل بیت کوئی اور ہے اور وہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جو اس گھر میں پیدا ہوا ہو جس کا آنول نال اسی گھر میں گڑا ہو جس کو اس گھر نے خود اپنے اندر بلایا ہو دنیا جانتی ہے کہ یہ شرف روز اوّل سے خالق عالم نے ہمارے اور آپ کے مولا و آقا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔

خوشا ما خوشا دین دنیائے ما
کہ ہمچو علی ہست مولائے ما

یاد رکھیئے صدف کی قدر موتی سے ہے نافہ کی مشک سے پھول کی خوشبو سے چمن کی پھول سے

گھر کی گھر والے سے پس اس اصول کے لحاظ سے بیت اللہ اہل بیت کی وجہ سے معظم و مکرّم بنا۔

مطلب از انشائے کعبہ بہر میلاد تو بود
ورنہ شخصے لامکاں را خانہ سے کے باشد روا

بیت اللہ کی صفت اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ آل عمران ۳/۹۶) سے ظاہر ہے کہ ہدایت کسی مکان کے اینٹ پتھر یا در و دیوار کا خاصہ نہیں بلکہ اس کی یہ صفت مکین کے لحاظ سے قرار پاتی ہے۔ ایک عالم کسی گھر میں رہتا ہو تو لوگ اس کو دارالعلم اور دارالشرعیہ کہتے ہیں اور اس کی عظمت کرتے ہیں یہ تعظیم گھر والے کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ بہ لحاظ در و دیوار کے خدا نہ کسی جگہ سماتا ہے نہ کسی مکان میں رہتا ہے مکانات کے مالک وہی ہو سکتے ہیں جو اس میں رہنے کی اہلیت رکھتے ہوں جو مکان گورنمنٹ ہاؤس کہلاتے ہیں ان میں بادشاہ خود نہیں رہتا بلکہ اس کے مخصوص لوگ رہا کرتے ہیں مگر رعایا پر ان کا احترام اس لیے واجب ہوتا ہے کہ رہنے والا سرکاری عملہ ہوتا ہے پس ان کی عزت کرنا خود بادشاہ کی عزت کرنا ہوتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم اس مطلب کو یوں ادا کرتے ہیں کہ کعبہ خدا کا گھر ہے چونکہ خدا خود اس میں رہتا نہیں لہذا ضرورت ہوئی اس کا کوئی محافظ بھی ہو تاکہ خانہ خالی پا کر کسی غیر مستحق کا اس پر قبضہ مخالفانہ نہ ہو جائے مثل مشہور ہے کہ خانہ خالی را دیو میگیرد۔ اس کعبہ کو دو طرح کے محافظوں کی ضرورت تھی۔ اوّل ایسے لوگ جو اس کے مادی تعلقات کی حفاظت کریں دوسرے ایسے لوگ جو اس کی ہدایت اور روحانی برکات کی حفاظت کریں پس پہلی قسم کے محافظوں کا تعین بندوں سے متعلق ہوا کہ وہ جس کو چاہیں خانہ کعبہ کا کلید بردار بنا دیں اور دوسری قسم کے محافظوں کا تقرر خدا نے اپنی قدرت میں لے لیا اس میں بندوں کو کوئی دخل نہیں مادی محافظان دروازوں میں داخل ہونے کا مجاز ہوتا ہے جو پہلے سے بنائے جاتے ہیں روحانی محافظ عام گذرگاہوں سے داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک نیا راستہ بنتا ہے تاکہ وہ اس کی شہادت ہو کہ اس کو خدا نے بلایا ہے اور یہ خدا کا نامزد کردہ ہے بندوں کے انتخاب کا اس سے کوئی تعلق نہیں پس یہی ایک دلیل اس کے فضل و شرف کے لیے کافی ہوتی ہے۔ روح کو مادہ پر جو فضیلت ہوتی ہے وہی اس روحانی محافظ کو مادی محافظ پر ہوتی ہے۔

کعبہ جب سے بنا بے شمار حاملہ عورتیں اس کے اندر داخل ہوئیں اور صاحبان حکومت کی ازواج داخل ہوئیں اگر وہ چاہتے تو خانہ کعبہ میں کسی بچے کی ولادت کرا دیتے لیکن اوّل تو یہ فضیلت کسی کے خیال میں نہ آئی اور اگر آئی تو اس کو حاصل کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اگر جرأت کرتے تب بھی تو یہ پیدائش مولود کے لیے باعث شرف نہ بنتی کیونکہ وہ اپنا ایک اختیاری امر ہوتا۔ خدائی انتخاب کو اس میں کوئی دخل نہ ہوتا۔ بُت پرستوں نے بے شمار

بُت کعبہ میں جا رکھے تھے پس ان سے ان بتوں کو کیا فضیلت ثابت ہوئی اسی طرح اگر کوئی عورت وہاں جاکر بچہ جن دیتی تو یہ امر نہ اس عورت کے لیے درجۂ فضیلت ہوتا اور نہ اس مولود کے لیے۔ ہاں جس کے لیے دیوار کعبہ شق ہوئی اور ہاتف غیب اس کو اندر آنے کی ہدایت دے وہ عورت ہی صاحب شرف کہلا سکتی ہے اور اس کا بچہ بھی ۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ منقول ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد مادرِ امیرالمومنین علیہ السلام ایک روز بغرض طواف بیت اللہ تشریف لائیں اثنائے طواف میں آپ کو دردِ زہ عارض ہوا آپ نے دُعا کی پروردگارا میں تجھے اپنے جد جناب خلیل کا واسطہ دیتی ہوں کہ اس مشکل کو میرے اُوپر آسان کر اس کے بعد آپ دیوار کعبہ کو اپنے بطن مبارک سے مس کرنے کے لیے آگے بڑھیں جوں ہی قریب پہنچیں یکایک دیوارِ کعبہ شق ہو گئی اور اتنا راستہ بن گیا کہ آپ اس سے کعبہ کے اندر تشریف لے جائیں۔ آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور خائف ہو کر پیچھے ہٹیں۔ ناگاہ ایک ہاتف غیب کی آواز آئی اُدْخُلِی فِی الْبَیْتِ (اے فاطمہ گھر کے اندر داخل ہو جاؤ) یہ آواز سنتے ہی آپ گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔ اور دیوار بدستور ویسی ہو گئی جب وقت ولادت آیا تو آپ نے کچھ نورانی پیکر بیبیوں کو وہاں موجود پایا۔ ان میں سے ایک بی بی نے یوں تعارف کرایا میں سارا زوجہ ابراہیمؑ ہوں یہ آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون ہیں (یہ معظمہ بڑی کامل ایمان تھیں) یہ مریم مادر عیسیٰ ہیں ہم سب اس لیے آئے ہیں کہ اس مولود مسعود کی ولادت کے وقت موجود رہیں اور دایہ گری کا کام انجام دیں۔

الغرض جب امیرالمومنین علیہ السلام شکم مادر سے آغوش میں آئے تو آپ نے فوراً اپنی جبینِ مبارک خاک پر رکھدی اور سجدہ خالق ادا کیا فاطمہ بنت اسد نے دیکھا کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی وہ تمام بُت جو کعبہ کے اندر طاقوں میں رکھے ہوئے تھے سرنگوں ہو کر زمین پر گر گئے سمجھیں کہ میرا بچہ غیر معمولی بچہ ہے اس پر تو بہت خوش ہوئیں مگر دو باتیں دیکھ کر سخت متفکر و پریشان ہوئیں اوّل یہ کہ بچے کی آنکھیں بالکل بند پائیں دوسرے دودھ کی طرف راغب نہ پایا۔ ہر چند کوشش دودھ پلانے کی کی مگر بچے نے اپنا منہ ہی نہ کھولا۔

یہاں تو یہ ہو رہا تھا وہاں رسولؐ پر القا ہوا کہ خانہ کعبہ میں جاؤ اور اپنے چچازاد بھائی اور وصی کو دیکھو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو ساتھ لیا اور خانہ کعبہ میں پہنچے دیکھا تو دروازہ بند تھا حیرت ہوئی کہ جب دروازہ باہر سے بند ہے تو میری چچی اس کے اندر داخل کیسے ہو سکتی ہیں۔ الغرض جناب ابوطالب نے دروازہ کھلوایا اور دونوں بزرگ اندر گئے تو دیکھا فاطمہ بنت اسد وہاں موجود ہیں اور مولود مسعود ان کی گود میں ہے آپ نے فرمایا چچی لاؤ میرے بھائی اور میرے وصی کو مجھے دو فرمایا بیٹا اس بچے نے نہ تو اب تک آنکھ کھولی ہے اور نہ دودھ پیا ہے یہ کہہ کر آپ نے

بچے کو آنحضرتؐ کی گود میں دے دیا گیا تو رسالت کا مشام امامت میں پہنچا تھا کہ حضرت علی نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور دُنیا میں سب سے پہلے جس چیز کی زیارت کی وہ جمال جہاں آرائے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا کیوں نہ آنکھیں کھولتے کیونکہ جس دُرِ مدعا کی تلاش تھی وہ نظر کے سامنے تھا اس کے بعد حضورؐ سردار انبیاء نے اپنی زبانِ مبارک علی کے منہ میں دے دی سب سے پہلی غذا جو مولود کعبہ نے دنیا میں حاصل کی وہ لعابِ رسولؐ تھا۔ لعابِ رسولؐ کہوں یا سرچشمۂ علم و ہدایت کہوں جس کا دھارا ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں جارہا تھا اس کے بعد امیرالمومنین نے آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تلاوت کرکے اس کا ثبوت دیا کہ میں خدا کی طرف سے مسلمان بنا ہوا آیا ہوں پھر آنحضرتؐ کی رسالت کی آپ نے تصدیق کی۔

میری یہ بات منصب امامت کے ناقدر شناس کو پسند نہ آئے گی وہ اس پر ناک بھوں چڑھائے گا کہ نوزائیدہ بچہ دن ایسے سکتا ہے؟ وہ کہے گا عاقلانہ کلام کیسے کرسکتا ہے؟ وہ یہ اعتراض کرے گا کہ آسمانی کتب کا ایک بچہ بغیر پڑھے لکھے کیسے عالم ہوسکتا ہے بالخصوص قرآن کا جو ابھی نازل بھی نہ ہوا تھا میں کہوں گا یہ عدم تدبر کا نتیجہ ہے یہ قرآن سے بے خبری کی علامت ہے۔ بیت اللہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا تو ذکر ہی کیا جو بچہ بیت المقدس سے باہر پیدا ہوا تھا وہ کیا نہ بولا تھا۔ پڑھو قرآن میں حضرت عیسیٰ کا قصہ دیکھو وہ پیدا ہوتے ہی یہودیوں سے کس طرح بے باکی سے کلام کر رہے تھے۔ اِنِّی عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا (سورہ مریم ۳۰/۱۹) (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) پس اگر پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ ایسا عاقلانہ کلام کرسکتے تھے، یہودیوں سے ہم سخن ہوسکتے تھے تو مولود کعبہ عیسیٰ برگزیدہ ہستی نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰؐ سے کیوں نہیں ہمکلام ہوسکتی تھی۔ حضرت عیسیٰ امت کے افراد سے بولے اور یہاں ایک امام اور ایک پیغمبر تھے اگر نزول انجیل سے قبل حضرت عیسیٰ انجیل کے عالم ہوسکتے ہیں تو یہ مولود کعبہ نزول قرآن سے پہلے اس کا عالم کیوں نہیں ہوسکتا یہ مصداق اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ (سورہ الرحمٰن ۲ تا ۴) (رحمٰن وہ ہے جس نے اپنے ایک خاص بندے کو پہلے تعلیم قرآن کی پھر پیدا کیا پھر اس کو بیان کرنے کی تعلیم دی) جب ہمارے رسولؐ کو اس وجود مادی سے پہلے بوجود نورانی قرآن دی جاچکی تھی تو علی کو کیوں نہ دی جاتی کیونکہ آپ اس نور کا تو ایک جزو تھے بعد اس کے رسولؐ نے قرآن کی تعلیم لوگوں کو دی تو وہ مقام بیان تھا اور علیؑ نے جو سب سے پہلے تصدیق رسالت کی وہ وقت اظہار ایمان تھا نہ کہ وقت حصول اسلام کیونکہ مسلمان تو آپ بنے بنائے آئے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

افسوس ہے کہ لوگ مولود کعبہ کے بولنے اور تصدیق رسالت کرنے پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اس بچہ پر کبھی تعجب نہیں کرتے جس نے گہوارہ میں یوسف علیہ السلام کی عصمت کی گواہی دی تھی۔ قصہ اصحاب اخدود

کو پڑھ کر اس بچہ پر تعجب نہیں کرتے جس نے ایک حبشی نبی کی صداقت کی تصدیق کی تھی۔ جناب یحییٰ بن زکریا پر تعجب کیوں نہیں کرتے جو چند مہینہ بحالت حمل رہ کر پیدا ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار جناب زکریا سے ہمکلام ہوئے اور جن کو خلاق عالم نے بچپن ہی میں صاحب کتاب بنا دیا تھا۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (سورہ مریم ۱۹/۱۲) (اے یحیٰ اس کتاب کو قوت کے ساتھ لو) یہ قوت کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ بچپن میں ان کو وہ قوت عطا کر دی گئی تھی جو ایک کتاب کے لیے ضروری ہے۔

جناب ابراہیمؑ پر تعجب نہیں ہوتا جنہوں نے پیدا ہوتے ہی اپنی والد گرامی سے پوچھا میری قوم کس کی عبادت کرتی ہے۔ خدا نے معیار فضیلت و اصطفا طالوت کے قصہ میں دو چیزوں کو بیان فرمایا ہے العلم والجسم یعنی علم اور شجاعت ہم دونوں باتیں مولود کعبہ میں دکھانا چاہتے ہیں تاکہ منکرین فضائل علیؑ کو معلوم ہو جائے کہ اگر بچپن میں خلاق عالم نے ان کا اصطفا کر لیا تو کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی۔

مشہور روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے زور بازو کا یہ حال تھا کہ آپ نے گہوارے میں کلا اژدر کو چیر ڈالا تھا ہمارے مخالفوں کو ہمارا یہ بیان مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے ان کو یہ فضیلت مبالغہ کی ایک قابل افسوس استان نظر آتی ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے حالات انبیاءؑ کو ذرا بھی غور سے نہیں پڑھا۔ ایسے لوگ حضرت عیسیٰ کا یہ واقعہ تاریخ میں غور و خوض سے کیوں نہیں پڑھتے کہ جب یہودی حضرت مریمؑ سے ازراہ طنز کہنے لگے کہ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا (سورہ مریم ۱۹/۲۸) (اے نیک بی بی (ازراہ طنز) نہ تو تمہارا باپ برا آدمی تھا نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھی) پھر یہ بچہ بے شوہر کے کیسے پیدا ہوا، بحکم الٰہی جناب مریمؑ نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس سے پوچھو۔ انہوں نے ازراہ تعجب کہا قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا (سورہ مریم ۱۹/۲۹) (یہ بچہ کیسے بولے گا۔ وہ تو گہوارہ میں پڑا ہوا ہے یعنی نوزائیدہ ہے۔ غرض کہ یہودی حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور دریافت کیا آپ جھولے میں لیٹے ہوئے تھے ان کی لغویات کا جواب دینے کے لیے گہوارہ میں اُٹھ کر بیٹھ گئے کیوں جناب ایک نوزائیدہ بچہ میں جو منہ سے مکھی اڑانے کی طاقت نہیں رکھتا اتنی قوت کس نے دے دی پیدا ہوتے ہی گہوارہ میں اُٹھ بیٹھا پس اگر حضرت علیؑ نے گہوارہ میں کلا اژدر چیر ڈالا کیوں تعجب ہے۔

اسے چھوڑیئے حضرت موسیٰ کا قصہ تاریخوں میں پڑھ لیجئے جب حضرت موسیٰ کا صندوق محل فرعون میں پہنچا اور اس نے کھول کر باہر نکالا تو اس نے اور اس کی بی بی جناب آسیہ نے بیحد پسند کیا چونکہ فرعون بے اولاد تھا اس لیے میاں بیوی کی رائے ہوئی کہ جناب موسیٰ کو اپنا متبنیٰ کر لیں پہلے جناب آسیہ نے پیار کیا پھر فرعون نے اپنی گود میں لے کر پیار کرنا چاہا جناب موسیٰ نے ایک ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے ایسا طمانچہ مارا کہ مردود کا منہ پھر گیا جلدی موسیٰ کو رکھ دونوں ہاتھوں سے اپنا رخسار پکڑ لیا جناب

آسیہ نے کہا تم بھی کیسے کمزور دل ہو کر بچہ کا ہاتھ لگتے ہی بلبلا گئے۔ فرعون نے کہا تمہیں کیا معلوم کہ یہ طمانچہ کیسا تھا یہ معلوم ہوا کہ ایک فولادی ہتھوڑا پڑ گیا جس نے میرا جبڑا تک ہلا دیا۔ کیوں جناب جس خدا نے حضرت موسیٰ کو اتنی طاقت ان کے بازو میں بخشی تھی کہ فرعون جیسے موذی کا جبڑا ہلا دیں اگر وہ خدا حضرت علیؑ کے بازو میں یہ زور دے کہ گہوارہ میں کلہ اژدر چیر ڈالیں تو کیا محل تعجب ہے۔

مہد میں کلہ اژدر کو چیر نے والے
یہ بچپنا ہے تو عہدِ شباب کیا ہوگا

اللہ نے یہ زور جسے بچپن میں بخشا تھا اگر وہ جوانی میں خیبر کا دروازہ اکھاڑ لے اور سپر کی طرح ہاتھ میں لے کر خندق میں کود پڑے تو کیا بعید از عقل ہے۔

یہ تو حضرت کی شجاعت کا مختصر سا بیان تھا اب اصطفا کی دوسری شرط کو لیجئے یعنی علم۔ اس کا حال بھی سن لیجئے سوائے امیر المومنین علیہ السلام کس کے علم میں یہ زور تھا کہ منبر رسولؐ پر بیٹھ کر دعویٰ کر سکے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ پوچھ لو مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔) پھر فرمایا واللہ اگر میرے لیے مسندِ حکومت بچھا دی جائے اور میں اس پر بٹھا دیا جاؤں تو میں اہل توریت کے درمیان توریت سے حکم کروں گا اور اہل زبور کے درمیان زبور سے اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہل قرآن کے درمیان قرآن سے یہاں تک کہ ہر کتاب اپنی زبان سے بول اٹھے گی کہ علی نے میرے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو خدائی فیصلہ ہے۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک شب حضرت علیؑ نے مجھ سے سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کی یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے ابن عباس اگر رات اور طولانی ہوتی تو میں اسی طرح بیان کرتا رہتا لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ بَعِیْرًا مِنْ تَفْسِیْرِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (اگر میں چاہوں تو تفسیر سورۂ فاتحہ سے ستر اونٹ لاد دوں)، اے ابن عباس آگاہ ہو کہ جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو بائے بسم اللہ میں ہے۔ وہ نقطہ بائے بسم اللہ میں ہے وَاَنَا النُّقْطَۃُ تَحْتَ ھٰذَا الْبَاءِ اور میں وہی نقطہ ہوں جو اس ب کے نیچے ہے یعنی کل قرآن کا علم میرے سینہ میں ہے۔ آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کی تعریف قرآن میں یوں کی گئی ہے وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ (سورہ الرعد ۴۳/۱۳) (جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے) انہی کی مدح سرائی یوں بھی کی گئی ہے وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (سورہ یٰسین ۱۲/۳۶) (ہم نے ہر شے کا احاطہ امام مبین میں کر دیا ہے)

امیر المومنین علیہ السلام اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے ھٰذا سفط العلم ھٰذا لعاب رسول اللہ ھٰذا ما زقنی رسول اللہ زقًا (یہ علم کا صندوق ہے یہ لعاب رسول چوسنے کا اثر ہے یہ اس کا اثر ہے کہ رسول اللہ نے مجھے اس طرح بھرایا ہے جیسے طائر اپنے بچے کو بھرتے ہیں آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ رسول اللہ نے مجھے علم اس طرح پلایا جیسے ماں بچّہ کو دودھ پلاتی ہے کیونکہ دودھ تو غذا سے بہت سے تغیرات کے بعد بنتا ہے اور طائر اپنے بچّے کو بجنسہ وہی غذا بھراتا ہے جو خود کھاتا ہے مطلب یہ تھا کہ آنحضرت نے جو کچھ خدا سے پایا وہ سب کم و کاست مجھے دیا۔

حضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے مجھے حضرت رسول خدا نے ایک ہزار باب علم کے تعلیم کیے اور مجھ پر ہر باب سے ایک ایک ہزار باب علم کے اور منکشف ہو گئے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے حضورؐ نے اس طرح تعلیم دی وَاذا سئلتہ فانبانی واذا سکت فابتدانی یعنی جب میں نے پوچھا تو حضرت نے جواب دیا اور جب میں چپ رہا تو اپنی طرف سے بتانے کی ابتدا کی۔ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ علی ایسے عالم ہیں کہ ان کو رسول اللہ نے سکھایا ہے اور رسول اللہ کو خدا نے سکھایا ہے۔ پس میرا اور تمام اصحاب محمد کا علم، علی کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے مقابل۔

حضرت کے علم قرآن کا یہ حال تھا کہ جو کوئی سوال بھی آپ سے کیا جاتا تھا آپ اس کا جواب فوراً قرآن سے دے دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ازراہِ طنز کہا یا علیؑ آپ ہر بات کا جواب بے سوچے سمجھے قرآن سے دیا کرتے ہیں۔ آپ کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ مبادا کہیں غلط بیانی ہو جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا ذرا بتاؤ تمہارے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں۔ اس نے فوراً جواب دیا پانچ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی جلدی جواب کیوں دیا۔ اس نے کہا اس میں سوچنے کی کیا بات تھی؟ ہاتھ میری نظر کے سامنے ہے انگلیوں کا علم پہلے سے مجھے حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا اے شخص جس طرح یہ پانچوں انگلیاں تیری نظر کے سامنے ہیں اور ان کا علم تجھے ہے اسی طرح کائنات کا ورق میری نظر کے سامنے ہے اور اس کے متعلق مجھے پہلے سے علم ہے۔

حضرت رسول خدا نے ایک روز صحابہؓ کے بھرے مجمع میں فرمایا۔ لا تعلموا علیًا فان عندہ علم الاولین و الآخرین۔ (تم علی کو کچھ سکھانے کی کوشش مت کرو۔ کیونکہ اس کے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے قضا یا فیصل کرنے میں علیؑ سے زیادہ مشاق کسی کو نہ پایا ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے یہ قضیہ آیا کہ دو عورتوں نے ایک ہی وقت میں دو بچے جنے۔ ایک نے لڑکا اور دوسری نے لڑکی۔ رات کے وقت لڑکے والی کو غافل پاکر لڑکی والی نے اس کا لڑکا اٹھا کر اپنے پہلو میں رکھ لیا اور اپنی لڑکی کو اس کے پاس لٹا دیا

جب صبح ہوئی اور لڑکے والی نے پہلو میں لڑکی دیکھی تو اپنے ساتھ والی سے کہنے لگی تم نے میرا لڑکا کیوں اٹھا لیا اس نے کہا تو دیوانی تو نہیں ہوئی لڑکا میرا ہے۔ غرض کہ اس بارے میں ان دونوں کے درمیان نزاع ہوا اور یہ قضیہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا وہ متعجب ہو کر رہ گئے اور کوئی حل سمجھ میں نہ آیا۔ آخر آپ نے تجویز کیا کہ اس کا حل امیر المومنینؑ سے کرایا جائے۔

جب وہ دونوں عورتیں امیر المومنینؑ کے سامنے آئیں تو آپ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ دو شیشیاں ایک ہی قد اور ایک ہی وزن کی لائے اور ہر ایک شیشی میں ایک ایک عورت کا دودھ بھر کے تولے جس کا دودھ وزنی ہو لڑکا اس کو دیدیا جائے اور جس کا دودھ ہلکا ہو اس کو لڑکی، حضرت عمر نے دریافت کیا کہ یہ فیصلہ آپ نے اپنی رائے سے کیا ہے یا قرآن حکیم سے؟ فرمایا قرآن حکیم سے کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ سورہ النساء ۱۱/۴) (مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوتا ہے) جب خدا نے میراث ہی میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوناقرار دیا ہے تو ضرور ہے کہ دودھ میں بھی اس کا لحاظ رکھا ہو۔

ایسے قضیے حضرت نے بہت سے عہد حضرت عمرؓ فیصل فرمائے اور حضرت عمرؓ کا یہ کہنا "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" (اگر علی نہ ہوتے تو عمر اپنے غلط فیصلے کی بنا پر ہلاک ہو جاتا) اسی وجہ سے تھا۔

آج تیرہ ماہ رجب یوم ولادت امیر المومنین علیہ السلام ہے ہم جتنی خوشیاں منائیں کم ہے آج دنیا میں اس ذات کا ظہور ہوا ہے جس کی زندگی رضائے خدا کے لیے وقف تھی جو خدا ہی کے گھر میں پیدا ہوا اور خدا ہی کے گھر میں مرا اور اپنی زندگی کا تمام حصہ خدائی کاموں میں۔ دین اسلام کی خدمت میں صرف کیا۔

خوشا ماخوشا دین و دنیائے ما!   کہ ہم چو علی ہست مولائے ما!

کیا ٹھکانہ ہے اس ذات کے فضائل و مناقب کا جو بزم نور میں شریک نور رسالت تھا محفل وجود میں نفس ختمی مرتبت جانشین شاہنشہ نبوت جس کے نفس کو اللہ نے اپنا نفس کہا کبھی رسولؐ نے اپنا جبرئیل نے جس کو اپنا استاد بنایا، رسولؐ نے جسے اپنے شانوں پر چڑھایا۔ منبر غدیر پر جس کو رسولؐ نے تمام مومنوں کا مولا بنایا جو ہمیشہ شجاعت کا اسد اللہ الغالب تھا جو بہ لحاظ فضائل و مناقب مطلوب، کل طالب تھا یتیموں کا والی، بیواؤں کا وارث، مصیبت زدوں کا مشکل کشا، پریشان حالوں کا عقدہ کشا، مومنوں کا امیر، درماندوں کا دستگیر، رسولؐ کا قوت بازو، اسلام کا محافظ و مددگار، متقیوں کا سردار، سرکار الٰہی کا مختار، قسیم جنت و نار اللہ کا ولی میرا آقا اور مولا علی۔

علی امام من است و منم غلام علی   ہزار جان گرامی فدائے نام علی

کعبہ آج خوشی میں پھولا نہیں سماتا، فرط مسرت میں جامہ سے باہر ہے کہ میرا مولود امام المتقین سید الوصیین

خلیفہ ختم المرسلین قائد الغر المحجلین ہے اس میں خدائی صفات اس حد تک جھلکیں گے کہ بہت سے گمراہوں کو اس پر خدائی کا دھوکا ہونے لگے گا۔ یہ وہ ذات ہے جس کی نسل سے گیارہ معصوم پیدا ہوں گے اور وہ سب میرے اہلبیت کہلائیں گے جس طرح آج اہل ایمان کی محفل میں درود و سلّام کا شور مچا ہوا ہے۔ اسی طرح ساکنان ملاء اعلیٰ بھی اپنے مسرت بھرے نعروں سے بزم قدس کو گرما رہے ہیں اہل بزم کی مے عرفان کو دو آتشہ کرنے کے لیے چند ایمان افروز اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

علیؑ آرہے ہیں علیؑ آرہے ہیں!

از سیدہ عامرہ شمیم صاحبہ نقوی مرحومہ

بہاریں چمن اپنی دکھلا رہے ہیں ہواؤں کے دامن کو مہکا رہے ہیں
طیور نو اسنج بھی گا رہے ہیں مرے شوق کو وجد میں لا رہے ہیں
علیؑ آرہے ہیں علیؑ آرہے ہیں

زمین چمن گلُ کھلانے لگی ہے بہارِ طرب رنگ لانے لگی ہے
مسرت اثر یہ جمانے لگی ہے کدورت کو دل سے مٹانے لگی ہے
علیؑ آرہے ہیں علیؑ آرہے ہیں

دل افروز آئی ہیں اُمڈ کر گھٹائیں چلیں ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں
مہکنے لگیں روح پرور فضائیں! ہر اک سو سے آنے لگیں یہ صدائیں
علیؑ آرہے ہیں علیؑ آرہے ہیں

منور ہے کعبہ تو روشن ہے بطحیٰ ہے رشکِ بہشتِ بریں شہر مکہ
حرم ضو فشانی سے ہے جگمگاتا ہے مابین ارض و سما کوئی کہتا
علیؑ آرہے ہیں علیؑ آرہے ہیں

ہے صورت پہ ایمان والقان نے رونق ہے ہر ایک سورت پہ قرآں کی رونق
دل افروز ہے باغِ رضواں کی رونق بتاتی ہے یہ بیتِ یزداں کی رونق
علیؑ آ رہے ہیں علیؑ آ رہے ہیں

شجاعت ہے نازاں عدالت ہے خنداں مسرّت میں عفت ہے حکمت ہے شاداں
ہے کفر اور بدعت کی حالت پریشاں صنم خانے اب ہونے والے ہیں ویراں
علیؑ آ رہے ہیں علیؑ آ رہے ہیں

لرز اٹھے اصنام کعبہ کے اندر ہے توحید کا بول بالا سراسر
اٹھا شور کعبہ میں اللہ اکبر چلے گھر سے کہتے ہوئے یہ پیمبرؐ
علیؑ آ رہے ہیں علیؑ آ رہے ہیں

مجلسِ چہارم

حالاتِ شہادت امیرالمومنین علیہ السلام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْطَالِبٍ فَاِنَّ ذِکْرَہٗ ذِکْرِیْ وَ ذِکْرِیْ ذِکْرُ اللّٰہِ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ عِبَادَۃٌ فَذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ

(اپنی مجلسوں کو ذکر علی ابن ابی طالب سے زینت دو کیونکہ ان کا ذکر، میرا ذکر، میرا ذکر اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر عبادت ہے) اس حدیث میں دو باتیں قابلِ غور ہیں اوّل یہ کہ ذکر علیؑ سے مجالس کو زینت کیوں کر ہے۔ دوسرے ذکر علیؑ ذکر رسولؐ کیسے ہے۔

امر اوّل کے متعلق یہ ہے کہ ہر شے کی زینت کا سامان جُداگانہ ہوتا ہے آسمانوں کی زینت ستاروں سے ہے، چمن کی زینت پھولوں سے ہے، میدانوں کی زینت سبزہ سے ہے، موتی کی زینت چمک سے ہے آئینہ کی زینت جوہر سے ہے۔ دنیوی محافل کی زینت رقص و سرود سے شمع و گل سے دینی مجلسوں اور روحانی محفلوں کی زینت ان میں سے کسی ایک چیز سے بھی نہیں بلکہ ان کی زینت ایسے امور سے ہے جن سے روح کو غذا ملتی ہو ایمان میں بالیدگی پیدا ہوتی ہو۔ عرفان کے چہرہ پر تازگی آتی ہو نفس میں اعمال صالحہ بجالانے کا جوش پیدا ہو طبیعت میں اخلاقِ حسنہ کی خوشبو مہکے چونکہ حضرت علی علیہ السلام کے ذکر سے یہ سب چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ لہذا روحانی محافل اور ایمانی مجالس کو ان کے ذکر سے زینت ہونی یقینی بات ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت کا ذکر رسولؐ اللہ کا ذکر ہے چونکہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت رسول خدا

کے بہت سے صفات مشترک ہیں اور حضرت علیؑ کا عمل وہی ہے جو رسولؐ کا عمل ہے جس راہ پر رسول چلنے والے تھے اسی راہ پر حضرت کے نقش قدم پر حضرت علی علیہ السلام بھی چلنے والے تھے۔ آپ کے اخلاق حسنہ اور خصائل پسندیدہ کا بہترین نمونہ حضرت علیؑ تھے لہذا جب حضرت کے فضائل و محامد و خصائل و مناقب بیان ہوں گے تو لامحالہ اس سلسلہ میں ذکر رسول ہو جانا یقینی ہے۔

کیا کہنا ہے اس ذات کا جس کا ذکر اللہ کا ذکر بن جائے اور ذکر خدا بن کر عبادت کا شرف حاصل کرے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

امیر المومنین علیہ السلام کی جو صفت بھی بیان کرو اس سے مجلس کی زینت ہے جب ارباب بزم نعرۂ درود بلند کرتے ہیں مجلس کی رونق اور زینت اور دوبالا ہو جاتی ہے آیئے آج اس مجلس میں فیض آثار میں حضرت کی چند صفات کا ذکر کر کے بزم کو گرمائیں۔ حضرت کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت رسول خداؐ نے مقام فخر میں فرمایا۔ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ۔ میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں یعنی جس طرح شہر سے جب کوئی چیز باہر نکلتی ہے تو وہ دروازہ ہی سے نکلتی ہے اسی طرح میرے شہر علم سے جو چیز باہر نکلتی ہے پہلے وہ علیؑ تک پہنچتی ہے اس کے بعد دوسرے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں ہمارے رسول کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے خصوصیت سے بھیجے گئے ہیں وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (سورہ البقرہ ۲/۱۵۱) پس غور کیجیے کتنا بڑا حکیم ہوگا وہ شخص جس کو رسولؐ اپنے دار الحکمت کا دروازہ بیان فرمائیں۔ صاحب ارجح المطالب لکھتے ہیں کہ کون سا علم ایسا ہے جس کے عالم علی السلام نہ ہوں۔

اب ذرا تھوڑا سا حال آپ کی شجاعت کا بھی سن لیجئے۔ اہل عرب کو اپنی شجاعت پر بڑا ناز تھا لیکن شجاعت امیر المومنین علیہ السلام نے اس میدان میں ان کو اس طرح بے بس و عاجز بنا کر دکھایا جس طرح قرآن نے ان کے ادعائے فصاحت و بلاغت کو باطل قرار دیدیا تھا۔

عرب میں جو بڑے بڑے نامی گرامی بہادر اور چوٹی کے نبرد آزما کہلاتے تھے جب کسی جنگ میں علی علیہ السلام کے مقابل آئے آپ کی ذوالفقار آبدار کے سامنے سے جان بچا کر بھاگ نہ سکے۔ جنگ بدر میں قریش کے وہ مایہ ناز جنگ جو چن چن کر مارے جن کے بل بوتے پر وہ اسلام کے خوف بغاوت کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ کیا یہ کچھ تعجب خیز بات نہ تھی کہ جنگ میں ستر مشرکین مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے ان میں سے آدھے یعنی ۳۵ صرف حضرت علیؑ نے قتل کیے تھے۔

جنگ خندق میں مکہ کا وہ شہ زور سپاہی عمر بن عبدود جس کی تمام عرب پر دھاک تھی اور جو ایک ہزار

سپاہیوں کا مقابلہ تن تنہا کرتا تھا جب مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلا تو کسی میں تاب نہ تھی کہ اس کے سامنے جائے۔ آنحضرتؐ بار بار فرما رہے تھے۔ مسلمانوں میں کون ایسا بہادر ہے کہ اس لاف زن کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے۔ سب یہ سن کر خاموش رہ جاتے تھے سوائے حضرت علی علیہ السلام کے آپ ہر بار اُٹھ کر فرماتے تھے۔ یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں۔ حضرت فرماتے تھے۔ اے علی ٹھہرو۔ جب حضرت نے دیکھا کوئی مقابلہ کو جاتا ہی نہیں اور عمرو بار بار مقابلے کے لیے بُلا رہا ہے تو حضور رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اے علی! اب تم جاؤ اور اس کا سر کاٹ لاؤ، آپ بے خوف اور بے دھڑک مقابلے کے لیے چلے جب علیؑ چلنے لگے تو حضرت رسولؐ اللہ نے فرمایا: برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ آج پورا پورا ایمان پورے پورے کفر کے مقابل جا رہا ہے۔ غور کرنے کی قابل یہ بات ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کل ایمان قرار پا چکے تو اب آپ کے سوا جو لوگ رہے وہ مجسم ایمان کہلانے کے قابل نہ رہے۔ وہ یقیناً اجزائے ایمان کے مالک رہے نہ کہ کل ایمان کے۔ الغرض حضرت اس کے مقابلے کے لیے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد حضرت کے قدموں میں اس کا سر لا ڈالا۔ حضرت نے فرمایا: "علیؑ نے جو ضربِ روزِ خندق عمرو کے سر پر ماری وہ الانس و جن کی عبادت سے بہتر ہے۔ اللہ اکبر کس کی طاقت ہے کہ علیؑ کے فضائل کا احصا کر سکے۔ جن کی ایک ضرب کے وزن میں عباد ثقلین چڑھ گئی۔ اس کے اجر و ثواب کا کس کی طاقت ہے کہ اندازہ کر سکے۔ کیونکہ حضرت کا عمل خیر صرف یہ ضرب ہی تو نہ تھی بلکہ اور بھی بہت سے اعمال صالحہ تھے پس اگر اصحاب رسولؐ ہی سے کوئی شخص تمام اعمال خیر کما حقہ بجا لانے والا بھی فرض کر لیا جائے تب بھی علی کے ایک عمل کے برابر اس کے تمام اعمال نہ ہو سکیں گے۔ پھر فرمائیے جب ایمان و عمل دونوں میں کسی کو مقابلہ کا یارا نہ تھا تو پھر علیؑ کا تقابل کسی دوسرے سے کرنا ذات علی علیہ السلام پر کس قدر ظلم ہے۔

اگر حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کا مفصل حال بیان کیا جائے تو مجلس کو بہت طول ہو جائے گا اور حضرت کے دیگر فضائل بیان ہونے سے رہ جائیں گے۔

اب ذرا تھوڑا سا بیان حضرت کی عدالت کا بھی سن لیجئے آپ نے ہمیشہ از روئے عدل و انصاف جس مسلمان کا جو حق ہوتا تھا وہ پہنچایا ان کے معاملات میں ہمیشہ انصاف کیا کبھی اپنی خواہش نفسانی کو کسی امر میں دخل نہ دیا ایک حبہ بیت المال کا بھی کبھی اپنے صرف میں اپنے حق سے زیادہ نہ لائے آپ نے اپنی بادشاہت کے زمانے میں فاقے کیے محنت اور مزدوری کی مگر ناجائز ایک پائی اپنے خرچ میں نہ کی ایک دن آپ کے حقیقی بھائی جناب عقیل نے اپنے اہل و عیال کی کثرت اور ازروقہ کی قلت بیان کر کے اپنے حق میں رعایت چاہی یعنی یہ کہ جو وظیفہ بیت المال سے مقرر ہے اس سے کچھ زائد دے دیا کریں۔ آپ نے فرمایا اے بھائی جو تمہارا جائز حق ہے وہ

تو تم کو دے ہی دیا جاتا ہے جس طرح بنے اس کو پورا کرو جناب عقیل کو یہ بات ناگوار ہوئی اور کہنے لگے آپ بادشاہ ہو کر اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ اتنی رعایت بھی نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر اپنے غلام کو ایک لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کر کے لانے کا حکم دیا جب وہ آئی تو آپ نے جناب عقیل سے فرمایا ذرا اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ جب حضرت نے داغنا چاہا تو انہوں نے کہا بھائی آپ یہ کیا کرتے ہیں میرا ہاتھ جل جائے گا۔ میں اس صدمہ کی تاب نہیں لا سکتا فرمایا کیوں بھائی! تم تو آتش دنیا سے تاب نہیں لا سکتے اور میرے لیے یہ چاہتے ہو کہ آتش جہنم میں جلایا جاؤں۔ یہ تھی حضرت کی عدالت، سخاوت کا حال یہ تھا کہ آج تک فقراء و مساکین ان کا نام لے کر سوال کرتے ہیں خود فاقہ کر کر کے جس نے سائلوں کا سوال پورا کیا ہو وہ یہی سخی تھے يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورہ الحشر ۹) "وہ تنگدستی میں بھی اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں" انہی کی شان میں ہے۔

یہ ایسے سخی ہیں کہ ایک بار سائل آ کر روٹی کا سوال کرتا ہے آپ قنبر سے فرماتے ہیں کہ اس کو ایک روٹی دے دو۔ قنبر نے عرض کی کہ روٹیاں تو توشہ دان میں ہیں فرمایا مع توشہ دان کے دے دو۔ انہوں نے کہا توشہ دان بہت سے سامان کے اندر ہے فرمایا مع سامان کے دیدو۔ عرض کی حضورؐ سامان اونٹ پر بندھا ہوا ہے اس وقت کیسے کھلے فرمایا مع اونٹ کے دیدو۔ عرض کی مولا اونٹ قطار میں کہیں ہے اس وقت کہاں تلاش کروں فرمایا اچھا مع قطار کے دیدو، غرض کہ ایک روٹی کے سائل کو پوری قطار اونٹ کی بخش دی گئی۔

گھر میں کئی روز سے فاقہ ہے آپ مزدوری کرنے کے لیے نکلے ایک باغ میں شام تک پانی دینے کی اجرت میں سات درم آپ کو ملے وہ لیے آ رہے تھے کہ راستے میں سلمان ملے۔ پوچھا کہ سلمان کیا حال ہے عرض کی شکر ہے خدا کا۔ پوچھا سلمان آج تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔ سلمان خاموش ہو گئے آپ سمجھ گئے سلمان فاقہ سے ہیں فوراً چار درہم ان میں سے سلمان کو دیدیئے آگے بڑھے تو ایک ضعیفہ اپنا یتیم بچہ لیے جا رہی تھی اور کہتی جاتی تھی یا اللہ اپنے کسی سخی کو بھیج کہ تیری اس بھوکی مخلوق پر رحم کھا کر اتنا دیدے ہم دونوں کی جاتی جان رک جائے یہ سنتے ہی آپ نے تین درہم اس کو دے دیئے اور خالی ہاتھ گھر کو واپس آئے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی اے ابوالحسن آج بھی روزی کی کوئی صورت نہیں نکلی آپ نے سب حال بیان کیا سیدہؑ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور سب رات کو یوں ہی بھوکے پڑ رہے یہ سخاوت سوائے محمدؐ و آل محمدؐ آپ کو کہیں ڈھونڈے نہ ملے گی۔

حضرت کی عبادت کا یہ حال تھا کہ تمام تمام رات محراب عبادت میں کھڑے رہتے تھے اور ہمسایہ کے لوگ

ایک ایک رات میں ایک ہزار تکبیرۃ الاحرام کی آواز سُن لیتے تھے روزے کی صورت یہ تھی کہ کوئی دن مشکل سے ایسا گزرتا کہ آپ روزے سے نہ ہوں۔ صفین کے میدان میں جبکہ سخت جنگ ہو رہی تھی اور دشمن کی طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا تھا نماز ظہر کا وقت آگیا آپ نے مصلے بچھانے کا حکم دیا کسی نے کہا حضورؐ یہ وقت میدان میں نماز پڑھنے کا نہیں۔ ایسا نہ ہو کوئی تیر جسم پر آ لگے۔ فرمایا یہ جنگ نماز کو قائم کرنے اور احکام الٰہی کی بجاآوری ہی کے لیے تو کی جا رہی ہے۔

وقت نماز ایسا خوف حضرت پر طاری ہوتا تھا کہ بعض اوقات لوگوں کو یہ اندیشہ ہونے لگتا تھا کہ کہیں روح مبارک پرواز نہ کر جائے ایک روز جناب سلمان نے دیکھا کہ آپ محراب عبادت میں بیہوش پڑے ہیں سمجھے کہ حضرت نے رحلت فرمائی۔ گھبرائے ہوئے سیدہؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے آقا و مولا امیرالمومنین بحالت نماز رحلت فرما گئے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا اے سلمان غم نہ کرو بحالت نماز علیؑ کی حالت اکثر ایسی ہی ہو جایا کرتی ہے۔

زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ عمر بھر حضرت نے جو کی روٹی کھائی۔ اکثر آپ کی غذا ایسی خشک روٹی ہوتی تھی کہ آپ کو زانوئے مبارک سے توڑا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بھُنے ہوئے جو کا وہ آٹا ہی پھانک لیتے تھے جس میں آدھے سے زیادہ بھوسی ملی ہوئی ہوتی تھی۔ ایک بار سائل حضرت امام حسنؑ کے دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا تو کچھ غذا اپنے پہلو میں جمع کرتا جاتا تھا۔ حضرت امام حسنؑ نے دیکھ لیا فرمایا اے شخص تو ایسا کیوں کر رہا ہے یہاں غذا کی کمی نہیں اگر تو اہل و عیال کے خیال سے ایسا کر رہا ہے تو جتنا چاہے اپنے ساتھ لے جانا۔ اس نے کہا میں اپنے اہل و عیال کے خیال سے ایسا نہیں کر رہا ہوں بلکہ مسجد میں ایک فقیر کو دیکھ کر آیا ہوں جو جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھا رہا تھا۔ حضرت امام حسنؑ یہ سن کر آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا اے شخص ان کو فقیر نہ سمجھ وہ دین و دنیا کے بادشاہ ہمارے پدر بزرگوار امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں انہوں نے دنیا کو ترک کر رکھا ہے۔ حضرت کا معمول تھا کہ کبھی دو غذائیں ایک ساتھ تناول نہ فرماتے تھے۔

لباس میں آپ کے جا بجا پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے چمڑے کا وہ بستر جس پر دن میں اونٹ دانہ کھاتا تھا رات کو آپ کا فرش خواب ہوتا تھا۔ تکیہ کے بجائے آپ سر مبارک کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے تھے۔

مال دنیا کی طرف آپ کو قطعاً رغبت نہ تھی۔ بیت المال میں جو روپیہ بحق مساکین جمع ہوتا تھا جب تک آپ اس کو رات ہونے سے پہلے تقسیم نہ کر دیتے چین نہ آتا۔ آپ بیت المال میں جب تشریف لے جاتے تو وہاں چاندی سونا دیکھتے تو فرماتے: "یا صفراء و یا بیضاء غری غیری" اے سونا چاندی میرے سوا کسی اور کو دھوکا دینا اکثر اوقات آپ دنیا کو خطاب کر کے فرماتے تھے۔ یَا دُنْیَا غُرِّی غَیْرِی اِلَیْکِ عَنِّی فَانِّی قَدْ

طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا (اے دنیا مجھ سے دور رہو میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیدیں ہیں مجھ قطعاً تیری ضرورت نہیں
غریب پروری اور محتاج نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ بادشاہ ہوئے تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے فرمایا کہ
تم جاکر کوفہ کے یتیموں اور بیواؤں کی فہرست تیار کرو ایسا نہ ہو کہ میری حکومت میں کوئی بھوکا سورہے آپ
فرمایا کرتے تھے وَكَيْفَ أَشْبَعُ وَحَوْلِي بُطُونٌ غَرْثَى۔ میں کیوں کر کھانا کھاؤں جب تک
میرے گرد بہت سے بھوکے سو رہے ہوں۔

منقول ہے کہ جب آپ کوفہ میں بادشاہ تھے کہ ایک راہ سے گزر رہے تھے دیکھا کہ ایک ضعیفہ غلّہ کی گٹھری اپنی پشت پر رکھے چلی جا رہی ہے۔ ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ تھوڑی دور چل کر رک جاتی ہے حضرت نے اس سے فرمایا اے ضعیفہ لا اپنا یہ بار مجھے دے تاکہ میں تیرے گھر تک پہنچادوں اس نے کہا بھائی! آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ فاقہ کشی سے مجھ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ یہ بار لے کر چل سکوں۔ الغرض حضرت نے وہ بار اس کا لے لیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلے۔ جب وہ دروازہ پر پہنچی تو اس نے کہا میں اس عنایت کی بہت شکر گزار ہوں لائیے اب مجھے دیجئے آپ نے فرمایا اور اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ اس نے اتنا مہربان پاکر آپ سے کہا ضرورت تو بہت کچھ ہے مگر کہتے ہوئے شرماتی ہوں۔ آپ کا بہت بڑا احسان مجھ پر ہوا اب اس سے زیادہ تکلیف دینے کو دل نہیں چاہتا تو آپ نے فرمایا اے ضعیفہ شرم کی ضرورت نہیں اور بے تکلفی سے جو ضرورت ہو بیان کر دے۔ اس نے کہا میں اور میرے بچے تین دن کے فاقہ سے ہیں آج محنت مزدوری سے اتنے دام ہاتھ لگے کہ میں نے یہ غلّہ خریدا۔ اب آٹا پیسنا باقی ہے مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ چکی چلا سکوں۔ آپ نے فرمایا میں بخوشی اس خدمت کو انجام دوں گا چنانچہ آپ نے اس کا آٹا پیس دیا اور فرمایا اے ضعیفہ اور کوئی ضرورت تو نہیں اس نے کہا اتنا احسان اور کیجئے کہ تھوڑی دیر میرے بچوں کو بہلائیے تاکہ میں کھانا تیار کرلوں۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور جب تک وہ کھانا پکاتی رہی آپ اس کے بچوں کو بہلاتے رہے جب وہ فارغ ہوئی تو اس نے بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ حضرت نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ خدمت قربۃً الی اللہ انجام دی ہے کسی جزا کی خواہش ہے نہ شکریہ کی۔

غرض یہ فرماکر حضرت وہاں سے تشریف لے چلے ایک ہمسایہ عورت بچّہ کو بہلاتے ہوئے حضرت کو دیکھ رہی تھی۔ جب آپ باہر تشریف لے گئے تو اس نے اپنی پڑوسن سے کہا تم جانتی ہو یہ بزرگ کون تھے جو تمہاری یہ خدمت انجام دے رہے تھے اس نے کہا میں تو نہیں جانتی۔ وہ بولی یہ ہمارے بادشاہ دین و دنیا امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ یہ سننا تھا کہ وہ دوڑی ہوئی گئی اور سرِ راہ حضرت کے قدموں پر جاگری اور ہاتھ

باندھ کر کہنے لگی۔ امیرالمومنینؑ خدا کے لیے میری گستاخی معاف کیجئے۔ خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو پہچانتی نہ تھی حضرت علی یہ سُن کر رونے لگے۔ اور فرمایا اے ضعیفہ علی کو شرمندہ نہ کر یہ میرا فرض ہے جو انجام دیا علی کو خدا نے اس لیے بادشاہ نہیں بنایا کہ عیش و آرام سے زندگی بسر کرے بلکہ اس لیے کہ خلق اللہ کے حقوق کی نگہبانی کرے اور ان کی تکلیفوں کو دُور کرے۔

حضرت علیؑ کا یہ معمول تھا کہ ہر رات کو ایک زنبیل و تھیلہ میں خرمے اور دوسری میں روٹیاں بھرتے اور اپنے کندھوں پر رکھ کر لے جاتے اور جہاں جہاں کوفہ میں محتاج بیواؤں اور نادار یتیم بچّے ہوتے ان کو غذا پہنچاتے۔ دینے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ زنجیر در ہلاتے اور اپنا منہ زیرِ نقاب رکھتے پس دیوار سے اس طرح دیتے کہ کوئی آپ کی صورت دیکھ کر شرمائے نہیں۔

یہ طریقہ آپ نے برابر جاری رکھا اور اپنے سوا یہ خدمت کسی اور کے سپرد نہ کی۔ ایک روز قنبر نے عرض کی حضورؑ کی طبیعت آج ناساز ہے لائیے اس خدمت کو میں انجام دے آؤں۔ آپ نے فرمایا نہیں اے قنبر جس کا جو فرض ہے اس کو انجام دینا چاہیے۔ امام حسن علیہ السلام نے عرض کی اگر آج کی شب یہ خدمت کسی اور کے سپرد کر دیں تو بہتر ہے۔ قنبر کو اگر آپ دینا نہیں چاہتے تو میں حاضر ہوں فرمایا بیٹا اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ دار قنبر کو بنایا ہے نہ تم کو مجھے یہ ڈر ہے کہ میرا غیر ہر گھر تک نہ پہنچ سکے اور کوئی بھوکا یتیم یا بھوکی بیوہ رات کو اپنے فرش پر گرسنگی کی حالت میں خدا سے یہ شکایت کر بیٹھے کہ خداوندا گواہ رہنا میں علیؑ کی حکومت میں آج بھوکی سوئی ہوں اور کل روزِ قیامت خدا اس کے متعلق مجھ سے مواخذہ کرے تو بتاؤ میں اس کا کیا جواب دوں گا۔

آہ بیواؤں اور یتیموں پر یہ راز اس وقت کھلا جب انیس ماہ رمضان کے بعد امیرالمومنینؑ عبدالرحمٰن ابن ملجم کی ضرب کھا کر اس قابل نہ رہے کہ ان یتیموں اور بیواؤں تک پہنچ سکیں۔

حضرت کی شہادت کا واقعہ کتب تواریخ میں اس طرح منقول ہے کہ نہروان کے خارجیوں نے جنگ نہروان میں امیرالمومنین سے شکست کھانے کے بعد یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو علی علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے ان میں ایک فاحشہ عورت قطام نامی تھی جس کے باپ بھائی اور شوہر جنگ نہروان میں کام آئے تھے وہ اس روز سے امیرالمومنینؑ کے خون کی پیاسی بن گئی۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی جو نہروان کے خوارج میں سے تھا اس سے عقد کرنا چاہتا تھا۔ قطام کو یہ موقع حصول مقصد کے لیے اچھا معلوم ہوا اس نے ابن ملجم سے کہا میں اس شرط سے تیرے نکاح میں آنا قبول کروں گی کہ تو علی ابن ابیطالب کو قتل کر دے یہ سُن کر وہ گھبرایا اور کہنے لگا۔ علیؑ کا قتل کرنا تو نے کوئی آسان کام سمجھا ہے اس ملعونہ نے کہا میرا ملنا بھی آسان نہیں چونکہ وہ شقی ازلی اس ملعونہ کے حسن و جمال پر بُری طرح فریفتہ ہو رہا تھا لہٰذا اس نے اقرار کر لیا اور یہ اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے کوفہ آ پہنچا اور انیس ۱۹ ماہ رمضان کی شب کو

مسجد کوفہ میں آکر روپوش ہو گیا۔
لکھا ہے کہ انیس کی شب کو ابعد افطار جناب اُم کلثوم نے اپنے پدر بزرگوار کے سامنے جب کھانا لاکر رکھا تو جَو کی روٹی کے علاوہ ایک پیالے میں نمک تھا دوسرے میں دودھ تھا۔ حضرت نے فرمایا بیٹی: تمہارے باپ نے دو غذائیں کب ایک ساتھ کھائی ہیں جو تم نے آج ایسا کیا۔ عرض کی بابا جان آپ پر مجھے کمزوری کا غلبہ معلوم ہوا اس لیے میری محبت نے اس جرأت پر مجبور کیا۔ فرمایا اے جانِ پدر! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ روزِ قیامت تمہارا باپ زیادہ مدت تک حساب دینے کے لیے کھڑا رہے بیٹی ان میں سے ایک غذا اُٹھا لو۔ چنانچہ دودھ اٹھا لیا گیا آپ نے وہ جَو کی روٹی نمک کے ساتھ تناول فرمائی۔ اس کے بعد امام حسن علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ **یَا بُنَیَّ کَمْ مَضٰی مِنْ شَهْرِنَا هٰذَا** ۔ بیٹا حسن اس مہینے کے کتنے دن گزر گئے عرض کی بابا جان اس ماہ صیام کے گیارہ دن اور باقی ہیں فرمایا **وَاَسَفَاهُ** کہ علی اس سعادتِ صوم سے محروم رہ جائے گا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام! یہ سن کر گھبرائے اور عرض کی بابا جان! آپ نے یہ کیا فرمایا۔ امیرالمومنینؑ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا نصف شب گزرنے کے بعد جب آپ نے مسجد میں جانے کے ارادہ سے باہر نکلنا چاہا تو حضرت کے گھر میں بطخیں پلی ہوئی تھیں انہوں نے شور مچانا شروع کیا۔ اور اپنی منقاروں سے حضرت کی عبا کا دامن پکڑ لیا گویا بہ الہام ربانی وہ جان گئیں تھیں کہ اب امیرالمومنین کا گھر آنا صحیح و سالم نصیب نہ ہو گا۔ الغرض حضرت ان سے دامن چھڑا کر مسجد میں تشریف لائے اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ جب نمازِ صبح کا وقت قریب آیا تو آپ نے دیکھا کوئی شخص مسجد کے گوشہ میں منہ لپیٹا سو رہا ہے یہ ابن ملجم ملعون تھا جو اپنی تلوار سینہ کے نیچے چھپائے ہوئے سو رہا تھا آپ نے شانہ پکڑ کر ہلایا اور فرمایا اے شخص اُٹھ نمازِ صبح کا وقت قریب آلگا ہے اتنا کہنے کے بعد آپ نماز میں مشغول ہو گئے ابھی مسجد میں کوئی نمازی بھی نہ آیا تھا۔ ابن ملجم نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جب حضرت سجدہ میں گئے تو اس شقی نے اپنی زہر آلود تلوار سے ایسا بھرپور وار کیا کہ کئی انچ تلوار سرِ اقدس میں در آئی۔ جوں ہی تلوار لگی آپ نے فرمایا۔
فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) اللہ اللہ ایسے عاشقانِ الٰہی اور خدا کے سچے دل کہاں ملیں گے جو موت کو کامیاب ہونا سمجھتے ہیں۔
ابن ملجم تو تلوار کا وار کر کے بھاگ کھڑا ہوا اور یہاں حضرت کے خون سے تمام محرابِ عبادت سرخ ہو گئی اور حضرت اپنے خون میں تڑپنے لگے کچھ لوگوں نے جو نماز کے لیے مسجد میں آرہے تھے عبدالرحمٰن کو خون بھری تلوار ہاتھ میں لیے مسجد سے نکلتا دیکھا تو گھبرائے ہوئے مسجد میں آئے یہاں حضرت کو تڑپتا ہوا پایا یہ دیکھ کر کچھ لوگ تو ابن ملجم کو پکڑنے کے لیے بھاگے اور کچھ حسنین علیہ السلام کو خبر کرنے کے لیے دوڑے آہ جو نہی یہ خبر پہنچی حضرت کے

کے گھر میں ایک کہرام بپا ہو گیا امام حسنؑ اور امام حسینؑ بے چین ہو کر مسجد کی طرف دوڑے اور جناب زینبؑ اور ام کلثوم نے رونا پیٹنا شروع کیا۔

الغرض حضرت حسنین علیہما السلام دیگر مومنین کی مدد سے امیرالمومنین علیہ السلام کو خون میں بھرا ہوا گھر میں لے کر آئے جب بیٹیوں نے باپ کی یہ حالت دیکھی تو بلک بلک کر رونے لگیں۔ حضرت نے اشارہ سے ان کو تسکین دی کچھ دیر کے بعد لوگ قاتل کو گرفتار کر کے جوتوں اور تازیانوں سے مارتے امیرالمومنینؑ کے پاس لائے اس وقت اس ملعون کا پیاس سے بُرا حال تھا بات نہ کی جاتی تھی۔ آپ نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا بیٹا اس کو پانی پلاؤ پیاس سے اس کا غیر حال ہے۔

اے علیؑ آپ کے کرم کی دھوم — بھیجا شربت برائے قاتل شوم
اس عنایت سے ہو گیا معلوم — دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمناں نظر داری

جب پانی پی کر اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے شخص کیا میں تیرا بُرا امام تھا جو تو نے میرے اوپر یہ ظلم کیا۔ یہ سُن کر اس شقی نے گردن جھکا لی۔ آپ نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا اے بیٹا اگر میں زندہ رہا تو اس شخص سے اپنا قصاص خود لے لوں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکا تو جس طرح اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے تم بھی ایک ہی ضرب لگانا۔ اس کے بعد فرمایا اس بدبخت کو میرے سامنے سے ہٹاؤ۔

جو جراح حضرت کے زخم کا علاج کر رہا تھا اس سے امام حسن علیہ السلام نے دریافت کیا کہ حضرت کی جانبری کی تجھے امید ہے یا نہیں اس نے کہا اوّل تو زخم گہرا ہے پھر تلوار زہر آلود تھی سمیت کا کافی اثر ہو چکا ہے یہ سُن کر حضرت امام حسن علیہ السلام سمجھ گئے اب حضرت کا بچنا ناممکن ہے چنانچہ یہی ہوا کہ شب لبست دیکم میں امیرالمومنین کی حالت متغیر ہونے لگی اور آثار موت ظاہر ہونے شروع ہو گئے آپ نے اپنی تمام اولاد کو جناب امام حسنؑ کے سپرد کیا اور فرمایا اے بیٹا اب میرے بعد تم حجت خدا ہو یہ میری سب اولاد تمہارے سپرد ہے اس کے بعد جناب عباسؑ کو اپنے قریب بلایا اور ان کا ہاتھ امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیا جناب ام البنین مادر جناب عباسؑ نے رو کر عرض کی اے میرے والی وارث اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے اپنی اولاد تو امام حسنؑ کے سپرد کی اور میرے عباسؑ کو حسینؑ کے سپرد کیا۔ حضرت یہ کلام سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا اے ام البنین جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ میرا حسین کربلا کے میدان میں نرغہ اعدا میں گھر جائے گا اس وقت میرا عباس اس کا قوت بازو ہو گا اس کا علمبردار ہو گا اس کے بچوں کا سقا بنے گا۔

پھر حضرت نے امام حسن علیہ السلام کو قریب بلا کر اسرار امامت تعلیم فرمائے اور دنیا سے رخصت

ہو گئے۔ اس وقت حضرت کے گھر میں ایک عجیب کہرام بپا تھا ایک طرف بیٹے **واابتاہ واعلیاہ** کے نعرے مار مار کر رو رہے تھے اور آپ کی بیٹیاں سر کھولے باپ کی میت پر سر و سینہ پیٹ رہی تھیں حضرت کی موت معمولی بات نہ تھی اہل بیت کے رہے سہے اقتدار کا خاتمہ ہو رہا تھا۔

الغرض تجہیز و تکفین کے بعد امیر المومنینؑ کا جنازہ جب گھر سے نکلا تو راوی کہتا ہے میں نے دیکھا بے شمار یتیم بچے اور بیوہ عورتیں سر و پا برہنہ **واابتاہ وا وارثاہ** کے نعرے مارتی ہوئی جنازہ کے ساتھ چلی آ رہی تھیں صورت یہ ہوئی کہ جب بیسویں اور اکیسویں ماہ صیام کی شب میں یتیموں اور بیواؤں کو حسب معمول غذا نہ پہنچی تو اضطراب لاحق ہوا یتیم بچوں نے اپنی ماؤں سے پوچھنا شروع کیا کہ کیا وجہ ہوئی کہ دو رات سے وہ ہمارا شفیق محسن نہیں آیا جو ہر شب کو ہمارے لیے غذا لایا کرتا تھا اگر اس کا نام و پتہ معلوم ہو تو ہمیں بتاؤ کہ ہم خود وہاں تک پہنچیں اور اگر ہم سے کوئی قصور ہو گیا ہو تو ہاتھ جوڑ کر اس کی معافی چاہیں وہ کہتی تھیں اے فرزندو! ہم نے اس بندہ خدا کی نہ آج تک صورت دیکھی ہے نہ اس کا کلام سنا ہے وہ نقاب چہرہ پر ڈال کر پس پردہ سے خاموشی کے ساتھ دے جایا کرتا تھا کئی بار نام اور پتہ پوچھا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسی حالت میں کیونکر بتائیں کہ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ کون تھا اور کہاں رہتا ہے۔

آہ جب امیر المومنین کا جنازہ چلا تو ان سب کو معلوم ہوا کہ پرسوں شب میں امیر المومنین کو مسجد میں کسی شقی نے بحالت نماز ایسا تلوار سے زخمی کیا کہ آپ جانبر نہ ہو سکے تو سمجھ میں آیا کہ وہ رات کو روزی پہنچانے والے آپ تھے پس پھر کیا تھا یتیم بچے اور بیوہ عورتیں روتے پیٹتے ہر طرف سے دوڑے اور امیر المومنین کے جنازے کے ساتھ ہو لیے ان کے نالے سن سن کر لوگوں کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔

الغرض امیر المومنین کا جنازہ نجف میں پہنچا اور حسنین علیہما السلام نے اپنے باپ کو آہ و زاری کے ساتھ سپرد خاک کیا۔ رات کا بہت زیادہ حصہ گزر چکا تھا کہ دفن کر کے پلٹے راہ میں ایک طرف سے کسی دردمند کے رونے کی آواز آئی۔ بھائی نے بھائی سے کہا کوئی مصیبت زدہ کراہ رہا ہے دونوں شہزادے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا تو ایک اندھا مفلوج ایک جھونپڑی کے اندر کراہ رہا ہے اور رہ رہ کر نالہ و فریاد کر رہا ہے۔ امام حسن علیہ السلام اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر دبانا چاہا۔ اس نے اپنا سر ہٹا کر زمین پر رکھ دیا آپ نے دوبارہ ایسا ہی کیا اس نے پھر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا اے بھائی کیا تم کو زانو پر سر رکھنے میں تکلیف ہوتی ہے اس مرد درویش نے کہا۔ بس رہنے دو مجھے آرام کی ضرورت نہیں دو دن گزر گئے خبر تک نہ لی کہ میں مرتا ہوں یا جیتا ہوں۔ امام حسن علیہ السلام کو یہ سن کر تعجب ہوا فرمایا اے شخص ہم تو اس سے پہلے کبھی تیرے پاس آئے ہی نہیں۔ یہ پہلا موقع ہے۔ جب اس نے آواز پہچانی تو نادم ہوا

اور کہنے لگا مجھے معاف کرنا پہچاننے میں غلطی ہوئی سخت دھوکا ہوا میں اس ویرانہ میں ایک سال سے پڑا ہوں اللہ کا ایک بندہ ہر روز میرے پاس آیا کرتا تھا بڑی شفقت سے میرا بدن دباتا تھا اپنے ہاتھ سے مجھے غذا کھلاتا تھا، بڑی محبت سے میری احوال پرسی کرتا تھا مگر آج دو دن ہو گئے کہ وہ میرا شفیق، میرا مربی، میرا محسن آہ مجھ تک نہیں پہنچا خدا جانے اس پر کیا گزری۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا اے شخص اس کا نام کیا تھا کہاں کے رہنے والے تھے۔ درویش نے کہا کچھ پتہ معلوم ہو تو بتاؤں بار بار پوچھا گیا مگر اپنا نام نہ بتایا اور نہ اپنا پتہ ہمیشہ جواب میں یہی کہا تمہیں نام سے کیا کام ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ کوئی بڑا عاشق باری اور برگزیدہ بندہ تھا کیونکہ جب تک میرے پاس بیٹھتا برابر ذکر الٰہی کرتا رہتا تھا۔ یہ سن کر حسنین علیہما السلام بے چین ہو گئے سمجھ گئے کہ وہ ان کے پدر بزرگوار تھے فرمایا اے درویش وہ ہمارے پدر بزرگوار علی بن ابیطالبؑ تھے۔ آہ ایک ظالم نے پرسوں شب شمشیر زہرآلود سے ان کے فرق مبارک پر ایسا وار کیا کہ وہ اس کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکے ہم اس وقت انہی کو دفن کر کے آرہے ہیں یہ سننا تھا کہ وہ درویش زار زار رونے لگا اور کہنے لگا شہزادو! تمہارا بڑا احسان ہوگا مجھے جس طرح بنے میرے محسن تک پہنچا دو۔ اس کا یہ جذبہ دیکھ کر حسنین علیہما السلام نے جس طرح بنا اس کو نجف تک پہنچا دیا اور قبر امیرالمومنین پر لے جا کر کہا اے درویش یہی قبر ہے تیرے محسن کی اور خلق کے والی ہمارے پدر بزرگوار علی بن ابیطالب کی یہ سنتے ہی وہ درویش اس طرح قبر سے لپٹا جیسے کوئی عزیز اپنے کسی عزیز سے لپٹتا ہے اور کہنے لگا اے میرے مربی و محسن! تم قبر میں ہو اور یہ دکھیا درویش دنیا کے بے شمار مصائب جھیلنے کے لیے زندہ رہ گیا۔ کاش میں آپ سے پہلے مر جاتا۔ آہ اب کون ہے جو اس طرح میری تیمار داری اور غم خواری کرے گا۔ اس کے بعد اس درویش نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی اے میرے خالق برحق! اے میرے معبود مطلق اے ٹوٹے دلوں کے سہارے، اے مصیبت زدوں کے آسرے اب مجھے دنیا میں رہنے کی ایک منٹ کے لیے خواہش نہیں میں تجھے اس صاحب قبر کا واسطہ دیتا ہوں کہ ملک الموت کو حکم دے کہ میری روح قبض کرے خداوند عالم نے اس کی دعا قبول کی اور درویش کی روح اسی جگہ پرواز کر گئی حسنین علیہما السلام نے تجہیز و تکفین کر کے سرزمین نجف میں دفن کر دیا۔

نوحہ

خنجر کو لعیں نے حیدر پہ لگایا واحسرت وا دردا
سجدہ میں لہو شاہ حجازی کا بہایا واحسرت وا دردا

ہے ہے یہ جفا سید ابرار کے اوپر ہے ظالم دخود سر جنت میں نبی زادی کو اس غم نے رلایا واحسرت و دردا

زینب کا یہ نوحہ تھا کہ ہے ہے مرا بابا جنت کو سدھارے قسمت نے جنازہ مجھے آنکھوں سے دکھایا واحسرت و دردا

روزے میں نمازی پہ چلی تیغ شرر دم پیٹو سر و سینہ محراب عبادت میں لہو شہ کا بہایا واحسرت و دردا

جنت میں پیمبر نے کیا چاک گریباں اور روئے یہ کہہ کر صد حیف کہ مر کر بھی مجھے چین نہ آیا واحسرت و دردا

کیا سید بیکس کی ستمگار خطا تھی جو تیغ چلائی معصوم نمازی پہ تجھے رحم نہ آیا واحسرت و دردا

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

پانچویں مجلس

درحال ولادت جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا

روز ولادت ۲۰ر جمادی الثانی روز جمعہ ۵ھ بعثت

قصیدہ

از جناب نجم آفندی زید فضلہ

اے کہ ہستی ہے تری ناز رسول بطحا
سیدہ فاطمۃ زہرا و بتول عذرا

ایک تو ہیچ دخم چادر تطہیر میں ہے
نام لینے سے لرزتا ہے دل اہل ولا

صنف نسواں میں نہ ہوتی مکمل عز و شرف
تو اگر عالم امکاں میں نہ ہو جلوہ نما

ہاشمی رعب و جلالت ترے چہرہ کی نقاب
منزل سیدۂ عفت ترا نقش کف پا

تیرے ایثار کی تمثیل حسینی تنظیم
تیری محنت کا ثمر جلوہ گہ کرب و بلا

نعمت آیۂ قرآں ترے روزے کی سند
غیرت میوۂ جنت ترے فاقوں کا مزا

تیرے پیوندوں کی چادر غربا کی تسکین
سر سے ہٹ جائے تو خورشید نہ ہو جلوہ نما

تیری تہلیل سے جسم دو جہاں میں لرزش
تیری تسبیح کہ جو عرش کا تو ڑے تارا

برکتیں وحی الٰہی کی ترے گھر کا حصار
دامن عظمت مریم ترے در کا سہرا

در وہ در جس پہ ملک آئے گدائی کرنے
گھر وہ گھر جس میں بندھی خانہ کعبہ کی ہوا

تیری مرضی پہ ہوا رحمت باری کا نزول
اذن لے کر ترے کاشانے میں قرآں اترا

دہر میں اشجع عالم تری قسمت کا شریک
خلق کا مصلح اعظم تری گودی کا پلا
فاتح بدر کی تلوار سہیلی تیری
اس کی قسمت کہ اٹھایا تری باتوں کا مزا
تیری سطوت کی نشانی ترے گیارہ فرزند
تیرے مہدی سے ہے قائم روشِ ارض و سما
ہے ترے دودھ کی تاثیر یہ قومی تعمیر
اللہ اللہ رے خونی کفن و سبز قبا
سر اٹھانے کی نہیں ملت بیضا کی مجال
کہ خم گردن اسلام ہے احسان تیرا
بھول کر تو نے نہ کی دولتِ دنیا پہ نظر
جوشن صبر و رضا تھے زر و زیور تیرا
تذکرہ مصحف باری میں ہے عظمت کا تری
ذکر تاریخ میں ہے آسیہ گردانی کا
اک جھلک بھی جو کنیزوں میں تری آجائے
پھر تری قوم کے اطفال ہلال دیں دنیا
کیا نتیجہ ہے اگر حسن عمل پر تیرے
کہہ دیا سحؔن کے فقط صل علیٰ صل علیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ آل عمران ۳/۴۲)

(اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ نے تم کو چن لیا اور تم کو پاک کر دیا اور چن لیا عورتوں پر) بنی اسرائیل کی عورتوں میں جو مرتبہ جناب مریم کو ملا وہ کسی عورت کو نہیں ملا۔ اللہ اللہ اس فضل و شرف کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس مقدس بی بی کا دو دو بار اصطفا ہوا۔ ایک ذریت انبیاء میں معصومہ بننے کے لیے دوسرے بے شوہر کے ماں بننے کے لیے۔ یہ خدائی انتخاب ہے بندوں کا انتخاب نہیں۔ اس میں ایک بار بھی آنا خاصان خدا کا کام ہے دو بار کا ذکر کیا۔ جناب مریم جب حالت حمل میں تھیں تو ان کی والدہ جناب حنّا نے یہ نذر مانی کہ جو بچہ میرے بطن میں ہے اس کو بیت المقدس کی نذر کردوں گی، لیکن جب لڑکی پیدا ہوئی تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب اپنی نذر کیونکر پوری کردوں کیونکہ رواج تو لڑکوں ہی کے نذر کرنے کا تھا بارگاہ باری میں عرض کرنے لگیں رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى (سورہ آل عمران ۳/۳۶) اے رب میں تو لڑکی جنی ہوں اور لڑکی مثل لڑکے کے ہوتی نہیں خطاب الٰہی ہوا کہ ہاں جو تم نے جنا ہے اس کو ہم جانتے ہیں غم نہ کرو اسی کو نذر کردو غرضکہ جناب مریم جب

ذرا سیانی ہوگئیں تو ان کو بیت المقدس کے ایک حجرے میں جا بٹھایا اور جناب زکریا نے ان کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لی۔ دن بھر حجرے کا تالا باہر کی طرف سے اس لیے بند رکھا جاتا تھا کہ کوئی اس کنواری لڑکی کے پاس جانے نہ پائے۔ اس حجرے کی کنجی جناب زکریا کے پاس رہتی تھی ایک روز جو جناب زکریا حجرے کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ کھانے کا ایک خوان سجا ہوا مریم کے سامنے رکھا ہوا ہے تعجب ہوا کہ یہ کہاں سے آیا کیونکہ کھانا تو جناب زکریا ہی روز مرہ لایا کرتے تھے تعجب سے پوچھا اَنّٰی لَکِ ھٰذَا (اے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آیا) فرمانے لگیں یہ رزق اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دے دیتا ہے تب جناب زکریا سمجھے کہ یہ لڑکی تقدس میں غیر معمولی ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مریم کا بہت بڑا مرتبہ تھا۔ چار عورتیں اسلام میں ایسی گزری ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی ایک سارہ زوجہ حضرت ابراہیمؑ، دوسری آسیہ زن فرعون، تیسری جناب مریم اور چوتھی ہماری شہزادی جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا جن کا مرتبہ سب بیبیوں سے بڑھا ہوا تھا۔

جناب مریم کی طہارت کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں طہرک سے کیا گیا ہے لیکن یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ جناب فاطمہ زہرا اہل بیت میں داخل ہیں لہذا اس طہارت کاملہ میں وہ بھی شریک ہیں جناب مریم کی طہارت متعدی الی الغیر تو ہوئی مگر صرف ایک شخص تک پہنچ سکی یعنی وہ عیسیٰ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہوگئی۔ برخلاف جناب فاطمہ زہرا کے ان کی طہارت کا سلسلہ قیامت تک نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا اور ایک دو نہیں گیارہ معصوم ان کی نسل سے ہوگئے۔ جناب مریم نے صرف ایک ہی معصوم کو اپنی گود میں کھلانے کا شرف حاصل کیا اور جناب سیدہؑ کو بیک وقت دو معصوم گود میں پالنے کا فخر ہوا جناب مریمؑ کے باپ ایک معمولی آدمی تھے۔ جناب فاطمہؑ کے باپ سید المرسلین اور خاتم النبیین تھے جناب مریمؑ کا صرف ذاتی شرف تھا اور جناب فاطمہؑ کا شرف اپنے شوہر کی طرف سے دہرا ہو گیا تھا۔ جناب مریمؑ صرف بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار تھیں اور جناب سیدہ قیامت تک کی تمام عورتوں کے لیے۔

جناب سیدہؑ کا سینہ علوم قرآن کا گنجینہ تھا۔ آپ کی قرآن دانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کی کنیز جناب فضہ نے آپ کی صحبت میں رہ کر علم قرآن اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ چالیس برس تک سوائے قرآنی آیات کے اپنی طرف سے کوئی کلام ہی نہ کیا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب متکلمہ بالقرآن ہو گیا تھا۔ قرآن کے علاوہ آپ احادیث رسولؐ کی بھی بہت بڑی عالم تھیں آنحضرتؐ سے جتنی حدیثیں آپ نے سنیں تھیں کسی صحابی کو بھی اس کثرت سے احادیث سننے کا اتفاق نہ ہوا تھا چونکہ احادیث کا صحیح مفہوم آپ کو معلوم تھا اس لیے آپ کی

خدمت میں اکثر اصحاب رسولؐ حاضر ہو کر فیض حاصل کیا کرتے تھے۔

جناب سیدہؑ اخلاق و عادات میں اپنے پدر بزرگوار کا بہترین نمونہ تھیں سخاوت، ایثار، زہد و قناعت توکل، عفو کرم، شفقت، رحم یتیم نوازی، ہمدردی، احسان، حلم، تواضع، عبادت اور ریاضت وغیرہ کے متعلق جس طرح اپنے پدر بزرگوار کو دیکھا تھا اسی طرح خود کرتی تھیں۔ ایک رسولؐ زادی میں جو اوصاف ہونے چاہئیں انہوں نے ان سے زیادہ اپنے اندر پیدا کئے تھے۔

حضرت رسولؐ خدا تمام دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان میں زن و مرد دونوں شامل تھے پس ضرورت تھی کہ آپ ان دونوں صنفوں کے لیے بہترین علمی و عملی نمونے تیار کر کے دنیا میں چھوڑ جائیں۔ پس آپ نے مردوں کی ہدایت کے لیے حضرت علیؑ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو تیار کیا اور عورتوں کی ہدایت کے لیے فاطمہؑ زہرا کو۔ اگر جناب سیدہؑ ایسے اعمال کر کے نہ دکھاتیں تو شاید دنیا کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ اسلام کے بہت سے احکام عورتوں کی فطرت سے بالاتر ہیں کہ جو عورتیں سیدہؑ عالم سے مل کر گفتگو کرتی تھیں تو ان کے تعجب کی انتہا نہ رہتی تھی جب اپنے نفسوں کو سیدہؑ کے نفس سے حد درجہ پست پاتی تھیں اور اپنی قوت عملی کو ان کی قوت عملی کے سامنے ایک فرضی اور مصنوعی چیز سمجھتی تھیں جن امور کو وہ قوت بشری سے خارج سمجھتی تھیں جناب سیدہؑ ان پر عمل کر کے دکھاتی تھیں۔

ایک بار محلہ کی کچھ عورتیں غیبت کر رہی تھیں حضرت سیدہؑ وہاں سے چیں بہ جبیں ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کسی نے پوچھا تو آپ نے فرمایا میرے پدر بزرگوار نے غیبت سے منع کر دیا ہے پھر میں تمہارے ساتھ اس گناہ میں کیوں شریک ہوں۔

عام طور پر لوگوں میں رشک و حسد کا مادّہ ہوتا ہے مگر سیدہؑ عالم اس سے کوسوں دور تھیں ایک بار جبکہ آپ کا سن مبارک آٹھ سال کا تھا ایک لڑکی اپنے زیور دکھانے کے لیے آئی آپ بیحد خوش ہوئیں۔ باوجودیکہ آپ کے پاس کوئی زیور نہ تھا دوسری لڑکی ہوتی تو رشک میں جل مرتی۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب سیدہؑ اپنے فضائل و کمالات روحانی کی بنا پر ایک ایسی بے نظیر لڑکی تھیں کہ اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو دنیا میں ان کا کفو ملنا محال ہوتا۔ حضرت رسولؐ خدا اگر چاہتے تو عرب کے بڑے سے مالدار آدمی آپ کی دامادی کا شرف حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتے مگر آپ کی نظر مال و دولت پر نہ تھی۔ اس لیے آپ نے اپنا ہی جیسا روحانی کمالات رکھنے والا داماد تجویز کیا۔ حضرت علیؑ کی مالی حالت اس زمانہ میں بہت ہی نازک تھی۔ انتہا یہ ہے کہ آپ نے اپنی زرہ فروخت کر کے سیدہؑ کا مہر ادا کیا تھا۔ اور اس زرِ مہر سے حضرت رسولؐ خدا نے اپنی اکلوتی اور پیاری بیٹی کا جہیز خرید کیا تھا دنیا کے معمولی معمولی لوگ اپنی بیٹیوں کو اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ

جہیز دینے کا ارادہ کرتے ہیں تاکہ لوگوں میں ان کی بات اونچی رہے مگر ہمارے رسولؐ نے جو بادشاہ دین و دنیا تھا اپنی بیٹی کو وہ جہیز دیا جو غریب سے غریب بھی دے سکتا ہے یعنی سات درم قیمت کا ایک لباس، چار درہم کا مقنعہ، ایک سیاہ رنگ کی چادر جو دو پاٹ کی تھی جو بیچ میں خرمہ کی کھال سے سلی ہوئی تھی۔ دو مشکیزے، چار چمڑے کے تکیے، ایک اونی پردہ دروازے پر لٹکانے کے لیے، ایک بیٹھنے کے لیے چٹائی، ایک چکی ایک تانبہ کا بادیہ، ایک چمڑے کا پیالہ پانی پینے کو، ایک لکڑی کا کاسہ دودھ کے لیے ایک سبز رنگ کا گھڑا، مٹی کے چند کوزے یہی جہیز تمام ہوا۔ اگر حضورؐ چاہتے تو سب کچھ دے سکتے تھے مگر یہ جہیز اس لیے دیا کہ کوئی غریب محتاج اپنی ناداری کی وجہ سے اچھا جہیز نہ دے سکے تو اس کے ٹوٹے دل کو تسلی دینے کے لیے میری لڑکی کے جہیز کی مثال کافی ہوگی۔

عقد کے بعد حضرت علی علیہ السلام بازار سے کچھ چھوہارے کچھ گھی اور کچھ پنیر لے آئے حضرت نے ایک قسم کا کھانا جس کو حلیس کہتے ہیں تیار کرایا اور حضرت علیؑ سے فرمایا جو مسلمان ملیں ان کو بلا لاؤ تمام مہمانوں کو کھلایا گیا پھر ایک پیالہ بھر کر حضرت علیؑ کو دوسرا حضرت فاطمہؑ کو دے دیا گیا۔ جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے اپنی پارہ جگر کو پاس بلا کر چہرہ سے گوشہ چادر کو ہٹایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا سینہ سے لگایا اور فرمانے لگے۔ فاطمہ تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے اس کی رضامندی خدا و رسولؐ کی رضامندی ہے۔ پھر حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے علی پیغمبر کی بیٹی مبارک ہو یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اس کی خوشی میری خوشی ہے اور اس کی ایذا میری ایذا ہے۔

جب رخصت کا وقت ہوا تو حضرتؐ نے زنانِ بنی ہاشم کو اور ازواج کو حکم دیا کہ وہ فاطمہؑ کے ساتھ جائیں پھر اپنی سواری کے خاص ناقہ پر چادر پھیلا کر خود اپنے دست مبارک سے جناب سیدہ کو ناقہ پر سوار کیا اور جناب سلمان کو حکم دیا کہ وہ مہار پکڑے ہوئے ساتھ چلیں۔ حضرت خود بھی پیچھے روانہ ہوئے جلوس میں آپ کے ہمراہ جناب حمزہ عقیل اور دیگر بزرگان خاندان بھی تھے برہنہ تلواریں سب کے ہاتھوں میں تھیں اور قدم قدم پر نعرہ درود و سلام بلند کرتے جاتے تھے۔ جب یہ جلوس حضرت علیؑ کے گھر پہنچا تو آنحضرتؐ نے ایک کاسہ میں تھوڑا سا پانی منگوایا اور اس پر کچھ دعائیں دم کر کے جناب سیدہؑ کے سر و سینہ پر اور حضرت علیؑ کے سر و بازو پر چھڑکا اور فرمایا خدا وندا دونوں مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں تو ان کو دوست رکھ اور ان کی نسل میں برکت دے۔ یہ تھی یہی اسلامی شادی جو تمام لغویات، اسرافات سے اور کافرانہ رسوم سے قطعاً پاک و صاف تھی۔

منقول ہے کہ جناب سیدہ نے اپنی سسرال میں قدم رکھا تو اس میں رحمت و برکت کے سوا اور کیا تھا ایک بوریہ تھا جس پر علیؑ سویا کرتے تھے۔ ایک کھال جس پر اونٹ دانہ کھایا کرتا تھا ایک مشک تھی جس میں

پانی بھرا جاتا تھا ایک لکڑی کا کاسہ تھا پانی پینے کے لیے۔ دو مٹی کے پیالے کھانے کے لیے۔ جب سیدۂ عالم کا جہیز پہنچا تو پہلے کی نسبت ذرا گھر بھرا بھرا معلوم ہونے لگا۔ جناب سیدہؑ کو امور خانہ داری میں بڑا سلیقہ تھا آپ نے دنیا کی عام عورتوں کی طرح یہ خیال نہ کیا کہ میں نئی نویلی دلہن ہوں سسرال آتے ہی کام کاج کیوں کروں۔ دوسرے ہی دن سے امور خانہ داری میں مشغول ہوگئیں اور اپنے کاموں کے لحاظ سے تقسیم کر دیا۔ عبادت کرنے چکی پیسنے، آٹا خمیر کرنے، تنور روشن کرنے، روٹیاں پکانے باپ کی خدمت میں جانے کے اوقات معین ہوگئے۔ گھر کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو سیدہؑ اپنے ہاتھ سے انجام نہ دیتی ہوں۔ محلہ کے جن گھروں میں دو دو لونڈیاں تھیں وہاں بھی یہ صفائی اور سلیقہ نہ تھا جو جناب سیدہ کے گھر میں تھا۔

سیدہؑ اس خیال کی بی بی تھیں جن کو اپنے سے شرم آتی۔ غربت اور تنگ دستی ان کی نظر میں کوئی شرمانے والی چیز نہ تھی اور دولت و ثروت انسانی شرافت کا معیار نہ تھا۔ ان کے اس گھر میں جو دنیوی ساز و سامان سے بالکل خالی تھا کیسا ہی کوئی متمول آجاتا ان کی نگاہ نیچی نہ ہوتی۔

حضرت علیؑ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو مال و دولت پر جان دیتے جب انہوں نے بادشاہت کے زمانے میں ایک پھوٹی کوڑی بچا کر نہ رکھی تو بھلا اس وقت کیا رکھتے جہاں سے جو ملتا ایک وقت کھانے کے لیے رکھ لیتے باقی راہ خدا میں لٹا دیتے بلکہ اکثر اوقات خود فاقے سے پڑ رہتے اور اپنا کھانا دوسروں کو دیدیتے جناب سیدہؑ اس بارے میں روک ٹوک نہ کرتیں بلکہ خود مسکینوں اور یتیموں کی حاجت براری کا خیال رکھتی تھیں اور حضرت علیؑ کی طرح وہ بھی اس بات کی عادی تھیں۔ زہد و قناعت اور ایثار و توکل چونکہ میاں بیوی دونوں میں یکساں پایا جاتا تھا اس لیے نہ کبھی علیؑ کو فاطمہؑ سے شکایت پیدا ہوئی اور نہ فاطمہؑ کو علیؑ سے۔ دونوں کی زندگی کا مقصد خدا کی رضامندی حاصل کرنا تھا نہ کہ تن پروری اور راحت طلبی۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن میرے گھر میں دو روز کا فاقہ تھا کئی بار خیال آیا کہ حضرت رسول خدا سے چل کر کچھ مانگوں مگر حیا دامن گیر ہوئی اور آخر دوسرے روز کچھ مزدوری کر کے اجرت میں تھوڑے سے جو خریدے اور گھر میں لے آیا تو سیدہؑ فاقہ سے نڈھال تھیں۔ میں نے جو کو ان کے سامنے لاکر رکھا وہ خوش ہو کر اٹھ بیٹھیں اور اس کمزوری کی حالت میں ان کو پیسا اور روٹیاں پکا کر میرے سامنے لاکر رکھیں جب میں کھا چکا تو شکر خدا ادا کیا کہا بے شک رسول اللہ سچ فرماتے تھے کہ فاطمہ بہترین عورت ہے۔

چکیاں پیتے پیتے حضرت سیدہؑ کے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ ایک روز حضرت رسول خدا کی خدمت میں اس غرض کے لیے حاضر ہوئیں کہ اپنی خدمت کے لیے ایک کنیز طلب کریں لیکن پاس حیا کے کچھ نہ کہہ سکیں حضرت علی علیہ السلام نے آپ کی طرف سے عرض کیا کہ فاطمہ تنہا سارے گھر کا کام کرتی ہیں غنیمت میں جو کنیزیں آئی

ہیں ان میں سے ایک کنیز ہمیں بھی عنایت فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ایک کنیز فضہ نامی جو جنگِ خیبر کے بعد کنیزی میں آئی تھیں آپ کو عطا کی اور یہ بھی فرمایا گھر کا آدھا کام فضہ کیا کریں اور آدھا کام سیدہؑ۔ چکی پیسیں تنور روشن کریں تو دونوں، روٹی پکائیں تو دونوں۔ سیدہؑ نے باپ کا حکم گرہ میں باندھ لیا اور زندگی بھر اس پر عمل کرتی رہیں۔ ایک روز خود گھر کا سارا کام کرتی تھیں۔

جنگِ اُحد میں جب مسلمانوں کی غفلت سے بنا بنایا کام بگڑ گیا اور مسلمانوں نے بھاگنا شروع کیا تو کچھ لوگوں نے مدینہ آکر شور مچا دیا کہ رسول اللہؐ قتل ہو گئے۔ یہ خبر سنتے ہی جناب سیدہؑ کے صدمہ کی انتہا نہ رہی اس پریشانی میں چند عورتوں کو ساتھ لے کر بے تابانہ میدانِ اعدا کی طرف دوڑیں۔ یہ موقع بڑا ہی خطرناک تھا۔ ہر طرف کفار وحشیانہ حملے کر رہے تھے۔ جا بجا میدان میں لاشے پڑے تھے عورتوں کا تو ذکر ہی کیا وہاں جاتے مردوں کا پتہ پانی ہوتا تھا لیکن باپ کی محبت میں جس طرح بن پڑا گرتی پڑتی حضرت رسولؐ خدا تک پہنچیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کو غار سے اٹھا کر ایک صاف ستھری جگہ پر لا چکے تھے شفیق باپ کو زخمی دیکھ کر جناب سیدہؑ کا جی بھر آیا اور زار زار رونے لگیں جناب امیر علیہ السلام نے بہت تسلی دی اس وقت تک زخموں سے خون جاری تھا۔ حضرت فوراً گئے اور اپنی ڈھال میں تھوڑا سا پانی بھر لائے آپ پانی ڈالتے جاتے تھے اور سیدہؑ زخموں کو دھوتی جاتی تھیں جب کسی طرح خون نہ رکا تو بوریہ یا ریشم کا ٹکڑا جلا کر زخموں پر لگایا تب کہیں جا کر خون بند ہوا لوگ کہتے ہیں حضرت رسولؐ خدا کی کچھ اور بھی صلبی بیٹیاں تھیں مگر تعجب ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا خون نہ اچھلا۔ تیمارداری تو در کنار مزاج پرسی تک کو نہ آئیں اگر اپنے بدن کی بوٹی نہ ہوتیں تو وہ بھی ضرور حضرت کے قتل کی خبر سن کر دوڑ پڑتیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب آیہ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (سورہ بنی اسرائیل ۲۶/۱۷) اپنے ذوالقربیٰ کا حق ادا کر دو) نازل ہوئی تو حضرت نے جبرئیل امین سے پوچھا میرے ذوالقربیٰ کون ہیں۔ عرض کی فاطمہ اور فدک ان کا حق ہے پس آپ نے فاطمہؑ زہرا کو فدک ان کے حوالے کر دیا اور اس کے متعلق آپ کو ایک دستاویز تحریر کر دی اس وقت سے یہ جاگیر فاطمہؑ کی ملکیت قرار پائی لیکن افسوس ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اسلامی حکومت نے اس پر اپنا قبضہ کر لیا اور جناب سیدہؑ کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا۔

کس کی طاقت ہے کہ جناب سیدہؑ کے فضائل بیان کر سکے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں میں عموماً تین نقص پائے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ ناقص العقل ہیں اسی وجہ سے ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں گواہی میں لی جاتی ہیں دوسری نَاقِصُ الْعِبَادَة ہیں یعنی ہر ماہ ان کو ماہواری ایام کی وجہ سے کچھ دن عبادت سے رک جانا

پڑھتا ہے تیسرا ناقِصُ الْحَظِّ ہیں یعنی میراث میں بہ نسبت مرد کے ان کا حصہ کم ہے، لیکن سیدہؑ ان تینوں عیبوں سے بری تھیں وہ ناقص العقل نہ تھیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ مباہلہ کے روز جب حضرت رسولؐ خدا اپنی صداقت کے گواہ لے کر نکلے تھے تو مردوں میں صرف علیؑ تھے۔ عورتوں میں صرف حضرت فاطمہؑ۔ ایک مرد کے مقابل ایک عورت۔ پھر آپ ناقص الحظ بھی نہ تھیں کیونکہ رسولؐ کی پوری میراث آپ کی تھی۔ آپ ناقص العبادہ بھی نہ تھیں کیونکہ حیض نہ آتا تھا یہ کچھ کم فضیلت نہ تھی کہ مباہلہ میں لے جانے کے لیے آپ نے جناب سیدہؑ ہی کو مخصوص کیا۔ حالانکہ گھر میں اور بھی بہت سی عورتیں موجود تھیں۔ آیہ مباہلہ میں نساء نا کے تحت میں داخل ہونے کا شرف صرف جناب سیدہؑ ہی کو حاصل ہے۔ اس کے ساتھ یہ فضیلت بھی کچھ کم نہیں کہ سیدہؑ عالم کی اولاد رسولؐ کی اولاد اور آیہ مباہلہ میں ابناء نا کے تحت میں حضرت حسنین علیہما السلام رسولؐ کی رسالت کے گواہ بن کر نکلے۔

ام المومنین جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے اپنی چادر میں علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا اور حسنین کو داخل کرکے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰؤُلَاۗءِ اَھْلُ بَیْتِی ۔ خداوندا میرے اہل بیت یہ ہیں تو ان سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھ۔ پس حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت آیت تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورہ احزاب ۳۳) نازل ہوئی۔ جب فرشتگان ملاء اعلیٰ نے رحمت الٰہی کا نزول دیکھا تو بارگاہ ایزدی میں عرض کی۔ خداوندا یہ لوگ کون ہیں جن پر آج تیری رحمت طبق بر طبق نازل ہو رہی ہے۔ خلاق عالم نے فرمایا ھُمْ فَاطِمَۃُ وَاَبُوْھَا وَبَعْلُھَا وَبَنُوْھَا ۔ (یہ فاطمہ ہیں اور ان کا باپ اور ان کا شوہر اور ان کے لڑکے) اللہ اکبر جناب فاطمہ کی فضیلت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی رسالت کا تعارف ان کی ذات سے کرایا ہے۔ مقصود باری تعالیٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا درجہ مرد سے کم ہوتا ہے لیکن مجمع کی عورت بھی ایسی ہے جس کے ذریعے سے رسالت و امامت کا تعارف کرایا جا سکتا ہے تو بھلا اس کے مردوں کے فضل و شرف کو کون سمجھ سکتا ہے اس میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بنوہا فرمایا گیا ہے جو جمع ہے اگر ابناہا فرمایا جاتا تو صرف حسنین علیہما السلام ہی مراد ہوتے لیکن لفظ بنو فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس طہارت میں صرف حسنینؑ ہی اولاد فاطمہ سے شامل نہیں بلکہ کچھ اور بھی معصوم ہیں جن کی تعداد گیارہ ہے۔

حضرت رسولؐ خدا کو جناب سیدہؑ سب سے زیادہ محبوب تھیں فرمایا کرتے تھے فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا حضرت کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ ہر روز جناب سیدہؑ کے یہاں احوال پرسی کو تشریف لاتے تھے جب سفر کے لیے تیار ہوتے تو سب سے آخر میں سیدہؑ سے رخصت ہونے کو جاتے

اور جب سفر سے آتے تو سب سے پہلے سیدہؑ سے ملنے جاتے۔ آپ سیدہؑ کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوا کرتے تھے ایک روز ایک بی بی نے کہا۔ یا رسول اللہؐ فاطمہؑ آپ کی بیٹی ہیں آپ ان کی تعظیم کیوں کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں سید العالمین ہوں اور یہ سیدۃ النساء العالمین ہیں ایک سردار کو دوسرے سردار کی تعظیم بجالانی چاہیے جس نے میری اس پارہ جگر کے فضل و شرف کو نہ پہچانا اس نے مجھ پر ظلم کیا سیدہ حورانسیہ ہے سیدہؑ گیارہ اماموں کی ماں ہیں سیدہ قیم النسار والجنۃ کی زوجہ ہے۔ سیدہ مقبول بارگاہ ایزدی ہے جناب سیدہؑ کو بھی اپنے پدر بزرگوار سے بے حد انس تھا جب تک ہر روز اپنے پدر بزرگوار کو دیکھ نہ لیتیں چین نہ آتا۔

جناب سیدہ بڑی عبادت گزار تھیں شب و روز کا بیشتر حصہ آپ کا عبادت الہٰی میں گزرتا تھا۔ جناب سلمان فارسی سے منقول ہے کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ حسنین علیہما السلام سو رہے ہیں اور سیدہؑ عالم ایک ہاتھ سے ان کو پنکھا جھل رہی ہیں اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح ہے اور ذکر الہٰی کر رہی ہیں کہ ایک دن یہ دیکھا کہ روٹی پکاتی جاتی ہیں اور سورت ہائے قرآن کی تلاوت بھی فرما رہی ہیں ایک دن جاکر دیکھا کہ چکی پیس رہی ہیں اور کلام پاک بھی پڑھتی جاتی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سیدہ عالم بہت زیادہ ذکر الہٰی کرتی تھیں۔ لیکن اس سے گھر کے کام کاج میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں میری والدہ گرامی اکثر اوقات بارگاہ ایزدی میں سر بسجدہ رہتی تھیں اور بہت زیادہ مناجات کرتی تھیں۔ لیکن آپ کی بہت زیادہ دعاؤں کا تعلق مومنین و مومنات سے ہوتا تھا۔ عبادت کے وقت آپ کا چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا اور اور جسم اطہر تھر تھر کانپنے لگتا تھا آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ مصلیٰ تر ہو جاتا تھا۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹھے پڑ گئے تھے اور سجدہ کرتے کرتے پیشانی پر نشان پڑ گیا تھا۔

چونکہ مسجد نبوی کے قریب ہی آپ کا بیت الشرف تھا اس لیے حضرت کے تمام مواعظ اپنے گھر میں بیٹھ کر بڑی توجہ سے سنا کرتی تھیں۔ جب حضرت عذاب الہٰی کا ذکر فرماتے تھے تو اس درجہ خوف طاری ہوتا تھا کہ غش پر غش آنے لگتے تھے۔ خود بھی قرآن پڑھتے وقت جب کسی آیت عذاب کی تلاوت فرماتی تھیں تو سارا بدن تھر تھر کانپنے لگتا تھا اور روتے روتے عجب حال ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ عذاب دوزخ کے متعلق چند آیتیں نازل ہوئیں حضرت رسولؐ خدا اتنا روئے کہ آپ کی بیقراری گریہ و زاری دیکھ کر تمام حاضرین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جب حضورؐ کا رونا کسی طرح نہ رکا اور آپ کی گریہ کا اصل سبب معلوم نہ ہو سکا تو سب نے مل کر جناب سیدہؑ کو بلانے کی تجویز ٹھہرائی کیونکہ یہ معمول تھا کہ جناب رسولؐ خدا چاہے کتنا ہی ملول ہوتے سیدہؑ عالم کو دیکھتے ہی خوش ہو جاتے اس بنا پر صحابہ دروازہ سیدہؑ پر حاضر ہوئے۔ جناب سلمان اندر تشریف لائے دیکھا کہ سیدہ چکی پیس رہی ہیں اور اسی صورت میں آیات قرآنی تلاوت

بھی کرتی جاتی ہیں۔ جناب سلمان پاس بیٹھ گئے اور تمام ماجرا سنایا۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کا یہ حال سن کر بے قرار ہو گئیں اور فوراً اٹھیں اور ایک کمبل جس میں پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے اوڑھ لیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ ان کی صورت دیکھتے ہی خاموش ہو گئے اور پارہ جگر کو چھاتی سے لگایا اور پھر آنے کا سبب پوچھا۔ جناب سیدہؑ نے سارا واقعہ بیان کیا اور آپ کی شدتِ گریہ کا سبب پوچھا حضرت نے وہ آیتیں پڑھ کر سنائیں جو عذاب دوزخ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ان کا سننا تھا کہ جناب سیدہؑ بے قرار ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ بار بار ان کی تلاوت فرماتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں یہاں تک کہ خدا نے آیۂ رحمت نازل فرمائی تب باپ اور بیٹی کو سکون ہوا۔

سرکار الٰہی میں جناب سیدہؑ کا یہ وقار تھا کہ ایک روز کفار قریش کی کچھ عورتیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں اے محمدؐ اگرچہ ہم بہ لحاظ دین کے آپ سے علیحدہ ہو گئے ہیں لیکن بہ لحاظ نسب تو علیحدہ نہیں ہوئے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری شادی میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کو آپ شرکت کی اجازت دیں حضرت نے ان کی درخواست منظور کر لی اور جناب سیدہؑ سے یہ حال بیان فرمایا۔ عرض کی بابا جان مجھے تعمیل حکم میں تو عذر نہیں لیکن میرے پاس کوئی لباس ایسا نہیں ہے جسے پہن کر شادی میں جا سکوں۔ وہ سب تو پُر تکلف لباس پہنے ہوں گی اور میرا لباس بوسیدہ اور کہنہ ہوگا وہ ضرور انگشت نمائی کریں گی۔ حضرت نے فرمایا بیٹی! تم اس کا غم نہ کرو حکم خدا یہی ہے کہ تم وہاں جاؤ خدا تمہارے وقار کو قائم رکھے گا۔ چنانچہ آپ وہی بوسیدہ لباس پہنے ہوئے بغیر کسی خادمہ کے تشریف لے گئیں۔ ان کا ارادہ پہلے ہی یہ تھا کہ آج محمدؐ کی بیٹی کے آنے پر محمدؐ کی تنگ دستی اور بے سروسامانی کا ٹھٹھہ اڑائیں گے لیکن جونہی جناب سیدہؑ طاہرہ وہاں پہنچیں سارا گھر نور سے جگمگا اٹھا اور ان کو یہ نظر آیا کہ نہایت پُر تکلف لباس زیب تن ہے اور کچھ کنیزیں اردگرد حلقہ کیے ہوئے ہیں یہ حال دیکھتے ہی ان کے ہوش اُڑ گئے اور تعجب سے پوچھنے لگیں یہ کس جلیل القدر بادشاہ کی بیٹی ہے جس کا چہرہ نور آفتاب کو شرما رہا ہے اور جس کا لباس اتنا قیمتی ہے کہ آج تک ایسا نہیں دیکھا جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ فاطمہؑ بنت محمدؐ ہیں تو آتشِ حسد سے جل گئیں اور نادم ہو کر گردنیں جھکا لیں۔ چند عورتوں نے پاس آ کر کہا اے بنتِ محمدؐ جس کھانے کی خواہش ہو بیان کیجئے تاکہ حاضر کیا جاوے۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے ہدایت فرمائی ہے کہ دو روز بھوکے رہیں اور دو روز سیر بس ہماری صفت بھوکا رہنا ہے اگر تم کو میری خاطر ہی منظور ہے تو کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لو تاکہ بیشک خدا تمہاری عزت ہو۔ جناب سیدہؑ کے کلام کا یہ اثر ہوا کہ اکثر عورتیں مسلمان ہو گئیں (روضۃ الشہداء۔ شواہد النبوۃ۔ عمدۃ الطالب صفحہ ۱۹۷)

ایک بار مسجد رسولؐ میں ایک سائل آیا اور کہنے لگا کون ایسا پیارا ہے جو مجھ پیادے کو اللہ کی خوشنودی کے لیے اونٹ دے۔ برہنہ تن ہوں لباس عطا کرے بھوکا ہوں کھانا کھلائے برہنہ سر ہوں سر چھپانے کو کپڑا دے۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام اٹھے اور اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ دیا سعد بن عبادہ نے اپنی اونٹنی دے دی۔ اب زادِ راہ کا سوال تھا اب سلمانؓ اٹھے اور اس سائل کو ساتھ لیے ہوئے متعدد دروازوں پر پہنچے تاکہ اس کے لیے زادِ راہ فراہم کردیں جب کسی سے کچھ نہ ملا تو مایوس ہو کر سیدہ کے یہاں آئے اور واقعہ بیان فرمایا۔ فرمایا اے سلمان بخدا میرے گھر میں فاقہ ہے دونوں بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں لیکن دروازے پر آئے سائل کو رد بھی نہیں کرسکتی لو میری یہ ایک چادر ہے اس کو لے کر شمعون یہودی کے پاس جاؤ اور گروی رکھ دو سلمان وہ چادر لیے شمعون کے پاس پہنچے اور سارا حال بیان کیا۔ وہ دیر تک اس بوسیدہ اور پیوندار چادر کو دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً اس پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور کہنے لگا۔ اے سلمان آج مکہ ہو، یہی وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰ نے توریت میں دی ہے۔ میں فاطمہؑ کے باپ پر ایمان لاتا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں اس کے بعد اس نے تھوڑا سا اناج سلمان کو دیدیا اور چادر بھی واپس کردی، وہ اس اناج کو لیے ہوئے جناب سیدہؑ کے پاس آئے آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو پیسا اور روٹی پکا کر سلمان کو دے دی۔ سلمان نے کہا اس میں سے تھوڑی سی بچوں کے لیے بھی لے لیجئے۔ فرمایا اے سلمان جو چیز راہِ خدا میں دے چکی اس میں سے اب بچوں کے لیے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بتائی حضرتؐ نے وہ روٹی اس شخص کو دے دی اور خود جناب سیدہؑ کے پاس تشریف لائے اور تمام کیفیت بتائی اور حسنینؑ کا پھر اس کو دیکھ کر پوچھا معلوم ہوا دونوں نے کبھی کا آٹا کے منہ میں نہیں گئی۔ آپ نے درگاہِ الٰہی میں عرض کی خداوندا یہ فاطمہؑ تیری لونڈی ہے اس سے تو راضی رہنا۔

سخاوت کا مادّہ قدرت نے جناب سیدہ میں بچپن ہی سے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ ابھی آپ کی دس سال کی عمر تھی کہ ملک شام کی ایک بڑی دولت مند خاتون فاطمہ شامیہ نامی جو نہایت دیندار اور عبادت گزار تھی اور آسمانی کتابوں کی عالمہ بھی تھی جناب سیدہ کی خداداد عقل و فراست کی تعریف سن کر ملنے آئی اور بہت سے تحفے از قسم زیور و جواہرات میوے اور کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں اپنے ساتھ لائی جناب سیدہ نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ جب وہ تحفے اس نے آپ کے سامنے پیش کیے تو جناب فاطمہؑ نے اس کی اجازت لے کر وہ سب خدمت اسلام کے لیے اپنے پدر بزرگوار کو دیدیئے اور کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں ان مسلمانوں کو بھجوا دیں جو غریب و نادار تھے فاطمہ شامیہ جناب سیدہؑ کا یہ ایثار دیکھ کر حیران ہو گئیں اور اپنے سینے سے لگا لیا اور جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جناب کی تعریف کرتی رہیں۔

مومنین یہ جناب سیدہؑ عالم کی ولادت کا مبارک و مسعود دن ہے ہم آج جس قدر مسرت کریں کم ہے بالخصوص ہماری عورتیں کیونکہ جناب سیدہؑ کی وجہ سے طبقۂ نسواں کی عزت بہت بڑھ گئی ہے زنانِ عالم جتنا فخر کریں کم ہے کہ ان کے درمیان سیدہؑ عالم جیسی مقدس خاتون پائی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب سیدہؑ ہر قول و ہر عمل زنانِ عالم کے لیے خصوصیت سے قابل تقلید ہے۔ آج ہمارا ایمانی فریضہ ہے کہ نعرہ ہائے درود و سلام سے محفل کو گرمادیں آج ہمارے رسولؐ خوش و خرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی بیٹی عطا فرمائی جو سیدۃ النساء عالمین کے لقب سے ملقب ہیں۔ آج جناب سیدالکبریٰ خدیجہ کبریٰ خوشی سے پھولی نہیں سماتی کہ ان کی گود میں وہ بچی ہے جن کو زنان عالم پر شرف حاصل ہے جو گیارہ اماموں کی ماں ہیں جو رسول رب العالمین کی پارۂ جگر ہیں۔ شہر مکہ کا ذرہ ذرہ فرطِ مسرت سے چمک رہا ہے۔ عفت مارے خوشی کے پھولی نہیں سماتی عصمت اپنی پاک چادر کو ہاتھوں میں لیے ہوئے ہے کہ سیدہ عالم کے سر پر سایہ کرے طہارت نورانی آفتاب لے کر حاضر خدمت ہے سیدہؑ کو غسل دینے کا فخر حاصل کرے حوران جنت نور کے طبقوں میں میوہ ہائے جنت لے کر آئی ہیں کہ سیدہؑ عالم پر نچھاور کریں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مجلس ۶ ششم

درحال وفات جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا

جنابِ سیدہؑ کی تاریخ وفات ۳ جمادی الثانی ۱۱ھ

فرمایا حضرت رسولؐ خدا نے

مَثَلُ اَھْلُ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ وَھَوٰی

(میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہوگیا۔)

اس حدیث میں حضورؐ سرورِ انبیاءؑ نے اپنے اہل بیت کی مثال کشتی نوح سے دی ہے یعنی جس طرح طوفان نوح میں قوم کو سوائے کشتی نوح کے کوئی چیز وسیلہ نجات نہ ہوسکتی تھی اسی طرح طوفان ضلالت میں اُمت رسولؐ کے لیے کوئی شے سوائے تمسک اہل بیت ذریعہ نجات نہیں ہوسکتی۔ حضورؐ نے اسی روحانی کشتی کے کھیوا اور ناخدا ایسے قرار دیئے ہیں جو تمام اصناف مردم کے لیے نجات کا باعث ہوسکتے ہیں مردوں کے لیے حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام، عورتوں کے لیے فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا اور بچوں کے لیے حسنؑ و حسینؑ۔

ہم کو اس مجلس میں خصوصیت سے جناب سیدہ کا ذکر کرنا ہے جس طرح ہمارے آئمہؑ گنہگاروں کی روز قیامت شفاعت فرمائیں گے اسی طرح جناب سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا بھی پیشِ خدا اپنے دوستوں

کے لیے شفاعت خواہ ہوں گی۔

جناب سیدہؑ کے فضائل حد شمار سے باہر ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں کسی نبی کی بیٹی کو وہ شرف حاصل نہیں ہوا جو ہمارے رسول کی پارہ جگر نور نظر جناب فاطمہ زہرا کو حاصل ہوا۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیتیں ان کے فضل و شرف پر گواہ ہیں آیت تطہیر ان کی عصمت و عفت اور طہارت نفسی کی شاہد ہے۔ آیۂ مودت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورہ شوریٰ ۴۲/۲۳) اس پر شاہد ہیں کہ خدا نے آپ کی مودت کو تمام مسلمانوں پر واجب کیا ہے۔ آیۂ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (سورہ الانسان ۷۶/۷) اس پر گواہ ہے کہ سیدہؑ نے اپنے فقر و فاقہ میں مدینہ کے مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلایا اور خود بھوکی رہیں تو پیش خدا ان کی یہ سعی مشکور ہو گئی آیت مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (سورہ الرحمٰن ۵۵/۱۹) سے معلوم ہوا کہ سیدہ کی در نورانی دریاؤں میں ایک دریا ہیں جس سے موتی اور مونگے (حسنؑ و حسینؑ) پیدا ہوتے ہیں۔ آیۂ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (سورہ الفرقان ۲۵/۵۴) سے ثابت ہوا کہ سیدہؑ وہ مقدس خاتون ہیں جن کا رشتہ جناب علیؑ سے خداوند عالم نے خود قرار دیا۔ آیۂ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (سورہ النور ۲۴/۳۶) سے ظاہر ہے کہ سیدہؑ کا گھر وہ گھر ہے جس میں کثرت سے ذکر الٰہی ہوتا ہے اور جس کا مرتبہ پیش خدا بلند ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ جناب سیدہؑ کی کتنی وقعت خدا اور اس کے رسول کی نظر میں بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ آپ کی بیٹی تھیں اور اس لحاظ سے بھی نہیں کہ خیبر شکن شیر خدا علیؑ کی زوجہ تھیں ہاں اس لحاظ سے کہ وہ خدا کی ایک برگزیدہ بندی تھیں اور دین اسلام کی تبلیغ و ہدایت میں ان کا خاص حصہ تھا حضرت کا یہ معمول تھا کہ جب حضرت سیدہؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنے پہلو میں جگہ دیتے سر اور آنکھوں کو بوسہ دے کر پوری پوری توجہ سے بات چیت کرتے جب غزوہ سے تشریف لاتے تو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر سب سے پہلے سیدہؑ کے دروازے پر آتے اور السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فرما کر اندر تشریف لے جاتے اور سیدہؑ کو سینے سے لگا کر دعائیں دیتے حسنین علیہ السلام کا منہ چومتے اور گودی میں بٹھا لیتے اور آیت مودت نازل ہونے کے بعد سے آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ نماز صبح کے بعد جناب سیدہؑ کے یہاں ہر روز تشریف لاتے اور بچوں کی خیریت معلوم کرنے کے بعد ازواج کی طرف جاتے۔ صحیح ترمذی میں عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ فاطمہؑ سے زیادہ حضرت رسولؐ خدا سے چال میں، انداز میں، سیرت میں، نشست و برخاست میں مشابہ ہو۔ جس وقت فاطمہ زہراؑ آپ کے پاس آتی تھیں آپ ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

یہ تو رسولؐ کی محبت کا حال تھا اب جناب سیدہؑ کا بھی حال سن لیجیے۔ انہوں نے اپنی زندگی بھر کوئی ایک

بات بھی ایسی نہیں کی جو حضرت رسولؐ خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ ایک بار قحط کے زمانے میں حضرتؐ کو کئی وقت فاقے سے گزر گئے۔ جناب سیدہؑ کو کئی وقت کے بعد تھوڑی غذا میسر ہوئی تو آپ روٹیاں پکا کر حضورؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپ نے دیکھا کہ بیٹی کا بھی فاقہ سے غیر حال ہو رہا ہے فرمایا بیٹی! تم نے اور بچوں نے یہ غذا کیوں نہ کھائی۔ عرض کی باباجان پہلے آپ کھالیں۔ حضرت بیٹی کی یہ محبت دیکھ کر آبدیدہ ہوئے فرمایا اچھا اسے برتن میں رکھ کر اور کپڑے سے ڈھک کر میرے پاس لاؤ۔ جناب سیدہؑ نے ایسا ہی کیا اب جو حضرت نے اس ظرف پر سے کپڑا ہٹایا تو وہ گوشت روٹی سے پُر تھا۔ فرمایا لو بیٹی یہ رزق اللہ کی طرف سے ہے خود بھی کھاؤ اور بچوں کو بھی کھلاؤ۔ غرضیکہ سب نے وہ کھانا کھایا مگر وہ ختم نہ ہوا اس کے بعد اہل محلہ کے پاس بطور تحفہ بھیج دیا گیا۔

جناب سیدہؑ جب امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ بیاہی ہوئی آئیں اور جب تک زندہ رہیں کوئی ایک کام حضرت علی علیہ السلام کی مرضی کے خلاف نہ کیا اور نہ حضرت نے آن واحد کے لیے ان کی دل آزاری گوارا کی۔ حضرت سیدہؑ کی وفات کے بعد کسی نے جناب امیرؑ سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ ان معصومہ کے تعلقات کیسے تھے۔ آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ایک آہ سرد کھینچ کر کہا سیدہؑ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں جس کے مرجھانے پر بھی اس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں ایسی سخاوت کی کہ دنیا کی عورتوں میں اس کی نظیر ڈھونڈے نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک سائل آپ کے دروازے پر آیا اور اپنے فقر و فاقہ کو بیان کر کے کچھ روزی طلب کی لیکن اس روز سیدہؑ کے گھر خود فاقہ تھا۔ سخت پریشان تھیں کہ سائل کی حاجت روائی کیوں کر کریں۔ سوائے اس بکری کی کھال کے جس پر حسنینؑ رات کو سویا کرتے تھے اور کوئی چیز نظر میں نہ آئی۔ فضہ سے فرمایا یہی سائل کو دیدے اس نے کہا اے بنت رسولؐ میں بھوکا ہوں اور آپ مجھے کھال دے رہی ہیں میں اس کو لے کر کیا کروں۔ آپ نے اپنے گلے کا گلوبند جو حضرت حمزہ کی بیٹی نے بطور تحفہ دیا تھا اس سائل کو عطا فرما دیا اور کہا اسے بیچ کر اپنی ضرورتوں کو پورا کر لے۔ وہ سائل اسے لیے خدمت رسولؐ میں آیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت نے آبدیدہ ہو کر فرمایا اے شخص شوق سے اسے بیچ لے۔ یہ سن کر عمار یاسرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا اے شخص میں اس کا خریدار ہوں بول کیا مانگتا ہے اس نے کہا صرف اتنا گوشت اور روٹی کہ کھا کر سیر ہو جاؤں اور ایک ایسی چادر کہ اپنا بدن چھپا لوں اور اسے بیچ کر اپنے معبود کی عبادت کروں اور ایک دینار کہ اسے راہ میں خرچ کر کے بال بچوں تک پہنچ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے اتفاقاً اسی روز اپنا وہ حصہ بیچا تھا جو خیبر کی غنیمت سے ان کو ملا تھا اسی وقت اس سائل کا مطالبہ پورا کر دیا اور فرمایا تجھے بیس دینار اور ایک اونٹ بطور ہدیہ دیتا ہوں۔ وہ شخص بہت خوش

ہوا اور درگاہِ الہٰی میں دعا کرنے لگا بارالہٰا نبی زادی کو میری اس مشکل کشائی کا اجر عطا فرما کہ ان کی بدولت میری تمام مشکلات آسان ہوگئیں۔ حضرت عمار نے اس گلوبند کو معطر کر کے ایک یمنی چادر میں لپیٹا اور ایک غلام سے کہا اس کو سیدہؑ کی خدمت میں لے جا میں نے تجھے بھی آج انہیں کی نذر کر دیا۔ جب غلام در دولت جناب سیدہؑ پر آیا اور عمار کا پیغام پہنچایا تو آپ نے گلوبند تو لے لیا اور غلام سے کہا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا میں اس گلوبند کی برکت کو دیکھ رہا ہوں اس نے ایک بھوکے کو کھانا کھلایا۔ برہنہ کو کپڑا پہنایا۔ فقیر کو غنی کیا، اور ایک غلام کو آزاد کرایا اور پھر اپنے مالک کے پاس واپس آگیا۔

جناب سیدہؑ کی عام رعایت اور دینی احتیاط کا یہ حال تھا کہ آپ کے ہمسایہ میں ایک مرد یہودی کا مکان تھا اس کی ایک لڑکی جناب سیدہؑ سے بہت مانوس ہوگئی تھی۔ روزانہ پہروں آپ کی خدمت میں بیٹھی رہتی اور آپ کا کلام بڑی توجہ سے سنا کرتی تھی۔ ایک روز آپ کی خدمت میں آئی تو ڈھکی ہوئی چیز لائی اور جناب سیدہؑ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اسے کھولا تو ایک ظرف میں تازہ حلوہ نظر پڑا۔ سوچا کہ یہ غیر مسلم کا مال ہے۔ اس کی پکائی ہوئی چیز کا چھونا اور کھانا ناجائز، مگر یہ لڑکی محبت سے لائی ہے۔ ہماری احتیاط اور شرعی مجبوری سے بالکل ناواقف ہے، اگر اسے واپس دیتی ہوں تو اس کی دل شکنی ہوگی اور خلق و مروت کے خلاف بھی ہوگا آخر آپ نے اس سے فرمایا اچھا تم لائیں میں نے لے لیا اب تم فلاں مقام پر رکھ آؤ۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ چلی گئی تو آپ نے سارا واقعہ فضہ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا الصفۃ الرسولؐ پہ فقرائے صفہ کو جو مسجد رسولؐ کے چبوترے پر بیٹھے ہیں۔ بھجوا دیجئے فرمایا فضہ کیا کہتی ہو ایسی چیز راہِ خدا میں دے دوں جسے میں خود اپنے لیے لینا اور رکھنا قبول نہیں کرتی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم اس حلوے کو یہودیوں کے بازار میں لے جا کر کسی یہودی راہب کو دے آؤ کہ وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

جناب سیدہؑ کی شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتی تھیں بغیر کسی شدید ضرورت کے ایک عورت کو بھی دوسری عورت کو برہنہ نہ دیکھنا چاہیے۔ نہ دو عورتوں کو برہنہ بدن ایک چادر میں لیٹنا چاہیے۔ اگر کوئی عورت کسی عورت کو برہنہ دیکھ لے تو اپنے شوہر کے سامنے اس کے اعضا اور اس کے بدن کی تعریف نہ کرنی چاہیے اس حیا کا تقاضا تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے اور رات کے وقت بھی اس پر پردہ ڈالا جائے تاکہ کسی نامحرم کی اس پر نظر نہ پڑے۔ ایک مرتبہ حضرت رسولؐ خدا نے جناب امیر علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ عورت کی بہترین صفت کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام خاموش رہے جب جناب سیدہؑ کے پاس آئے تو اس سوال کا ذکر کیا آپ نے فرمایا۔ سب سے اچھی صفت عورت کی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے۔ جب حضرت رسولؐ خدا نے جناب سیدہ کا یہ جواب سنا تو فرمایا فاطمہؑ دنیا

کی سب عورتوں کی سردار ہے۔

عبداللہ بن مکتوم حضرت رسولؐ خدا کے اندھے صحابی کسی ضرورت سے حضرت رسولؐ خدا کو تلاش کرتے کرتے جناب سیدہؑ کے گھر میں چلے آئے تو جناب سیدہؑ ان کو دیکھ کر چھپ گئیں کسی نے کہا ابن مکتوم تو نابینا ہیں تم ان سے کیوں چھپیں فرمایا وہ اندھے تھے میں تو اندھی نہ تھی کہ نامحرم کو دیکھتی رہتی۔

آپ کے خلق عظیم کی ایک بے نظیر مثال یہ ہے کہ شمعون یہودی جو حضرت فاطمہؑ کی ردا کی برکت سے مسلمان ہو گیا تھا اور اس وجہ سے تمام یہودیوں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے تھے اسی مصیبت کے زمانہ میں اس کی بی بی نے قضا کی۔ رات کا وقت تھا اور تاریکی بہت زیادہ تھی ہوا کے تیز جھونکوں کی وجہ سے سردی حد سے زیادہ ہو گئی تھی، شمعون بیچارہ محلہ میں گھر گھر ہو آیا مگر کوئی اس کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کو باہر نہ نکلا۔ جب جناب سیدہؑ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ اس تاریکی میں اور سرد ہوا اور رات کے سناٹے میں شمعون کے گھر تشریف لے گئیں۔ اس کی بی بی کی میت اس وقت بے سر و سامانی کی حالت میں پڑی تھی۔ آپ نے خود اس میت کو غسل دیا اپنے ہی دست مبارک سے کفن پہنایا اور تمام کام اپنے ہاتھوں سے انجام دے کر جنازہ تیار کر دیا۔

جناب فاطمہؑ کے لیے اس دنیا میں سب سے بڑا صدمہ آنحضرتؐ صلعم کی وفات کا تھا۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اور بخار شدید ہو گیا تو جناب سیدہؑ خبر پاتے ہی حاضر خدمت ہوئیں اور آپ کی دلجوئی اور راحت رسانی کی خدمت انجام دینے لگیں جب تک مرض میں کوئی خاص شدت پیدا نہ ہوئی۔ آپ کا یہ معمول رہا کہ ہر روز آنحضرتؐ کی ضروری خدمات سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کے لیے گھر تشریف لے جاتیں اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے کر آ جاتیں۔ مگر جب مرض میں شدت ہوئی اور حالت دگرگوں ہونے لگی تو آپ نے گھر جانا ہی چھوڑ دیا۔ اس وقت سے لے کر دم آخریں تک حضرت کی خدمت ہی میں حاضر رہیں۔ ان سے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ کر اپنی کسی ضرورت کو ان کی خدمت پر ترجیح دیتیں۔ اس وقت جو سیدہؑ کے دل پر گزر رہی تھی اس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ ان کا غمگین دل یہ محسوس کر رہا تھا کہ آپ ایسے شفیق باپ کا سایہ ہمیشہ کے لیے میرے سر سے اٹھ گیا ہے جو میرے تمام شرف و مفاخرت عزت و عظمت آرام و آسائش کا باعث ہے ایسے قیامت خیز وقت میں اپنا اور بال بچوں کا خیال جناب سیدہ کے دل میں کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔ آپ کو اس وقت سوائے اپنے پدر بزرگوار کے اور کسی کا خیال ہی نہ تھا۔ حسرت بھری نظروں سے ہر وقت چہرۂ مبارک کو تکتی رہتی تھیں اگر آثار اچھے پائے جاتے تو بے کل دل کو تھوڑی سی تسکین ہو جاتی ورنہ اضطراب و انتشار اور زیادہ ہو جاتا۔ غرض اس امید و بیم کی حالت میں حضورؐ نبی اکرم کی مرض کا تمام زمانہ کٹا۔ جب شدت

شدت مرض میں کچھ افاقہ ہوتا تھا تو حضرت بیٹی کی طرف حسرت سے دیکھ کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اپنی پارہ دل کو اپنی چھاتی سے لگا لیتے تھے اور تسکین و دل جوئی کی باتیں کرتے تھے۔ پیارے نواسے بھی بیماری کی ایسی شدید حالت میں رات دن گلے کا تعویذ بنے ہوئے تھے اگر جناب سیدہؑ بے چینی کے خیال سے بچوں کو دور رکھنا چاہتی تھیں تو حضورؐ کو یہ بے رخی ناگوار ہوتی تھی اور فوراً پاس بُلا کر سینے سے لگا لیتے تھے۔

حضرت کو یہ یقین ہو گیا کہ اب زندگانی دُنیا میں چند سانس باقی ہیں تو آپ نے عزیزوں کو پاس بُلا کر ان سے رخصت ہونا شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں جناب فاطمہ زہراؑ کو بلا کر اپنے سینے سے لگایا اور دیر تک آنکھیں بند کیے رہے۔ بعض لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ روح حضرت کے جسم سے مفارقت کر گئی ہے حضرت فاطمہؑ نے سر اُٹھا کر کہا بابا! لیکن حضرتؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کہا بابا! میری جان آپ پر فدا آنکھ تو کھولیے کچھ بات تو کیجیے۔ حضرت نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا بیٹی روؤمت۔ تمہارے رونے سے آسمان پر ملائکہ غمگین ہیں۔ یہ فرما کر آپؐ نے سیدہؑ کے چہرے سے آنسو پونچھے اور فرمایا خداوندا میری جُدائی میں سیدہؑ کو صبر عطا کر پھر فرمایا پیاری بیٹی جب فرشتے میری روح قبض کر لیں تو کہنا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ جناب سیدہ نے عرض کی بابا آپ کا عوض دُنیا میں میرے لیے کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ کہہ کر حضرت نے آنکھیں بند کر لیں۔ جناب سیدہؑ نے پوچھا بابا کیا آج پھر تکلیف زیادہ ہے۔ فرمایا بیٹی! آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی وفات نے جناب سیدہؑ کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ کو سوائے رونے کے کوئی کام ہی نہ تھا۔ کم بیٹیاں اپنے باپ کو اتنا روئی ہوں گی جتنا جناب سیدہ اپنے باپ کو روئیں۔ حضرت کی وفات کے بعد آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں نے آپ کو وہ دُکھ پہنچائے کہ ان کے ذکر کی تاب نہیں خود سیدہؑ فرماتی تھیں۔

صُبَّتْ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

ایسے مصائب میرے اُوپر پڑے کہ اگر دنوں پہ پڑتے تو راتیں بن جاتے۔

حضرت کی وفات کے بعد کُل پچھتر روز تو زندہ سی رہیں لیکن اس مدت قلیل میں ایک دن بھی چین نہ پایا ایک غم ہو تو کہا جائے ایک صدمہ ہو تو سہا جائے یہاں تو مصائب و آلام کا وہ تانتا بندھا تھا کہ ٹوٹنے میں ہی نہ آیا۔ حق تلف کیا گیا تو ان کا، ملکیت ضبط ہوئی تو ان کی۔ گواہی جھٹلائی گئی تو ان کی۔ توقع یہ تھی کہ حضورؐ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد لوگ ہمدردی کریں گے رسولؐ کی یاد رکھیں گے دل سے نہ سہی تو ظاہرداری ہی سہی لیکن افسوس ان سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔ عام لوگوں کی اولاد کے ساتھ بھی وہ برتاؤ نہیں کیا جاتا جو خود دختر رسولؐ کے ساتھ کیا گیا۔ حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی دنیا پرستوں کی نگاہیں پھر گئیں دل پلٹ گئے حالتیں بدل گئیں گویا

فاطمہ وہ فاطمہ ہیں جن کی قدر و منزلت کرتے ہزار ہا بار آنحضرتؐ کو دیکھ چکے تھے۔

غرض یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کی وفات کے بعد جناب سیدہؑ کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ زندہ رہنے کو تو تین ماہ کے قریب زندہ رہیں لیکن زندہ درگور اور حسرت و یاس کی تصویر بن کر ہر وقت شفیق باپ کی صورت ان کی نگاہوں میں تھی۔ جب کوئی حضرت کا نام لیتا تو ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ادھر حضرت بلال نے مسجد میں آذان دینی شروع کی ادھر سیدہؑ پر رقت طاری ہوئی اور ایک آہ کا نعرہ مارتیں اور بیہوش ہو جاتیں لوگ بلال سے کہتے جلد اذان تمام کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دختر رسولؐ رحلت کر جائیں۔

آپ کا معمول تھا کہ جب حضرت کی یاد دل کو زیادہ بے چین کرتی تو قبر مبارک پر چلی جاتیں اور یہ شعر پڑھ کر خاک کو آنسوؤں سے بھگوتی رہتیں۔

جس نے محمدؐ کی قبر کی خاک کو سونگھ لیا وہ پھر دنیا کی کسی خوشبو کو سونگھنے کا مشتاق نہ ہوگا۔ میرے اوپر مصیبتیں اس طرح منڈلا رہی ہیں کہ اگر ان کا سایہ آفتاب پر پڑ جاتا تو تمام دنیا میں تاریکی پھیل جاتی۔

جس قدر زمانہ گزرتا جاتا تھا سیدہؑ کا ضعف بڑھتا جاتا تھا اور چہرے پر مُردنی چھائی جاتی تھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام ہر چند ٹوٹے دل کو تسلّی دیتے تھے لیکن تڑپ میں کمی کہاں اور اضطراب میں سکون کیسا۔ جس صدمہ کا تصور بندھ جاتا ہے گھنٹوں رُلانے کو کافی ہوتا باپ کی موت کا صدمہ ہی ہلاک ہونے کو کیا کم تھا۔ جو اور صدہا مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب سیدہ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو ایک روز حسنینؑ کو ساتھ لے کر روضۂ رسولؐ پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی اور قبر انور کو سینے سے لگائے روتی رہیں اور کہتی رہیں، بابا اب سیدہ کو دنیا میں رہنا سخت ناگوار ہے آپ کی جدائی کے صدمہ نے مجھے ہلاک کر دیا ہے۔

وہاں سے واپس آئیں تو آپ نے حسنین علیہ السّلام کو نہلایا لباس تبدیل کرائے۔ زلفوں میں شانہ کیا۔ پھر آٹا خمیر کرکے روٹیاں تیار کیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام جو گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ بیک وقت بہت سے کاموں میں مشغول ہیں۔ فرمانے لگے اے بضعہ رسولؐ آج کیا بات ہے کہ آپ نے بہت سے کام انجام دیئے ہیں یہ سننا تھا کہ جناب سیدہ رونے لگیں اور فرمایا اے علی! تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھیے اور میری چند وصیتیں سُن لیجئے۔ یا علی اب دنیا میں میں زیادہ رہنے والی نہیں آج رات کو میں تم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو جاؤں گی۔ میں باباجان کی قبر پر رو رہی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضورؐ مجھے چھاتی سے لگائے ہوئے ہیں

اور فرما رہے ہیں۔ اے جانِ پدر تو نے بڑے غم اٹھائے ہیں آج بیتِ مصائب و آلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آج رات تو میرے پاس ہو گی بس مجھے یقین ہے کہ آج رات کو رحلت کر جاؤں گی۔ میں نے اپنے بچوں کو اسی لیے نہلا دھلا کر کپڑے بدلوا دیئے ہیں اور کھانا تیار کر دیا ہے کہ میرے مرنے کے بعد آپ کو میرے ماتم میں اتنا موقع کہاں ملے گا کہ میرے بچوں کی خبر لے سکیں۔ یہ سن کر امیر المومنین علیہ السلام زار زار رونے لگے۔

جناب سیدہ نے فرمایا۔ علی میری خاص وصیت یہ ہے کہ میرے بعد آپ شادی ضرور کیجئے گا کیونکہ بغیر عورت کے گھر کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میرے بچے بھی تنہائی کے عالم میں پریشان ہوں گے لیکن ہاں سیدہ کی آنکھیں یاد رکھیئے گا۔ یا علی میرے بچوں کو میرے بعد کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ ورنہ مجھے قبر میں بھی چین نہ ملے گا۔ یا علی ایک رات اپنی بی بی کے پاس سونا اور دوسری رات میرے بچوں کے ساتھ بسر کرنا تاکہ میرے بچے میری مفارقت کو زیادہ محسوس نہ کریں۔ امیر المومنین نے رو کر فرمایا سیدہ آپ اس کی مطلق فکر نہ کریں میں اپنے بچوں سے کبھی غافل نہیں ہو سکتا۔

پھر جناب سیدہ نے فرمایا ایک خاص وصیت میری یہ ہے کہ میرے دشمنوں کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا اور یہ کہ میرا جنازہ رات کے وقت اٹھانا تاکہ کسی نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے۔

یہ وصیتیں سن کر امیر المومنین علیہ السلام تو نمازِ عصر کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے اور جناب سیدہؑ نے فضہ سے کہا کہ میں ذرا دیر کے لیے سونا چاہتی ہوں۔ مجھے بیدار نہ کرنا تم یہیں موجود رہنا۔ جب ایک گھڑی گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو تم مجھے تین آوازیں دینا۔ اگر جواب دوں تو اندر چلی آنا اور اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لینا کہ میں اپنے باپ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ اس کے بعد جناب سیدہؑ اپنے حجرے میں تشریف لے گئیں۔ اور چادرِ رسولؐ اوڑھ کر لیٹ گئیں جب ایک ساعت گزر گئی تو فضہ نے آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا تو حجرے کے اندر داخل ہوئیں۔ چادر کو چہرے انور سے ہٹا کر دیکھا تو سیدہ عالم دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔ فرطِ غم سے فضہ کا عجب حال ہو گیا۔ گریبان چاک کر لیا اور روتی ہوئی حجرہ سے باہر نکلیں اتنے میں دونوں صاحبزادے بھی آ گئے۔ پوچھا آپ کیوں پریشان ہیں۔ ہماری والدہ گرامی کہاں ہیں۔ فضہ خاموش رہیں۔

دونوں صاحبزادے بے تابی سے حجرے میں داخل ہوئے امام حسینؑ نے شانہ پکڑ کر ہلایا اور زور زور سے ہلایا مگر وہاں کیا تھا سمجھ گئے کہ شفیق ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دونوں بھائی وا اُماہ وا اُماہ۔ زار زار روتے مسجد میں پہنچے۔ امیر المومنین کو خبر کی۔ یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی آپ پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ ہوش میں لانے کے لیے چہرۂ مبارک پر پانی چھڑکا گیا۔ جب ہوش آیا تو بحال پریشان گھر میں تشریف لائے اور حجرہ میں فاطمہؑ کے داخل ہوئے اس وقت فضہ جناب سیدہؑ کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں

آہ جب ہم فاطمہؑ کو دیکھتے تھے تو حضرت رسولؐ خدا کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ اب کس کے چہرے کو دیکھ کر حضور نبی اکرم کی زیارت کیا کریں گے۔

حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کے چہرے سے گوشۂ چادر کو ہٹایا ایک رقعہ سر کے قریب رکھا ہوا ملا آپ نے اسے اٹھا کر پڑھا لکھا تھا۔

ترجمہ:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ فاطمہ دختر رسولؐ خدا کی وصیت ہے وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر محمدؐ خدا کے رسولؐ ہیں اور اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے کسی طرح کا اس میں شبہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح تم سے کیا تاکہ دنیا و آخرت میں تمہاری بی بی بنوں اور تم غیر کی نسبت میرے لیے زیادہ اولیٰ ہو۔ تم ہی مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور دفن کرنا میرا جنازہ رات کو اٹھانا اور کسی کو خبر نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی اولاد کو جو قیامت تک ہوگی سلام کرتی ہوں۔

آہ اس وقت حضرت علیؑ کے گھر میں عجب کہرام تھا ایک طرف حسنین علیہما السلام رو رو کر جان کھو رہے تھے۔ دوسری طرف زینب و ام کلثوم پچھاڑے کھا رہی تھیں۔ امیرالمومنین علیحدہ سر پکڑے بیٹھے تھے اور زار زار رو رہے تھے۔ جب رات ہوگئی تو حضرت علی نے تجہیز و تکفین کا سامان فراہم کیا اور خود ہی جناب سیدہؑ کو غسل دیا۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو ردائے رسولؐ کا کفن دیا۔ سیدہؑ کا جنازہ تیار ہوا بیٹیاں جنازے کے آس پاس سر پیٹ رہی تھیں اس کے بعد سیدہ کی نماز جنازہ گھر ہی میں پڑھائی۔ آپ کے ساتھ خاص خاص اصحاب تھے جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار بن یاسر وغیرہ اور کسی کو سیدہؑ کی وفات کی خبر نہ ہوئی۔ جب نصف شب گزر گئی تو امیرالمومنین علیہ السلام چند ہاشمی جوانوں اور مخصوص امتی رسولؐ کے ساتھ سیدہؑ کا جنازہ گھر سے لے کر نکلے کچھ دور گئے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک لڑکی برقعہ میں لپٹی ہوئی جنازے کے ساتھ ساتھ ہے امام حسن علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے عرض کی ہماری بہن زینبؑ ہے۔ آپ نے جناب زینبؑ کا بازو پکڑ کر فرمایا بیٹی تم میری اجازت کے بغیر کیوں گھر سے نکلیں جاؤ گھر میں بیٹھو۔

میں پکارتا ہوں یا علیؑ آپ کو زینبؑ کے پردہ کا اتنا خیال تھا کہ رات کو بھی ماں کے جنازے کے ساتھ نہ جانے دیا۔ مگر آہ آہ آپ کہاں تھے بازار کوفہ و شام میں جب اشقیائے امت آپ کی اسی زینبؑ کو سر برہنہ اونٹوں پر سوار

کر کے کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک لے گئے تھے آہ جس کی ماں کا جنازہ بھی رات کو اُٹھے اس کی بیٹی ایک دن دربار لیسر زیاد اور دربار یزید بن معاویہ میں ننگے سر اس طرح کھڑی ہو کہ ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے تھے اور شمر ملعون بھرے دربار میں تعارف کروا رہا تھا کہ یہ زینبؑ ہے اور یہ کلثومؑ ہے۔

الغرض امیر المومنین علیہ السلام سیدہؑ کا جنازہ لے کر جنت البقیع میں پہنچے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ رسولؐ کی پیاری بیٹی کو اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہونے کی جگہ نہ مل سکی لکھا ہے کہ جب جنازہ جنت البقیع میں پہنچا تو ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں ادھر لائیے اِدھر، آگے بڑھے تو ایک مقام پر کھدی ہوئی قبر تیار ملی۔ آہ! اسی میں امیرالمومنین علیہ السلام نے رحمۃ للعالمین کی پیاری بیٹی کو سپردِ خاک کر دیا۔

اس کے بعد حضرت قبر کے سرہانے بیٹھے اور زمین سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے زمین میں! اپنی امانت کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دخترِ رسولؐ خدا ہیں۔ یہ خدا کی پیاری ہیں یہ علی کی بی بی ہیں۔ زمین سے آواز آئی۔ اے علیؑ! تم میری طرف سے اطمینان رکھو۔ اس کے بعد آپ نے زمین کو ہموار کر دیا کہ کسی قبر کا نشان معلوم نہ ہو پھر آپ نے یہ مرثیہ پڑھا۔

ترجمہ:۔

یہ کیا معاملہ ہے کہ میں اپنے حبیب کی قبر پر کھڑا اسلام کر رہا ہوں لیکن وہاں سے سلام کا جواب نہیں ملتا۔ اے میری محبوب فاطمہؑ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم میری بات کا جواب نہیں دیتیں۔ کیا تم نے محبت کو دل سے نکال دیا ہے (دیوان جناب امیرؑ)

اے علی! میں تو پتھروں اور مٹی کے نیچے دبی پڑی ہوں۔ تمہاری بات کا کیوں کر جواب دوں۔ میری خوبیاں مٹی میں مل گئیں، اور میں اپنے ساتھیوں کی نظر سے چھپ گئی میرا تم پر سلام ہو لیکن میرے اور تمہارے درمیان اب دنیوی تعلقات قطع ہو گئے۔

لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کا اس کے بعد یہ معمول رہا کہ روز صبح کو اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر سیدہؑ عالم کی قبر پر لے جاتے وہاں زینب و کلثوم ماں کی قبر پر بے قرار ہو ہو کر روتیں۔

آہ خوش نصیب تھیں کہ ان کو ماں کی قبر پر جی بھر کے رونا نصیب تو ہو گیا۔ کیا کرتی وہ بچی جو کربلا میں اپنے مظلوم باپ کی لاش پر بھی رو نہ سکی۔ جناب زینبؑ و کلثومؑ نے اپنی ماں کی صف ماتم تو بچھائی۔ زنانِ بنی ہاشم نے پرسہ تو آکر دیا۔ لیکن آہ آہ! سکینہ کو پرسہ دینے والا کون تھا وہاں صفِ ماتم بچھنے کا ذکر کیا تھا۔ اگر کوئی بچی باپ کی لاش پہ روتی بھی تو شمر طمانچوں سے رخسار لال کر دیتا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے قبر جناب سیدہؑ کو کیوں زمین ہموار کر کے چھپایا۔ ضرور حضرت کو یہ

اندیشہ ہوا ہو گا کہ کہیں وہ لوگ جن کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہیں دی گئی دختر رسولؐ کی قبر کے ساتھ کوئی بے ادبی نہ کریں۔ اور نماز پڑھنے کے بہانے سے قبر کھود کر سیدہ کو باہر نہ نکال لیں۔ افسوس صد افسوس لوگوں نے دختر رسولؐ کی کچھ قدر نہ جانی۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ لوگوں نے رسولؐ کی اس پارہ جگر کی قبر کا نشان تک بھی روئے زمین پر رکھنا پسند نہ کیا اور روضہ رسولؐ کو شہید کر کے قبر ایسی منہدم کر دی کہ اب مرقد سیدہؑ کا نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اب کہاں وہ جنت البقیع جہاں معصوموں کے مقابر کی زیارت کو مومنین جایا کرتے تھے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ
وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْآ اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

ماتم ہے فاطمہ کا کرو نوحہ و بکا — بنت نبی جہاں سے اٹھی وامصیبتا
حسنین نوحہ خواں ہیں تو حیدر ملول ہیں — ماتم میں ماں کے زینب مضطر کا سر کھلا

ہے ہے نبی کا چاند تہ خاک چھپا ہے — گھر شیر کبریا کا ہے ماتم سرا بنا
پایا نہ چین باپ کے مرنے پہ ایک دن — دن رات غم میں باپ کے کرتی رہیں بکا

عذرا بتول وفاطمہ حورا وانسیہ — واحسرتا جوانی میں وہ کر گئی قضا
کیا کیا نہ ظلم فاطمہ زہرا پہ ہو گئے — کیوں چرخ پیر بنت نبی اور یہ بلا

وہ سیدہ جو نور نگاہ رسول تھی — بعد پدر وہ ہو گئی سو غم میں مبتلا
عالم کی عورتوں کا شرف ذات سیدہ — روح علی مرتضیٰ اور جان مصطفیٰ
محروم حق سے ہو گئی بیٹی رسولؐ کی
اے چرخ پیر کیا یہی انصاف ہے بھلا

مجلس ہفتم

در حال ولادت امام حسن علیہ السلام

ولادت ۱۵ رماہ رمضان ۳ھ بمقام مدینہ منورّہ

قصیدہ

از جناب مولانا اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی مرحوم

رو باصلاح ہوئی کچھ جو فضائے گلشن — سبز پوشان گل اندام چلے سوئے چمن
مصلحت آمیز ہوائیں ہیں مسرت افزا — دل مشتاق مگر خوف خزاں سے بدظن
بے ثباتی پہ تری اے اثر جوشش بہار — متبسم ہیں جو غنچے تو ہیں گل قہقہہ زن
مطمئن وعدوں پہ ہو بلبل شیدا کیونکر — عادتاً ہوتے ہیں صیاد بڑے دیدہ شکن
بھیس میں باد بہاری کے خزاں آئی ہے — کوچہ گل میں ہیں پوشیدہ ہزاروں رہزن
حلقہ کاکل پہ پیچ کا دے کر دھوکا! — زلف سنبل کی نہ بن جائے کہیں دام فتن
سایہ سرو میں پیلوں کا یہ انداز نمو — ہو نہ جائے کہیں گل چیں کے لیے دارورسن
آتش گل سے بھڑک اٹھے نہ شعلہ کوئی — کہہ دو گل پوش بچاتے رہیں اپنا دامن
بجلیاں ابر بہاری کی ہیں شعلہ افشاں — نہ ہری شاخ نمنا ہو نہ چمن خ کہن!

چھپ کے نکہت بھی نہ غنچوں سے نکلنے پائے
ہر نگہباں پہ خزاں کا ہے چمن میں قدغن

باغ سے دخل عنادل کا ہٹایا جائے
اب رہے ہاتھ میں صیاد کے نظم گلشن

آشیاں پھونک دو گلشن میں نہ ہو دخل بہار
اب نہ گلچیں رہے باقی نہ عنادل نہ چمن

آگ سبزہ میں لگے دامنِ صحرا جل جائے
ہو وہ اندھیر کہ گلزار بنے بجلی بن

اثر زہر سے ہر موج ہوا موسم کی!
سم قاتل ہوئے سبز رخان گلشن

اب چمن میں ہو شہیدان وفا کی یہ قدر
پہلوئے گل میں نہ پائے کوئی بلبل مدفن

صفحۂ دل سے مٹا ڈالے ہر اک نقش وفا
گلشن دہر سے اُٹھ جائے محبت کا چلن

دیکھ لو دیکھ لو جی بھر کے گلستاں کی بہار
پھر نہ گل ہوں گے نہ گلچیں نہ عنادل نہ چمن

اک طرف فیض بہار ایک طرف جور خزاں
دیکھیں حاصل ہو کسے جنگ میں فتح روشن

اک طرف زور و زر و شعبدہ و زور و دغا
ایک جانب اثر معجزہ سحر شکن

گویا فرعون سے موسیٰ کا تقابل ہے پھر
بالمقابل میں شب تار کے روز روشن!

فیصلہ کون کرے جنگ کا کثرت کے خلاف
صلح جو دس تو ہزاروں ہیں طرفدار فتن!

عدل کہتا ہے اسی کو سر میداں ہے شکست
جس کو دنیائے دغا کہہ دے دغا میں پُرفن

معرکہ میں جو کرے اپنے شرائط سے عدول
مرد کیوں کہیے اسے ہے وہ حقیقت میں زن

کارنامہ ہے امامت کا تری مصلح عدو
اے مرے مصلح دین ابن شہ قلعہ شکن!

ذات احسن ہے تری اسم معلیٰ ہے حسن (مطلع)
مظہر خلق حسن مظہر احسان حسن

چشمۂ فیض خدا ابر محیط رحمت
قلزم بذل و کرم جود و سخا کا معدن

شمع توحید کی ضو، نور چراغ کعبہ
بالمقابل میں شب کفر کے صبح روشن

وارثِ علمِ نبی جوہر اخلاق رسل
دلبر شیر خدا عقدہ کشا قلعہ شکن

چمن فاطمہ زہرا کی بہار اوّل
ثمر نخل تمنائے شہنشاہِ زمن

زیبِ آغوشِ علی راکبِ دوشِ احمدؐ
بن گیا تیرے لیئے حق کا پیمبر توسن

قلعہ امن و اماں پشت پناہِ ایماں
صبر کا کوہ گراں علم و رضا کا معدن

ابرو و چشم میں محبوب خدا کا انداز
وہی ابرو وہی جنبش وہی بانکی چتون

رخِ زیبا ہے پیمبر کی جوانی کی شبیہ
وہی ابرو وہی بینی وہی بے ساختہ پن

سیر ہو آپ کے در پر در حیدر کا فقیر
اے زہے کثرت نعمات و عطایائے حسن

کبھی اس در سے نہ محروم پھرا دشمن تک — دے دیا آپ نے مروان کو اپنا توسن
محسنِ دین خدا مایۂ احسان حسن (مطلع) اے زہے حسن حسن نفس حسن شاخ حسن
زینت عرش بریں رونق قصر جنت — نور ہیں نام حسن تخت ہیں ایوان حسن
چاند کے حسن میں کب تھا اثر جذب نظر — ہے یہ اک معجزۂ عکس گریبان حسن
جس کا جی چاہے وہ دنیا پہ حکومت کرلے — ہیں مگر جن و ملک تابع فرمان حسن
کوئی سرسبز نہ ہونے دے جہاں میں نہ سہی — باغ فردوس معلیٰ ہے خیابان حسن

عرصہ حشر میں اس شان سے جائے گا سلیم
نظم اک ہاتھ میں ایک ہاتھ دامان حسن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا (سورہ الکہف ۴۶/۲۸)

(مال، اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہے) اس میں شک نہیں کہ اگر مال اور اولاد دو چیزیں نہ ہوں تو انسان کا گھر ایک خرابے سے بھی زیادہ وحشت ناک بن جاتا ہے۔ دین و دنیا کے تمام مقاصد مال ہی سے پورے ہوتے ہیں۔ اگر مال نہیں تو پھر راحت کے سامان بھی مفقود مثل مشہور ہے۔ از دست تہی چہ خیز و از پائے گرسنہ چہ سیر۔ غریب بیچارے کی تمام امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ نہ کسی کی نظر میں اس کی ذات کی وقعت رہتی ہے نہ بات کا اثر دل شکستہ ہو جاتا ہے اور ہمت پست اور مالدار کا ہر مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ زر بر سر فولاد نہی نرم شود جہاں وہ اپنی دولت خرچ کرنے لگتا ہے۔ ایک دو کیا سینکڑوں مددگار مل جاتے ہیں۔ غریب بیچارے کا کون ساتھ دیتا ہے۔ غیروں کا کیا ذکر ہے خاص الخاص عزیز پہلو بچا کر چلنے لگتے ہیں۔

دنیا کا کیا ذکر تہی دست انسان پر تو دینی کامیابیوں کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں جب گھر میں کھانے کو نہیں خضوع و خشوع کے ساتھ نماز پڑھنی بھی نصیب نہیں ہوتی جب فاقے سے بچے تلملاتے ہیں تو نماز میں بھی انہیں کا خیال رہتا ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

شب جو عقد نماز در بندم — چہ خورد بامداد فرزندم

بھوک کے غریب سے روزہ بھی نہیں رکھا جاتا۔ غریب زکوٰۃ دینے کی سعادت سے بھی محروم رہتا ہے خمس کے ثواب حاصل کرنے سے بھی عاجز رہتا ہے۔ جس کے پاس دولت نہ ہو وہ حج کرنے کیونکر جا سکتا ہے غرضیکہ غریب پر بہت سی نیکیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ زندگی دنیا کی زینت صرف وہ مال ہو سکتا ہے جو حلال طریقے سے حاصل کیا جائے ورنہ جان کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔ مال حرام میں برکت و عافیت نہیں ہوتی۔ ایسے مال سے جو بطریق حرام حاصل کیا جائے فاقہ کشی اور تہی دستی ہزار درجہ بہتر ہے۔ مال حرام عاقبت کو برباد کرتا ہے حسنات کو کھا جاتا ہے مال حرام سے کوئی نیکی حاصل ہی نہیں کی جاتی۔ خدا ہر مومن بندہ کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔

مال کے بعد دوسری چیز جو حیات دنیا کی زینت ہے وہ اولاد ہے بے شک بے اولاد انسان کی زندگی بڑی بے کیف زندگی ہوتی ہے حقیقی معنی میں انسان کے درد و دکھ کی شریک اولاد ہی ہوتی ہے مثل مشہور ہے کہ اپنا کھوٹا پیسہ اور برا بیٹا بھی وقت پر کام آتا ہے اولاد کی وجہ سے انسان کا دل ہر وقت ہرا رہتا ہے۔ ہزار ہا امیدیں ان سے وابستہ رہتی ہیں باغ زندگی میں بہار آتی ہے ہزاروں غم ان کی وجہ سے غلط ہو جاتے ہیں۔ عالم پیری میں دل کو اولاد کی طاقت و قوت رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں رونق اولاد ہی سے ہوتی ہے اولاد والے کی موت بھی شاندار طریقے سے ہو جاتی ہے اور زندگی بھی باغ و بہار بن جاتی ہے گھر میں ہر وقت چہل پہل رہتی ہے ماں باپ ان کو دیکھ کر خوش و خرم ہوتے ہیں صرف اولاد ہی ایسی عزیز الوجود چیز ہے کہ انسان اپنے نفس پر ہر حالت میں ان کو ترجیح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ میری اولاد ہر معاملہ میں مجھ سے بڑھ جائے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیئے کہ زینت حیات دنیا سعادت مند اولاد ہی ہو سکتی ہے۔ ورنہ نالائق اولاد کے ہونے سے اس کا نہ ہونا بہتر ہے۔ سعادت مند اولاد ماں باپ کی نیک نامی کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے مقاصد دینی اور دنیوی کو پورا کرنے والی ہوتی ہے ایسی اولاد سے نہ صرف ماں باپ کا دل خوش ہوتا ہے بلکہ دادا دادی، نانا نانی اور دیگر خاندان والوں کو بھی بے حد انس ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سارے خاندان کا نام روشن کرنے والے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ہمارے رسولؐ کو اپنے نواسوں سے بے حد انس تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے ذریعے سے میرے مشن کی تکمیل ہوگی۔ یہ دین اسلام کی تبلیغ کی تبلیغ کا ذریعہ بنیں گے خدا پرستی کو ان کی وجہ سے فروغ ہوگا میرے اعمال صالح کا یہ نمونہ بن کر اہل دنیا کے لیے باعث ہدایت ہوں گے۔

خداوند عالم نے ہمارے رسولؐ کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہ کو دو فرزند عطا فرمائے تھے حسنؑ اور حسینؑ یہ باغِ امامت کے دو مہکتے لہکتے پھول تھے۔ گلستان ایمان کے چہکتے چہچہاتے دو بلبل تھے، فلک معرفت کے دو تابندہ ستارے تھے برج شرافت و سعادت کے شمس و قمر تھے اپنے نانا کے دین کے دونوں محافظ و مددگار دین الٰہی کے سچے جانثار۔

آیئے آج اس مجلس فیض آثار کو ان میں سے ایک شہزادے کے ذکر سے زینت بخشیں قلوب مومنین کو نور ایمان سے منوّر کر دیں، درود و صلوٰت کے نعروں سے فضائے عالم کو پُر کر دیں وہ کون سا شہزادہ ہے۔

سرور حیدر و زہرا شہ زمین و زمن
گل ریاض نبی حضرت امام حسنؑ

ام الفضل کہتی ہیں میں نے امام حسن علیہ السلام کی ولادت سے چند روز قبل خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولؐ اللہ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا میری گود میں آگیا ہے۔ جب میں نے حضورؐ سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا بہت ہی اچھا خواب ہے۔ عنقریب فاطمہؑ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کو تم اپنے فرزند قثم بن عباس کا دودھ پلاؤ گی۔

لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا کو ولادت امام حسنؑ کی اطلاع ملی تو آپ خانہ جناب سیدہ میں تشریف لائے اور اسما بنت عمیس سے فرمایا میرے فرزند کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ اسما بنت عمیس کہتی ہیں میں فوراً بچے کو ایک زرد کپڑے میں لپیٹے حضرتؐ کے پاس لے گئی۔ آپ نے وہ کپڑا فوراً اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا کیا میں نے تم کو یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ کسی بچہ کو زرد کپڑے میں نہ لپیٹا کرو میں شرمندہ ہوئی اور جلدی سے ایک سفید کپڑا لاکر اس میں لپیٹ دیا حضرت نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی پھر حضرت علیؑ سے پوچھا اس بچہ کا کیا نام رکھا عرض کی میں اس معاملہ میں حضورؐ پر سبقت نہیں کر سکتا فرمایا میں خدا پر سبقت کرنا نہیں چاہتا یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا خداوند عالم بعد تحفہ درود ارشاد فرماتا ہے کہ علیؑ کا مرتبہ آپ کے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کا مرتبہ موسیٰ کے نزدیک تھا۔ فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا پس آپ اس کا نام ہارونؑ کے بچے پر نام رکھیں۔ حضرت نے پوچھا کیا نام تھا۔ جبرئیل امین نے کہا شبر آپ نے فرمایا میری زبان تو عربی ہے یہ عبرانی نام کیوں کر رکھوں فرمایا آپ اس کا ہم معنی نام عربی زبان میں حسن رکھیں جو اس سے پہلے عرب میں کسی کا نام ہوا ہی نہیں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب ولادت امام حسنؑ کو چھ روز گزر گئے تو ساتویں روز حضرت رسولؐ خدا نے

امیر المومنین سے فرمایا۔ علی میرے فرزند کا عقیقہ اور ختنہ کراؤ۔ چنانچہ ایک مینڈھا ذبح کیا گیا اور امام حسنؑ کا سر منڈوا کر بالوں کے برابر چاندی تصدق کی گئی۔ پھر اسی دن ختنہ کرایا گیا۔

کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام سینے سے لے کر سر تک جناب رسولؐ خدا سے بہت ہی مشابہ تھے اور حضرت امام حسین سینہ سے پاؤں تک مشابہت رکھتے تھے۔

عبد بن زبیر سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب حضرت رسولؐ خدا رکوع میں تھے امام حسن علیہ السلام مسجد میں آ گئے اور نانا نانا کہتے حضرت کی طرف دوڑے، آپ نے اپنی ٹانگوں کو ذرا سا کشادہ کر دیا حسنؑ آپ کی ٹانگوں کے بیچ سے نکل کر آپ کے سامنے آ گئے۔ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک روز میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ امام حسنؑ بھی وہاں آ گئے اور حضورؐ کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں حضورؐ کی ریش مبارک میں ڈالنے لگے حضرت نے پیار سے ان کا منہ چوما اور اپنی زبان مبارک ان کے دہن میں داخل کی کئی بار آپ نے ایسا ہی کیا اور فرمایا خداوندا میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ۔

انہی ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک روز میں نے امام حسنؑ کو یا سیدی کہہ کر سلام کیا ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ یہ تو ابھی بچے ہیں ان کو یا سیدی کہہ کر کیوں سلام کیا، میں نے کہا خاموش ہو میں نے خود حضورؐ کو یہ کہتے سنا ہے یا سیدی اور یہ بھی سنا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں (ارجح المطالب)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک روز رسولؐ خدا سو رہے تھے کہ حسنؑ بن علیؑ داخل ہوئے اور حضرت کے سینے پر بیٹھ گئے میں نے ہٹانا چاہا حضرت بیدار ہو گئے اور فرمایا اے انس یہ میرا فرزند میرے دل کا چین ہے اسے دق نہ کرو بیٹھا رہنے دو جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔

ایک دن حضرت سرور انبیاء منبر پر بیٹھے خطبہ بیان فرما رہے تھے کہ امام حسنؑ مسجد میں تشریف لائے دامن میں آپ کا پیر الجھا تو گر پڑے حضرت منبر سے اترے اور ان کو گود میں لے کر پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا جو کوئی مجھے دوست رکھتا ہے چاہیے کہ اسے بھی دوست رکھے تمام حاضرین کو یہ لازم ہے کہ میرا یہ قول ان لوگوں تک پہنچا دو جو اس وقت نہیں۔ ایک روز سرور کائنات نماز پڑھ رہے تھے کہ امام حسن علیہ السلام سجدہ کی حالت میں پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ راوی کہتا ہے آپ نے سجدہ کو اس قدر طول دیا کہ ہم سمجھے کہ کوئی امر واقع ہو گیا یا وحی نازل ہونے لگی بعد ختم نماز حضرت نے فرمایا کوئی خاص بات نہیں تھی بلکہ میرا فرزند حسن پشت پر سوار تھا مجھے برا معلوم ہوا کہ اسے جلد سے جلد اتاروں اور وہ رنجیدہ ہو جائے اس کے بعد فرمایا جو کوئی جوانان جنت کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ میرے اس فرزند کو دیکھ لے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کو امام حسن علیہ السلام سے کس قدر محبت تھی لیکن یہ امر

وجہ سے نہ تھی کہ آپ کے نواسے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ بلحاظ فضائل نفسانی ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

امام حسن علیہ السلام کا بچپن عام بچوں کا سا نہ تھا بلکہ آپ بچپن میں بھی صاحب علم و فضل تھے اور فقہ کے تمام مسائل سے واقف تھے' اولادِ رسولؐ کی علمی اور اخلاقی حالت کا قیاس عام لوگوں پر نہیں کیا جاسکتا منقول ہے کہ جب رسولؐ خدا پر وحی نازل ہوئی تھی آپ اس کو امام حسن علیہ السلام سے جب کہ ان کا سن پانچ برس کا تھا بیان فرمایا کرتے تھے اور وہ اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور اپنے گھر آکر حرف بحرف اپنی والدہ ماجدہ سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام جب گھر میں آتے تو جناب فاطمہ زہرا سے نئی نئی آیات قرآنی سنتے دریافت فرماتے یہ آیات قرآنی آپ کو کہاں سے معلوم ہوئیں۔ وہ مسکرا کر فرماتیں کہ آپ کے فرزند حسن نے بابا جان سے سن کر بیان کی ہیں۔

ایک روز جناب امیر علیہ السلام گھر میں موجود تھے امام حسنؑ اپنے نانا سے وحی سن کر آئے۔ انہیں اس کا علم نہ تھا کہ حضرت علیؑ گھر میں موجود ہیں چاہا کہ معمولاً وحی کو اپنی والدہ سے بیان کریں لیکن بیان نہ کر سکے زبان رک گئی جناب سیدہؑ کو نہایت تعجب ہوا۔ عرض کیا اے مادرِ گرامی آپ تعجب نہ کریں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پدر بزرگوار سن رہے ہیں ان کے سننے نے مجھے روک دیا۔ یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام باہر نکل آئے اور اپنے فرزند کو گود میں لے کر پیار کیا۔

ایک روز ابوبکرؓ منبر رسولؐ پر بیٹھے وعظ کر رہے تھے کہ حضرت امام حسنؑ جن کا سن سات آٹھ سال کا تھا وہاں پہنچ گئے اور فرمایا میرے نانا کے منبر سے اتر آؤ یہ جگہ میرے نانا کی ہے تمہارے نانا کی نہیں۔ ابوبکر یہ سن کر منبر سے اتر آئے اور امام حسن کو گود میں لے کر کہنے لگے فرزند رسولؐ سچ کہتے ہو بیشک یہ منبر آپ ہی کے نانا کا ہے۔

امام حسن علیہ السلام کے علم کا کیا ٹھکانا ہے جو مسئلہ آپ سے پوچھا جاتا تھا فوراً آپ اس کا جواب دیتے تھے کبھی کسی کے مسئلہ کے حل کرنے میں رکاوٹ ہی نہ ہوتی تھی۔ ایک بار ایک اعرابی نے علی علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا کہ میں نے حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈوں کو بھون کر کھالیا ہے۔ بتائیے کہ ان کا کفارہ کیا دوں۔ اتفاقاً اس وقت امام حسنؑ بھی موجود تھے آپ کا سن نو سال کا تھا حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا بیٹا حسنؑ اس اعرابی کے سوال کا جواب دو۔ آپ نے فرمایا اے عرب تیرے پاس اونٹ ہیں۔ اس نے جواب میں عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی اونٹنیاں گابھن کرادے اور جو بچے پیدا ہوں ان کو خانہ خدا کے لیے ہدیہ بھیج دے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا یہ ضروری نہیں کہ سب اونٹنیاں حاملہ ہو جائیں اور اگر حاملہ ہو جائیں تو بعض تو ساقط بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ عرض کی بعض انڈے بھی تو گندے ہو جایا کرتے ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام بھی اصحاب کساء میں سے ہیں اور آیت تطہیر کے مصداق ایک آپ بھی ہیں جو اس کی دلیل ہے کہ آپ بھی حضرت رسول خدا اور حضرت علی علیہ السلام کی طرح معصوم تھے اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک و صاف تھے۔

روز مباہلہ اپنے ماں باپ کی طرح آپ بھی اپنے نانا کی نبوت کی تصدیق کے لیے نکلے تھے حضرت جب مباہلہ کے لئے روانہ ہوئے تھے تو امام حسن علیہ السلام کی آپ انگلی پکڑے ہوئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کو اپنی گود میں لیے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؑ آپ کے پیچھے تھیں اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے۔ جن صورتوں کو دیکھ کر روز مباہلہ نصاریٰ نجران کے سقف یعنی سب سے بڑے پادری نے کہا تھا واللہ میں ایسی صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ضرور ہٹ جائے گا۔ تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ایک نصرانی بھی روئے زمین پر نہ رہے گا۔ ان میں امام حسن کا بھی شمول تھا اس کا مصداق بن کر فرزند رسولؐ کہلانے کے مستحق ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں حسنین علیہما السلام ابنائے رسولؐ کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ نواسے تھے نہ کہ بیٹے۔ ہم کہتے ہیں جس طرح آیہ قرآنی نے حضرت عیسیٰ کو جناب اسحاق و یعقوب کا بیٹا ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ وہ نواسے تھے اسی طرح حسنین بھی ابنائے رسول قرار پائے۔ صواعق محرقہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍؑ ۔ (خدا نے ہر نبی کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا ہے اور میری ذریت صلب علی بن ابی طالب میں ہے۔)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت رسولؐ خدا میں دو جنبے تھے۔ ایک جنبۂ بشری، دوسری طرف جنبۂ رسالت پس ان دونوں کے لحاظ سے رشتہ دار بھی علیحدہ علیحدہ تھے۔ ابنائے بشری اور تھے اور ابنائے رسالت اور۔ نسائے بشری اور تھیں اور نسائے رسالت اور نفس بشری اور تھا۔ اور نفس رسالت اور۔ جہاں مادی دعوتیں ہوتی تھیں وہاں مادی رشتہ داروں کو لے جاتے تھے اور جہاں رسالت کی گواہی کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہاں رسالت کے رشتہ داروں کو لے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ روز مباہلہ حضورؐ نے اپنے ساتھ نہ اپنی ازواج کو لیا نہ خاندان والوں کو لیا۔ بلکہ انہی اصحاب کساء کو لیا جو رسالت کے رشتہ دار تھے۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بہت سے عجیب و غریب انقلاب دیکھے ایک وہ وقت تھا کہ نانا کی حیات میں بڑے بڑے اصحاب طرح طرح کی ناز برداریاں کرتے اور آپ کے احترام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے فتح مکہ کے وقت یہ بھی دیکھا کہ مکہ کا میدان۔ اسلامی فوجوں سے بھرا ہوا ہے اور مکہ کے وہ سرکش کفار جنہوں نے طرح طرح کے ظلم و ستم کر کے نانا کو جلاوطن ہونے پر مجبور کیا تھا انتہائی ذلت سے ان کے سامنے معافی

کے دست بستہ خواستگار تھے اور حسنین کا واسطہ دے کر بچوں پر رحم کرنے کے خواستگار تھے۔

حج آخر میں امام حسن بھی حج کرنے میں اپنے نانا کے ساتھ تھے اور ان تاریخی مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جن کا ذکر اپنے نانا سے سنا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں یہ بھی دیکھا کہ کچھ لوگ اس کی خواہش رکھتے ہیں کہ شہزادوں کو اپنے شانوں پر بٹھا کر بیت اللہ کا طواف کرائیں، مکہ کی سیر کرائیں مگر رسولؐ اس کو پسند نہیں فرماتے اور اپنے دوش مبارک کے راکبوں کو کسی اور کے شانوں پر بیٹھا ناگوارا نہیں کرتے تھے۔

غدیر خم کے میدان میں یہ منظر بھی دیکھا کہ کئی لاکھ مسلمانوں کے مجمع میں پالان شتر کے منبر پر بیٹھ کر نانا ان کے باپ کی وصایت و خلافت کا اعلان کر رہے ہیں اور اپنی زبان مبارک سے فرما رہے ہیں جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں۔ اس کے بعد وہ مبارکباد کی آوازیں بھی اپنے کانوں سے سنیں جو کچھ دل کی تہہ سے نکل کر آرہی تھیں اور کچھ زبان کی نوک سے سات سال کچھ مہینہ کی عمر تھی کہ شفیق نانا کا سایۂ عاطفت بھی سر سے اُٹھتا دیکھا شدت مرض میں نانا کو کچھ لوگوں کے سامنے یہ بھی کہتے سُنا کہ لوگو مجھے کاغذ اور قلم دوات دو کہ میں تمہارے لیے کچھ ایسا لکھ جاؤں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ اس پر جلسہ میں اتنی چہ میگوئیاں ہوئیں اور اتنا شور مچا کہ حضرت نے گھٹ کر فرمایا میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ یہ جھگڑا میرے سامنے روا نہیں پھر کسی کو اس مجمع میں یہ کہتے سنا کہ معاذ اللہ رسولؐ کو ہذیان ہے۔ کتاب خدا ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ شہزادے کو یہ حال دیکھ کر کس قدر تعجب ہوا ہوگا کہ جس کے نانا کے سامنے لوگ زور سے بول نہیں سکتے تھے آج اسی کے سامنے یہ شور و غل اس کے حکم سے یہ بے اعتنائی۔ اس کے متعلق یہ سخت کلام۔ اس واقعہ نے امام حسن علیہ السلام کے مستقبل پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہوگی۔ اس کے بعد نانا کی رحلت پر یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سوائے بنی ہاشم اور چند مخصوص حضرات کے کوئی نانا کے جنازے کے قریب بھی نہیں رہا۔ خدا جانے شمع رسالت کے پروانے کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں کس قدر تعجب ہوا ہوگا جب دفن میں بھی بہت سے لوگوں کو شرکت کرتے نہ پایا ہوگا یا جب دیکھا ہوگا کہ ہمارا گھر ماتم سرا بنا ہوا ہے اور دوسروں کے یہاں خوشیاں ہو رہی ہیں اس کے بعد پھر یہ منظر دیکھا ہوگا کہ خلافت کے بارے میں ان کے باپ کا کوئی نام نہیں لیتا وہ دفن رسولؐ ہی کے اہتمام میں رہے یہاں حق اپنے مرکز سے ہٹ کر کہیں پہنچ گیا۔

چند روز کے بعد روح فرسا مصائب کو بھی دیکھا اور جس خاموشی سے رات کے پردہ میں ماں کا جنازہ گھر سے نکلا اس کے اسباب پر بھی غور کرنے کا موقع ملا ہوگا۔

اس کے بعد خلافت کے تین دور بھی دیکھے اپنے باپ کے صبر و استقلال کو بھی دیکھا۔ ان کی بے کسی دبے لبی بھی دیکھی اپنے حقوق کی طرف سے لوگوں کی بے اعتنائی بھی دیکھی۔ اپنے خاندانی اقتدار کا اثر اکھڑتے بھی دیکھا

اپنی مالی کمزوری کے ساتھ اپنے روحانی اقتدار کا خاتمہ ہوتے بھی دیکھا۔

جب ایک مدت کے بعد باپ کی خلافت کا زمانہ آیا تو یہ بھی دیکھا کہ بنی امیہ ہر طرف بغاوت کی خاک اڑا رہے ہیں اور ان کے پدر بزرگوار کو اطمینان سے حکومت کا موقع نہیں دے رہے۔ سیاست الٰہیہ اور سیاست نبویہ کے وہ قوانین جن کو ان کے پدر بزرگوار اپنی حکومت میں پھیلانا چاہ رہے ہیں۔ بغاوت پسند گروہ ان کے اجراء میں سینکڑوں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ غرض کہ عجیب و غریب انقلاب آپ کی نظر کے سامنے آئے۔ لیکن صبر و استقلال سے ان تمام دشوار گزار منازل کو جھیلتے رہے اور ایک آن واحد کے لیے بھی تخریب اسلام کا خیال دل میں نہ آیا۔ بلکہ جس طرح ممکن ہوا اسلام کی حمایت کی اور شریعت نبویہ کے وقار کو برقرار رکھنے اور اپنے نانا کے عمل کو ان لوگوں کے سامنے جو اس کو بھلا چکے تھے بطور نمونہ پیش کرنے کی ہر ممکن سعی کی اگر یہ کوششیں نہ ہوتیں تو قالب اسلام سے روحانیت کب کی رخصت ہو جاتی۔

حضرت علی علیہ السلام کے خلافت کے زمانے میں وہ تین کام امام حسن علیہ السلام سے متعلق رہے اول قضایا کا فیصلہ دوسرے بیت المال کی نگرانی تیسرے حقوق المسلمین کی نگہداشت آپ نے ان تینوں فرائض کو بہترین صورت میں انجام دیا۔

امام حسن علیہ السلام بڑے شجاع و دلیر تھے آپ نے جنگ جمل جنگ صفین اور جنگ نہروان میں اپنی شجاعت کے بہترین کارنامے انجام دیئے جنگ جمل میں جب امیرالمومنین نے آپ کو اپنی فوج دے کر روانہ کیا تھا امام حسن علیہ السلام نے اس شجاعانہ انداز میں جنگ کی کہ مخالف فوج کے ہوش اڑ گئے مالک اشتر جیسا بہادر حضرت علیؑ کے سامنے آ کر یہ تعریف کرتا ہے کہ مولا آج حسنؑ نے وہ شجاعانہ پیکار کی ہے کہ شجاعان عرب دنگ رہ گئے ہیں میں دیکھ رہا تھا کہ جس طرح بھوکا شیر ہرنوں کے غول پر جاتا ہے اس طرح حسنؑ اپنے دشمنوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ پہلے حملے میں ۷۷ دشمنوں کو آپ نے قتل کیا اور دوسرے میں ۴۸ کو اس کے بعد جنگ صفین میں بھی آپ نے غضب کا حملہ کیا تھا جو فوج آپ کے ساتھ تھی دشمن کی بے پناہ تیر اندازی سے تتر بتر ہو گئی تھی اور دشمن کے ایک غول میں امام حسنؑ تن تنہا گھر گئے تھے عمار یاسر کہتے ہیں اس وقت مجھے یہ دھڑکا پیدا ہو گیا تھا کہ آج ہمارا شہزادہ صحیح سلامت بچ کر نہیں آسکتا لیکن میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ جس طرح بادل پھٹنے کے بعد چاند نکل آتا ہے اسی طرح حسنؑ دشمن کی ٹڈی دل فوج سے باہر نکلتے ہوئے آ رہے ہیں اور عجیب تر بات یہ تھی کہ آپ کے جسم پر سات آٹھ زخموں سے زیادہ نہ تھے۔ جب آپ پلٹ کر آئے تو امیرالمومنین نے چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا شاباش بیٹا ہاشمی و علوی جوان یوں ہی لڑا کرتے ہیں۔

جب نہروان میں امیرالمومنین علیہ السلام نے امام حسن کو میمنہ لشکر کا سردار بنایا اور فرمایا تھا بیٹا خبردار قدم پیچھے

رہتے دشمن زد سے بچ کر باہر نہ جا سکے۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام نے وہ حیرت انگیز کارزار کی کہ خوارج کے خون سے زمین رنگین ہو گئی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے ہر طرف سے پناہ کی آوازیں آنے لگیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو آپ کو معاویہ کی خلافت کی بنا پر بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بنی اُمیہ ہر طرف بر سر فساد تھے اور لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے دوسرا ہوتا تو ہوش باختہ ہو جاتا مگر امام حسن علیہ السلام نے ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ بڑی جوانمردی سے کیا چنانچہ منقول ہے کہ معاویہ ساٹھ ہزار فوج لے کر عراق و عرب کو فتح کرنے کے ارادے سے بڑھا تو حضرت امام حسن بھی چالیس ہزار فوج لے کر مقابلہ کو چلے کوفہ سے روانہ ہو کر دیر عبدالرحمٰن میں قیام فرمایا وہاں سے قیس بن سعد کو بارہ ہزار سوار دیکر آگے بڑھایا اور آپ مدائن کی طرف روانہ ہوئے اگر آپ کے لشکر پر چین طاری نہ ہو جاتا اور معاویہ کی سازش ان کو حضرت کے احکام کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ کرتی تو آپ ضرور لشکر شام کو شکست دیدیتے۔ معاویہ کی سازش نے آپ کے لشکریوں کو اس حد تک آپ کا مخالف بنا دیا تھا۔ کہ ایک خارجی نے اثنائے راہ میں بری طرح زخمی کر دیا۔ جب حضرت نے اپنی فوج کا یہ حال دیکھا تو مجبوراً آپ کو معاویہ سے صلح کرنا پڑی۔ دونوں کے درمیان ایک صلحنامہ لکھا گیا اور اس میں کچھ شرائط درج ہوئیں۔ لیکن افسوس ہے کہ معاویہ نے اس وقت تو سب باتوں کا اقرار کر لیا لیکن بعد میں پوری ایک بھی نہ کی۔

امام حسن علیہ السلام انتزاع خلافت کے بعد مدینہ میں آکر گوشہ نشین ہو گئے اور پھر امور سلطنت سے آپ نے کوئی تعلق ہی نہ رکھا۔ رات دن عبادتِ الٰہی میں بسر کرتے رہے۔ آپ کا دسترخوان نہایت وسیع تھا جس پر ہر روز بہت سے فقراء و مساکین آکر کھاتے تھے ان کے لیے آپ لذیذ غذائیں تیار کراتے تھے لیکن خود دہی جَو کی روٹی کھاتے تھے دنوں میں اکثر روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو عبادت خدا بجالاتے تھے بنی اُمیہ نے اہلبیت کے متعلق جہاں اور بے شمار پروپیگنڈے کیے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ امام حسنؑ ہر شب ایک نیا عقد کرتے یہاں تک کہ آپ نے تین سو عورتوں سے عقد کیا یہ پروپیگنڈا اس لیے تھا کہ لوگ آپ سے بدظن ہو جائیں اور آپ کا رہا سہا روحانی اقتدار بھی برطرف ہو جائے ایک ایرانی عالم نے اپنے رسالے تحقیق حسن و ازدواج الحسن میں اس متعصبانہ پروپیگنڈے کی اچھی طرح قلعی کھول دی ہے۔ کوئی انصاف پسند انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک نبی کا نواسہ جس نے احکام اسلام کی فضا میں پرورش پائی ہو جو رسولؐ کی گود کا پلا ہوا ہو علی جیسے زاہد و متقی کا بیٹا ہو وہ اس قسم کی ہوس رانی کر سکتا ہے جو رات رات بھر عبادتِ الٰہی کرتا ہو دنوں کو روزہ رکھتا ہو وہ اس ہوس رانی کا موقع کیسے پا سکتا ہے۔ امام حسنؑ احکام اسلام کو بہت زیادہ سمجھنے والے تھے صرف کسی عورت سے نکاح کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے بعد بہت سے فرائض بھی شوہر پر عائد ہو جاتے ہیں۔ حضرت کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی جو آپ نے زرِ مہر ادا کرنے میں صرف کی۔ حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں جب جناب عقیل کو پاؤ بھر دانے زیادہ نہ مل سکے تو بھلا امام حسنؑ کو اس کام کے لیے خزانے کہاں سے مل جاتے۔ اب رہا خود حضرت کی

خلافت کا زمانہ تو وہ کل چار مہینہ کچھ دن تھا اور وہ بھی خلافت کے جھگڑوں میں پھنسا ہوا اس میں اس عیش پرستی کا امکان کیونکر تھا۔ غرض یہ سب کچھ دشمن کا لغو پروپیگنڈا تھا۔ ورنہ امام حسن علیہ السلام اس سے کوسوں دور تھے۔

آج حضرت امام حسنؑ کی ولادت کا روز ہے۔ رسولؐ خوش ہیں سیدہؑ مسرور ہیں مدینہ میں گھر گھر خوشی ہے کہ رسولؐ کے نواسہ پیدا ہوا۔ ہر طرف سے مبارکباد کی صدائیں آرہی ہیں۔ اصحاب در دولت پر آ کر اظہار مسرت کر رہے ہیں۔ ساکنان ملاء اعلیٰ پر بھی مسرت کے آثار ہیں۔ جبرائیلؑ خوش ہیں کہ میرا خوزادہ آیا۔ میکائیلؑ شاد ہیں کہ میرا شہزادہ آیا۔ رضوان نے باغ جنت سجایا ہے فرط مسرت سے کہہ رہا ہے یہی وہ ناز پروردہ آغوش رسالت ہوگا جس کے لیے میں روز عید لباس لے کر جاؤں گا۔ حوریں اپنی بزم آراستہ کیے ہوتے ہیں غلمان کی محفل علیحدہ جم رہی ہے۔ غرض زمین و آسمان میں اس ولادت کی خوشی ہے ہمارا بھی فرض ہے کہ تحفۂ مبارکباد اپنے رسولؐ کی خدمت میں سیدہؑ کی سرکار میں اپنے مولا و آقا کی بارگاہ میں پیش کریں اور کہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

مجلسِ ہشتم

درحال شہادت امام حسن علیہ السلام

تاریخ شہادت ۲۸ صفر ۴۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ فِی کِتَابِہٖ الْمَجِیْد وَفُرْقَانِہٖ الْحَمِیْد

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (سورہ الذاریات ۵۱/۵۶)

(میں نے جن و انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی غرض خلقت عبادت الہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بغیر کسی استحقاق کے پیدا کیا ہے اور یہ اس کی رحمت و کرم ہے۔ اگر وہ ہمیں عدم سے وجود میں نہ لاتا تو ہم کو اس سے شکایت کا کوئی حق نہ تھا پس سب سے پہلا احسان تو اس کا یہ ہے کہ ہم کو کتم عدم سے منصہ شہود پر لایا۔ پھر دوسرا احسان یہ ہے کہ ہم کو اس نے انسان بنایا اگر وہ حیوان بنا دیتا تو ہمارا اس پر کیا زور تھا۔ تیسرے یہ کہ اس نے ہم کو تندرست اور صحیح الاعضا پیدا کیا چوتھے ہماری زندگی کی تمام ضروریات کو بکثرت ہمارے اردگرد پیدا کر دیا۔ پانی، غذا ہوا وغیرہ ہر جگہ موجود ہے۔ پانچویں وہ اپنی بے شمار نعمتیں ہمیں مفت عطا کر رہا ہے کوئی قیمت ہم سے نہیں لیتا چھٹے اس نے ہم کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور اپنی تمام کائنات کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ساتویں

اس کی تمام مخلوق شب و روز ہماری خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ چاند، سورج، ستارے، آسمان زمین، آگ، پانی، ہوا، پہاڑ، جمادات، نباتات، حیوانات سب ہمارے ہی لیے خلق فرمائے ہیں۔ اس کی بے شمار مخلوق رات دن اسی لیے کام میں لگی ہوئی ہے کہ ہماری ضروریات کو پورا کرے۔ آٹھویں اس نے ہمارا احترام اس حد تک ملحوظ رکھا ہے کہ تمام حیوانات سر جھکا کر اپنی غذا کھاتے ہیں یعنی وہ غذا کی طرف جھکتے ہیں۔ غذا ان کی طرف نہیں آتی۔ لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارا سر نہیں جھکایا ہم غذا کو دہن تک لاتے ہیں هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ احسان کا بدلہ نہیں مگر احسان کیا ہمارا یہ فریضہ نہیں کہ ہم اپنے خالق کے بے شمار احسانات کا شکریہ ادا کریں اس شکریہ ادا کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ جس کی خلاق عالم نے مختلف صورتیں ہمارے فائدے کو ملحوظ رکھ کر قرار دی۔ مثلاً نماز روزہ حج، زکوٰۃ، خمس جہاد وغیرہ وغیرہ

اگر ہم احکام شریعت کے مطابق اپنی زندگی کے تمام کاموں کو انجام دیں تو ہمارا ہر فعل عبادت بن جائے گا۔ مثلاً جائز طریقے سے جب ہم کسب معاش کے لیے اٹھیں گے اہل و عیال کے نفقہ کی فراہمی کا قصد کریں گے تو ہمارا ہر قدم عبادت کہلائے گا۔

جب ہم خلق اللہ کے حقوق ادا کرنے کی سعی کریں گے تو ہماری ہر حرکت و سکون داخل عبادت ہوگی جب ہم تجارت میں کسی خریدار کو دھوکا دینے کا قصد نہ کریں گے پورا تولیں گے پورا ناپیں گے غیر معقول نفع نہیں لیں گے اچھی چیز دیں گے تو ہمارا یہی کام عبادت بن جائے گا ایسی صورت میں خدا کی رحمت و برکت اور توفیق و تفضل ہر قدم پر ہماری مددگار ہوگی اور بے انتہا ثواب ہم کو حاصل ہوگا۔ دین و دنیا میں ہماری فلاح ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بندہ بنکر رہے اور اس کی نافرمانی پر کمر نہ باندھے تو پھر دین و دنیا دونوں جگہ اس کو کامیابی حاصل ہوگی۔ اسی امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاصان خدا نے اپنے ہر کام کو مرضیٔ الٰہی کے تابع کر دیا تھا اور وہ کسی حالت میں بھی حکم خدا کی خلاف ورزی گوارا نہ کرتے تھے۔ چاہے ان کو دنیا میں کیسی ہی سخت سے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ مگر وہ نیک کام کرنا ترک نہ کرتے تھے۔ ہم کو اپنے رسولؐ اور اہل بیتؑ کی زندگی سے سبق لینا چاہیے۔ اگر ہم کو ان سے حقیقتاً محبت ہے تو اس کا ثبوت ہم کو اپنے عمل سے دینا چاہیے نہ کہ صرف زبان سے ہمارے لیے صرف ان کے واقعات زندگی کو سن لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے دکھانا چاہیے۔ آج میں آپ کے سامنے اپنے نبی کے بڑے نواسے حضرت امام حسن علیہ السلام کی مقدس زندگی کے کچھ مختصر حالات پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے نفسیاتی کمالات اور روحانی فضائل بے شمار ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ ان کو بیان کر سکے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بعد ان سے بہتر قضایا کا فیصلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے کبھی کسی قضیہ کو

نہ کسی کے اثر کے ماتحت فیصلہ کیا نہ کسی کے دباؤ سے نہ اپنی خواہش نفسانی کی بناء پر بلکہ جو بات حق ہوتی تھی وہی آپ کا فیصلہ ہوتا تھا آپ کے ایام حکومت میں آپ کے ایک گورنر کا اکلوتا لڑکا جرم میں ماخوذ ہوا اس کا باپ حضرت کی خدمت میں سفارش کے لیے حاضر ہوا آپ اس سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا تم میرے پاس آئے کیوں کیا تم کو یہ امید تھی کہ میں بجائے خدا کو خوش کرنے کے تم کو خوش رکھنا پسند کروں گا۔ اگر تمہارے لڑکے کی بجائے میرا لڑکا بھی اس مواخذہ میں میرے سامنے آتا تو میں اس کے حق میں بھی وہی فیصلہ کرتا جس کا وہ ازروئے عدل و انصاف سزاوار ہوتا۔ یہ تھی سیاست نبویہ۔

آپ کے زہد اور خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ آپ نے تین مرتبہ اپنا کُل مال راہِ خدا میں لٹایا اور دو مرتبہ آدھا مال بخشا جب نماز کا وقت آتا اور آپ وضو کرنے کے لیے بیٹھتے تو خوفِ خدا سے آپ کا جسم تھر تھر کانپنے لگتا چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا کسی نے اس کا سبب پوچھا فرمایا جو شخص اپنے معبود جلیل کے سامنے کھڑا ہو اس کا یہی حال ہونا چاہیے۔ مروی ہے کہ جب حضرت مسجد کے دروازے پر پہنچتے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرماتے تھے اے میرے رب جلیل اے قادر و قیوم ذات تیرا عبد ذلیل تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہے اے محسن! اے قدیم الاحسان تیرا گنہگار بندہ تیرے سامنے تیرے عفو کی امید میں آیا ہے تو اس کی خطاؤں سے درگزر فرما۔

سخاوت کی یہ صورت تھی کہ کبھی کسی سائل کا سوال رد نہ فرماتے تھے۔ ایک بار آپ دو وقت کے فاقے سے تھے۔ تیسرے وقت دو نان آپ کو میسر آئے۔ اسی وقت ایک سائل دروازہ پر نظر آیا آپ نے دونوں روٹیاں اٹھا کر اس کو دیدیں اور خود فاقے سے سو رہے کسی نے کہا یابن رسولؐ اللہ ایسی حالت میں کہ آپ خود غذا کے محتاج تھے اس سائل کو آپ نے اپنی غذا کیوں دی فرمایا یہ سائل میرے دروازے پر آیا اور میں خدا کی درگاہ کا سائل ہوں پس مجھے خوف محسوس ہوا کہ اگر میں اپنے دروازے سے سائل کو رد کر دوں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا اپنی نعمتوں سے مجھے محروم کر دے۔

آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار چند لڑکوں کی طرف سے گزرے ان کے آگے روٹیوں کے ٹکڑے تھے اور سامنے رکھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے آپ کو دیکھ کر عرض کرنے لگے یابن رسول اللہ! ہم غلاموں کی خواہش ہے کہ حضور بھی ہمارے ساتھ تھوڑا سا تناول فرما لیتے۔ حضرت اس وقت برسرِ حکومت تھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر رعایا کی حالت دیکھنے جا رہے تھے ان لڑکوں کو اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور زمین پر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر ان سب کو اپنے ساتھ لیے بیت الشرف پر لائے اور آپ نے ان کو ایک ایک مٹھی درہم دیئے اور نئے کپڑے سلوا کر پہنائے اور فرمایا۔ اے بچو! تمہارے احسان کا بدلہ ابھی تک نہیں ہو سکا کیونکہ تم نے مجھے جو کھانا کھلایا اس کے سوا تمہارے پاس اور کچھ نہ تھا اور میں نے جو کچھ دیا اس کے سوا میرے پاس ہے۔

توکل کا یہ حال تھا کہ ایک بار آپ نے سُنا کہ ابوذر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تو نگری سے نقیری بہتر ہے اور صحت سے بیماری، فرمایا خدا ابوذر پر رحم کرے میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس نے خدا کی مرضی پر بھروسہ کر لیا وہ خدا کی اختیار کی ہوئی چیز پر کیوں دوسری چیز کو اختیار کرے۔

حلم کا یہ عالم تھا کہ ایک بار مروان نے سرِ منبر آپ کی شان میں بہت گستاخانہ کلام کہے اور لوگوں سے کہا یہ باتیں میری حسنؑ تک پہنچا دو۔ میں ان سے ڈرتا نہیں۔ جب حضرت نے اس کی باتیں سنیں تو فرمایا اس سے جاکر کہہ دینا کہ ہر بات کا جواب ہم بھی دے سکتے ہیں لیکن لغو کلام کرنا ہم اہل بیت کی شان سے بعید ہے تیرے اور ہمارے درمیان انصاف کرنے والا خدا ہے اگر تو نے جو کچھ کہا سچ ہے تو اللہ تجھے اس کی جزا دے گا۔ اور اگر جھوٹ کہا ہے تو اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

عمیر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن علیہ السلام سے کبھی کوئی فحش کلمہ سنا ہی نہیں۔ ایک یاران سے اور عمیر بن عثمان سے ایک زمین کی بدولت کچھ جھگڑا تھا حضرت نے جو صورت پیش کی تھی عمیر اس پر راضی نہ ہوتا تھا آخر مجبور ہو کر آپ نے فرمایا۔ ہمارے پاس ناک پر مٹی ڈالنے کے لیے بھی کچھ نہیں۔ گویا یہ کلمہ بہت سخت تھا جو حضرت نے اپنی زبان پر جاری فرمایا۔

ایک شامی نے جو آپ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو طعنہ زنی کرنے لگا۔ حضرت نے حلم سے کام لیا اور اس کی بدگوئی کا جواب نہ دیا۔ جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو آپ نے فرمایا اے شخص اگر تو محتاج ہے تو تجھے کچھ دیں اگر راستہ بھول گیا ہے تو ہدایت کر دیں اگر سواری درکار ہے تو سواری مہیا کر دیں، اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دیں۔ کپڑے کی ضرورت ہو تو کپڑا دیں۔ مفلس ہو تو غنی کر دیں، مہمان ہو تو تیری خاطر و مدارات کریں۔ یہ سُن کر وہ رو دیا اور کہنے لگا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے برحق خلیفہ ہیں۔ آپ اور آپ کے پدر بزرگوار سے میں ہی بغض رکھتا تھا لیکن اب آپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی محبوب نہیں۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ آپ نے ۲۵ حج پا پیادہ کیے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حیا آتی ہے کہ اپنے محبوب سے ایسی حالت میں ملوں کہ اس کے گھر تک پا پیادہ نہ جا سکوں۔ ایک بار آپ پا پیادہ تشریف لے جا رہے تھے اور سواری آپ کے ساتھ تھی۔ جب چلتے چلتے پیروں پر ورم آ گیا کسی نے کہا یابن رسول اللہ جب سواری ساتھ ہے تو آپ سوار کیوں نہیں ہوتے۔ فرمایا میں نے سواری اپنے لیے ساتھ نہیں لی ہے بلکہ اس لیے کہ اگر کوئی راہ گیر راستے میں تھک جائے تو اس کو سوار کر لوں۔

امام حسن علیہ السلام بہت روزے رکھا کرتے تھے۔ سال کے اکثر دن آپ کو حالت صوم میں ہی گزرتے تھے نماز کا یہ حال تھا کہ اکثر عبادت الٰہی میں بسر ہوتا تھا اور بڑی الحاح و زاری کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں استغفار کیا کرتے تھے

آپ بہت سادہ موٹا لباس پہنتے تھے اور اس میں جا بجا پیوند لگے رہتے تھے ایک روز اچھا لباس زیب تن کیے کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک یہودی راستہ میں ملا اس نے کہا آپ کے نانا کا قول ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت لیکن میں تو اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں آپ کے جسم پر قیمتی لباس ہے اور میرے بدن پر نہایت بوسیدہ۔ فرمایا میرے جدِّ نامدار نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ جنّت میں ہمارے لیے جو راحتیں ہیں ان کے مقابل دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ اور دنیا ہمارے لیے قید خانہ کی مانند ہے اور دوزخ میں جو عذاب تم پر ہوگا اس کے مقابلے میں یہ دنیا تمہارے لیے جنت ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی طبیعت میں بڑی احسان شناسی تھی اگر کوئی ذرا سا سلوک آپ کے ساتھ کرتا تھا تو آپ اس کے بدلے میں ضرور کوئی بڑا احسان کرتے تھے ایک بار کنیز نے آپ کو پھولوں کا ایک گلدستہ بطور تحفہ پیش کیا آپ نے شکریہ کے ساتھ لے لیا اور فرمایا۔ میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا کسی نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے فرمایا خدا فرماتا ہے جب تمہیں کوئی ہدیہ دے تو تم اس سے بہتر ہدیہ دو اور اس کے لیے آزادی سے بہتر اور کوئی تحفہ ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت کی عالی ہمتی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار معاویہ مدینہ آیا اور اس نے اعلان کرایا کہ جو مجھ سے ملنے آئے گا میں اسے پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ دینار دوں گا لوگ جاتے رہے اور رقمیں پاتے رہے۔ حضرت امام حسنؑ سب کے آخر میں پہنچے۔ معاویہ نے کہا آپ نے شاید اس لیے تاخیر کی کہ میرا خزانہ ختم ہو جائے اور آپ مجھے بخیل مشہور کریں۔ پھر اپنے غلام سے کہا اچھا جتنی رقم اب تک تقسیم ہو چکی ہے اتنی حسن بن علی کو دیدو تاکہ یہ جان لیں کہ میں ہندہ کا بیٹا ہوں امام حسنؑ نے فرمایا مجھے ایک حبہ کی حاجت نہیں میں فاطمہ بنت محمدؐ کا بیٹا ہوں ہماری سی ہمت تجھ میں کہاں اور روایت میں ہے کہ معاویہ کے غلام نے آپ کا جوتا سامنے رکھا تو آپ نے وہ سب رقم اس کو دے دی۔

معاویہ کو امام حسنؑ سے قلبی عداوت تھی وہ آپ کو لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کرنا چاہتا تھا ایک روز جبکہ وہ مدینہ آیا ہوا تھا اہل مدینہ کے جلسے میں کہنے لگا حسن بن علی بہ لحاظ حسب و نسب تو ضرور مجھ سے بڑے ہیں ورنہ بہ لحاظ کمالات نفسانی میں ان سے بہتر ہوں۔ جناب جابر ابن عبداللہ انصاری کو تابِ ضبط نہ رہی فوراً بھرے مجمع میں اُٹھ کر فرمایا او پسر ہندہ خاموش رہ تو فرزند رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ پر بلحاظ کمالات نفسانی اپنا تفوق ثابت کرنا چاہتا ہے میں اور تمام مسلمان تیری حالت سے بخوبی واقف ہیں تیرا امام حسن علیہ السلام سے کیا مقابلہ تو ان کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ خزانوں کا مالک بن جانے اور زمام حکومت ہاتھ میں لینے سے کمالاتِ نفسانی حاصل نہیں ہو جاتے۔ اے معاویہ کیا تو وہ نہیں ہے جس کی گردن پر بہت سے مسلمانوں کا خون ہے جس نے بے شمار مسلمانوں کے حقوق کو غصب کیا ہے جس نے بیت المال مسلمین میں ناجائز تصرف کر رکھا ہے تیرا کیا مقابلہ فرزند رسولؐ سے۔ معاویہ

یہ سن کر غضبناک ہوا اور چاہا کہ جابر کو قتل کرا دے لیکن جابر بڑے محترم و ذی اثر صحابی تھے وہ کچھ سوچ سمجھ کر اپنے ارادے سے باز رہا۔

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام تقریباً چھ سال زندہ رہے۔ یہ تمام زمانہ آپ نے خانہ نشینی میں گزارا کوفہ کی سکونت ترک کرکے آپ مدینہ آگئے تھے جو وظیفہ صلحنامہ کی شرائط کی بناء پر معاویہ نے طے کیا تھا اس کو بمشکل ایک سال تو پورا کیا اس کے بعد ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کر دیئے گئے۔ آپ کا ایک چھوٹا سا باغ تھا وہی آپ کا ذریعہ معاش بنا رہا اس کی کھجوروں کی فروخت پر آپ کی روزی کا دارومدار تھا۔ آپ اپنا بہت سا وقت مسجد میں گزارتے تھے وہ اصحاب جو محبان علی میں سے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے آپ کے جد کی احادیث آپ کی زبان سے سن کر ان کا مطلب حضرت سے دریافت کیا کرتے تھے۔

ایک روز حسب ذیل سوالات آپ سے کیے گئے آپ نے جو جو جوابات ارشاد فرمائے وہ ایمان کی جان اور حقائق کا خزانہ ہیں۔

۱۔ نیکی کیا ہے ؟	بُرائی کا بدلہ احسان سے دینا۔
۲۔ شرافت کیا ہے ؟	قبیلہ سے نیکی کرنا اور سختی کو برداشت کرنا۔
۳۔ مروّت کیا ہے ؟	پرہیزگاری، پاک دامنی اور اصلاح حال۔
۴۔ جوانمردی کیا ہے ؟	شکر کرنا۔ خوش حالی اور تنگی میں۔
۵۔ بدبختی کیا ہے ؟	جو ہاتھ آئے اسے فضول کاموں میں خرچ کرنا۔
۶۔ مواخات کیا ہے ؟	سختی اور خوشحالی دونوں میں مدد کرنا۔
۷۔ نامردی کیا ہے ؟	سچ کے خلاف کہنا اور دشمن سے ایذا اٹھانا۔
۸۔ غنیمت کیا ہے ؟	پرہیزگاری کی طرف رغبت کرنا اور دنیا کو ترک کرنا۔
۹۔ حکمت کیا ہے ؟	غصہ کا پینا اور نفس پر قابو پانا۔
۱۰۔ مالداری کیا ہے ؟	قسمت الٰہی پر اپنے نفس کو راضی کرنا چاہیے کتنا ہی مال کم کیوں نہ ہو۔
۱۱۔ فقیری کیا ہے ؟	ہر شے کی طرف نفس کا حریص ہونا۔
۱۲۔ ذلّت کیا ہے ؟	صدمہ سے ڈرنا۔
۱۳۔ جرأت کیا ہے ؟	اپنے احباب سے موافقت کرنا۔
۱۴۔ کلفت کیا ہے ؟	ایسے شخص سے سوال کرنا جسے کلام سننے کی طرف توجہ نہ ہو۔

(۱۵) بزرگی کیا ہے؟ ارادہ کی پختگی اور جرم کی معافی۔
(۱۶) روشن دلی کیا ہے؟ نیکی کرنا اور برائی کا چھوڑنا۔
(۱۷) عقلمندی کیا ہے؟ حلم اختیار کرنا اور حکام سے بہ نرمی پیش آنا۔

باوجودیکہ حضرت نے ترک تعلق کر لیا تھا۔ مگر معاویہ کو اس سے بھی چین نہ تھا اس کے دل میں یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ امام حسنؑ سے پہلے مجھے موت آگئی تو یہ سلطنت حسب شرائط صلحنامہ ان کی طرف عود کر جائے گی اور میرا بیٹا اس سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ دن رات اسی فکر میں تھا کہ موقع ملے تو امام حسن علیہ السلام کو قتل کرا دے۔

حضرت نے کوفہ میں ایک عورت سے شادی کی تھی جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا۔ یہ ابوبکرؓ کی بہن ام فروہ کی بیٹی تھی معاویہ نے یہ توڑ جوڑ لگا کر اس سے سازش کی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر امام حسنؑ کو زہر دیدے تو ایک لاکھ درہم انعام دے گا اور اپنے بیٹے یزید سے اس کا نکاح کرا دے گا۔ وہ عاقبت برباد شقاوت کردار معاویہ کی چال میں آگئی اور ایک رات کو نہایت ہی قاتل زہر جو معاویہ کے پاس سے آیا ہوا تھا کھانے میں ملا دیا۔ روضۃ الصفا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو اس نے چھ مرتبہ زہر خورانی کی کوشش کی۔ مگر حسب منشاء کامیابی نہ ہوئی آخر بار زہر چونکہ حد درجہ قاتل تھا۔ اس لیے کھانا کھاتے ہی فوراً ہی حضرت کے بدن میں اس کا اثر دوڑ گیا اور پے در پے آپ کو خون کی قے آنی شروع ہو گئی۔ اور حضرت کی حالت ساعت بہ ساعت خراب ہونے لگی۔

گھر میں ایک حشر برپا تھا بھائی بہنیں اور ساری اولاد آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور حضرت کو حسرت بھری نگاہوں سے ہر عزیز تک رہا تھا آپ ہر ایک کو صبر کی تعلیم دے رہے تھے۔

آپ نے حضرت امام حسینؑ سے فرمایا یوں تو زہر مجھے کئی بار دیا گیا ہے لیکن ایسا قاتل زہر ایک بار بھی نہ تھا اس نے میرے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب میں نہیں بچ سکتا وہ وقت قریب آلگا ہے کہ میں تم سب سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاؤں۔ امام حسین علیہ السلام نے دریافت کیا بھیا یہ تو بتایئے کہ آپ کو یہ زہر کس نے دیا ہے فرمایا جو ہونا تھا ہو گیا نام بتلانے سے اب کیا فائدہ میں جانتا ہوں کہ میرا اصلی قاتل کون ہے لیکن سوائے صبر چارۂ کار نہیں اگر زہر دینے والے سے تم نے بدلہ بھی لیا تو اس قتل کا جو حقیقی باعث ہے وہ تو اپنی سزا کو نہ پہنچے گا۔ اس کے علاوہ قاتل سے بدلہ لینے میں بہت سے مفسدے پیدا ہو جائیں گے۔ اور تم سب کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ بہرحال میری آرزو یہ ہے کہ اپنے نانا کے پاس دفن ہوں لہذا تم نانی عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے قبر رسولؐ کے پاس میری قبر بننے کی اجازت مانگو۔ امام حسین علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں عائشہؓ کے پاس پہنچے اور اپنے بھائیؑ کی وصیت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو عذر نہیں باقی میں نہیں کہہ سکتی کہ بنی امیہ اس کو مانیں گے یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا بنی امیہ کا اس سے کیا تعلق ہے روضہ رسولؐ کی مالک و وارث آپ ہیں نہ کہ بنی امیہ بہرحال امام حسین حضرت عائشہ

کی اجازت لے کر بھائیؑ کے پاس آئے اور سارا حال بیان کیا فرمایا اگرچہ اس وقت اجازت دے دی گئی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ مجھے روضہ رسولؐ میں دفن ہونے کی سعادت نہ ہوگی مروان وغیرہ ان کو ضرور اپنا ہمخیال بنا چھوڑیں گے۔ بہر حال تم کو چاہیئے کہ میرے انتقال کے بعد پھر ایک بار نانی عائشہ کے پاس جانا اگر وہ اپنے قول پر قائم ہوں تو تب تو جوار رسولؐ میں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں ۔

اُمید زیست تو پہلے ہی روز منقطع ہوگئی تھی۔ چار روز نہ معلوم کیوں کر گزر گئے۔ حضرت کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تھا بات کرنا دشوار تھی۔ آخر ۲۸ صفر روز پنجشنبہ ۴۹ھ میں ۴۶ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رحلت کر گئے۔

حضرت امام حسنؑ کی وصیت کے مطابق امام حسین علیہ السلام پھر جناب عائشہ کے پاس گئے اور موت کا حال بیان کر کے روضہ رسولؐ میں دفن ہونے کی دوبارہ اجازت چاہی انہوں نے کہا مجھے تو انکار نہیں بنی اُمیہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ مروان کہتا ہے اگر ایسا ہوگا تو ہمارے اور بنی ہاشم کے درمیان تلوار چل جائے گی۔ لہٰذا مصلحت وقت پر نظر رکھ کر میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ حسن کو وہاں دفن نہ کرو سگی اور سوتیلی نانی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اگر جناب خدیجہ زندہ ہوتیں تو نواسہ کو اس حالت میں چھوڑ کر اول تو اپنے گھر نہ رہ سکتی تھیں پھر ان سے اجازت کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ خود بخوشی نواسہ کا نانا کے پہلو میں دفن ہونا چاہتیں۔ واقعات کی رفتار سے پتہ چلتا ہے کہ کشیدگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ عائشہؓ نے اس مصیبت کے وقت میں بھی شریک غم ہونا گوارا نہ کیا۔

بہر حال امام حسین علیہ السلام ام المومنینؓ کے جواب سے مایوس ہو کر چلے آئے اور اپنے خاندان والوں کو حکم دیا کہ اسلحہ جنگ سے آراستہ ہو کر جنازہ کے ساتھ چلیں اگر بنی اُمیہ مانع آئیں تو پھر بے تامل ان سے جنگ کریں جب مروان کو خبر ہوئی تو اپنے ساتھ بہت سے مسلح سپاہیوں کو لے کر مزاحمت کے لیے آموجود ہوا جب امام حسین علیہ السلام اپنے مظلوم بھائیؑ کا جنازہ لے کر چلے تو بنی اُمیہ نے اہل جنازہ پر تیر برسانا شروع کیے ان میں سے کئی تیر امام بیکس کے جنازہ پر بھی آ لگے جوانان بنی ہاشم بگڑ گئے قریب تھا کہ تلوار چل جائے گی، لیکن کچھ اصحاب آگئے اور امام حسین علیہ السلام کے قدموں پر گر کر عرض کی فرزند رسولؐ آپ صابر و شاکر کے فرزند ہیں اور خود بھی صابر و شاکر ہیں جہاں آپ نے بہت سے مصائب بنی اُمیہ کے برداشت کیے ہیں یہ بھی کیجیے۔

امام حسین علیہ السلام یہ سُن کر خاموش ہو گئے اور اس خیال کو ترک کر کے جنت البقیع کی طرف لے چلے اس وقت فرزند رسولؐ پر رنج و غم کا وہ ہجوم تھا کہ دنیا نظر میں تیرہ و تار تھی نہ معلوم اس وقت کیا کیا خیال دل میں آرہے تھے۔

افسوس ہے مسلمانوں کی حالت پر کہ انہوں نے اولاد رسولؐ کے ساتھ رواداری بھی نہ رکھی جو مسلمانوں میں

پائی جاتی ہے۔ کیا قیامت کی بات ہے کہ باپ کے پہلو میں بیٹے کو جگہ نہ ملی نہ تو یہ ہے کہ جب ابوبکرؓ و عمرؓ روضۂ رسولؐ میں دفن ہوئے تھے تو اولاد رسولؐ نے کوئی مخالفت نہ کی تھی حالانکہ وہ کسی طرح اولاد سے زیادہ وہاں دفن ہونے کے حق دار نہ تھے یہ کوئی جاگیر نہ تھی ملکیت نہ تھی کہ مسلمانوں کو دیتے دل دکھتا تھا دو گز زمین کا معاملہ تھا مگر افسوس کہ اولاد رسولؐ اس کے بھی مستحق نہ سمجھے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اولاد رسول کا کوئی حق سمجھا ہی نہ تھا۔

بہرحال حضرت امام حسینؑ کے لیے یہ وقت شاق تھا اول تو امام حسنؑ جیسے بھائی کی موت وہ اس شان کی موت کہ خدا کسی بھائی کو نہ دکھائے وہ بجائے خود ایک غم کا پہاڑ تھی لیکن زمانے نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حسینؑ کے شکستہ دل پر مصائب و آلام کے اور بے شمار آسمان ٹوٹ پڑے۔ بہرحال جنت البقیع پہنچ کر آپ نے اپنے پیارے بھائی کی میت کو اپنی دادی فاطمہ بنت اسد کی قبر کے پاس دفن کیا اور آہ سرد بھرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

امام حسن علیہ السلام کی موت کا صدمہ جناب زینب و ام کلثوم پر بہت زیادہ تھا جب امام حسینؑ بھائی کو دفن کرکے آئے تو دونوں بہنیں مل کر رونے لگیں آہ آہ جناب زینب نے اپنی زندگی میں کس کس کا ماتم کیا بچی تھیں تو شفیق نانا کو روئیں ابھی آنکھوں کے آنسو سوکھے بھی نہ تھے کہ ماں نے قضا کی سیدہ کے مرنے نے گھر ہی ویران کر دیا۔ جناب زینبؑ ماں کے مرنے سے ایسی دل شکستہ ہوئیں کہ برسوں کسی نے ہنستے نہ دیکھا اس کے بعد امیرالمومنین جیسے شفیق باپ کا ماتم کیا۔ اس کے بعد دو بھائی باقی رہ گئے انہیں سے ٹوٹے دل کی ڈھارس تھی کہ قسمت نے ان میں سے بھی آج بڑے بھائی کو چھین لیا۔ پھر جو حالت بھائی کی دیکھی خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے بھائی جگر کے ٹکڑے طشت میں گرا رہا تھا اور غم نصیب بہن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ آہ کیا حالت ہوگی اس وقت جب جناب زینبؑ نے سنا ہوگا کہ لوگ بھائی کو نانا کی قبر کے پاس دفن نہیں ہونے دیتے اور کلیجہ نہ پھٹ گیا ہوگا۔ جب یہ خبر سنی ہوگی کہ بھائی کی میت پر دشمنوں کے تیر لگے۔

کاش اس پر زینبؑ کے مصائب کا خاتمہ ہو جاتا مگر ابھی پردۂ غیب میں ان کے لیے ہزارہا مصائب روپوش تھے۔ آہ ابھی تو اس نبی زادی کو پنجتن پاک کا خاتمہ ہوتے بھی دیکھنا تھا بوسہ گاہ نبوی کٹتے بھی دیکھنا تھا بھرا گھر اجڑنے اور گود کے پالوں سے بچھڑنے کی بھی روح فرسا مصیبت دیکھنی تھی۔ خیموں کا جلنا، سر سے چادر کا اترنا، بچوں کی تباہی و بربادی۔ قید کی مصیبت برہنہ پشت اونٹوں پر سوار ہونا۔ ننگے سر بازار کوفہ و شام میں پھرایا جانا، پسر زیاد اور یزید کے دربار میں جانا سارے کنبہ کو کھو کر پھر مدینہ پلٹنا۔ غرض ایک دفتر مصیبت تھا جو حضرت زینبؑ کی قسمت اپنے ہاتھوں میں دبائے چلی آرہی تھی اور وقت کے لحاظ سے بلاؤں کے پہاڑ سر پر گرا رہی تھی کوئی بی بی بھی ایسی نظر نہیں آتی جس نے جناب زینبؑ سے زیادہ ظلم سہے ہوں۔

نوحہ

خوں کیوں نہ کلیجہ ہوا اس چرخ کہن کا — خوں ہو کے کلیجہ بہا جس وقت حسنؑ کا
اعدا نے نبی زادہ سے صد حیف دغا کی — مرجھا دیا گل فاطمہؑ زہرا کے چمن کا
گہہ سینہ زنی تھی کبھی فریاد و فغاں تھی — دل توڑ دیا مرگ برادر نے بہن کا
ہے ہے یہ جفا میت فرزند نبیؐ پر — پیکانوں سے غربال ہوا لاشہ حسنؑ کا
کیا زہر تھا قاتل کہ جگر ہو گیا ٹکڑے — جوں لالہ میں رنگ ہوا سارے لگن کا

زہراؑ کا یہ نالہ تھا ہے ہے میرا بچہؑ!
اے ظالموں کیا جرم تھا اس غنچہ دہن کا

مجلس نہم

در حال ولادت امام حسین علیہ السّلام

تاریخ ولادت ۳؍ ماہ شعبان ۴ھ
بروز پنجشنبہ

قصیدہ

از جناب محمد خلیل صاحب خلیل حیدرآبادی

السّلام اے شرف آدم و فخر کونین — السّلام اے خلف الصدق رسول الثقلین!
السّلام اے گہر عصمت و نور ایماں — السّلام اے دُرِ پاکیزہ مرج البحرین
السّلام اے چمن قدس کے روح ریحاں — السّلام اے سمن نور کی بو زیب و زین
السّلام اے سر سردار جوانان جناں — السّلام اے شہ ابرار و امام کونین
السّلام اے شہ لولاک کے نور العین — السّلام اے ملک العرش کے مخدوم حسینؑ
ماہ کنعان بنی مہر درخشان علی — شان ذی شانِ حسن فاطمہ کے دل کے چین
زینت گلشن دیں نزہت باغ رضواں — شمع کاشانہ ایمان و چراغ حرمین

گل گلدستہ تطہیر و درِ مخزن و شرف　نیرِّ عرش علیؑ اور خدائے کونین
رنگ و بو کا تری گلزارِ جہاں میں کوئی گل　نہ کھلا ہے نہ کھلے گا بخدائے دارین
صغرِ سن میں بھی تری قدر بزرگوں سے سوا　تیری خاطر بھی مشیت کا مگر نصب العین
ترے گہوارے کی خدمت بھی ملائک کا شرف　لوریاں دینے کو حوریں تجھے آتی بھی حسینؑ
خلعتِ عید کبھی میوہ جنت بھیجے　ناز بردار ترا خود ہے خدائے دارین
منزلِ اشرف و اقدس تری آغوشِ بتولؑ　تیرے مداح سرِ دوش رسول الثقلین
منزلت کی تری تصدیق حسین منی　معرفت کی تری توثیق حدیث ثقلین
فخر ارباب دیانت تری دلداری ہے　مطمئنہ ہے ترے نفس کی تعریف حسین
تو وہ ہے عاشق جانبازِ جناب احدی　کرتا ہے جس پہ مباہات خدائے کونین
کون ہمسر ترا معیارِ شہادت میں ہوا　فردِ قرباں گر عالم میں مگر تو ہے حسینؑ
ناز ایوب بنا صبر و تحمل تیرا　تیری تسلیم و رضا باعثِ فخرِ کونین
تیری ثابت قدمی تیری صداقت پہ گواہ　بے گناہی پہ تری شمس و قمر ہیں عدلین
بے کسی تیری ہے مختاری جنت کی سند　بے پناہی ہے تری پشت پناہ ثقلین
بے کسی بھی تجھے محبوب رہ خالق ہیں　ورنہ تھی فوج ملائک تری محکوم حسینؑ
تشنہ کامی تری سیراب کن گلشنِ دیں　خشک لب تیرے لب کوثر و تسنیم کا زین
آبِ خنجر ہے تجھے آبِ زلالِ رحمت　عشق معبود میں پھل برچھیوں کے دل کا چین

بے کسی تیری ہے مختاری جنت کی سند
بے کسی بھی تجھے محبوب رہ خالق ہیں
تشنہ کامی تری سیراب کن گلشنِ دیں
آبِ خنجر ہے تجھے آبِ زلالِ رحمت
خونِ اطہر ہے ترا پیکرِ اسلام کی جان
جلوہ گاہ صمدی قلب منور تیرا
نخل توحید کے خوناب سے سینچا تو نے
دین حقا کی بقا امت عاصی کی نجات
آفریں اے رہ معبود میں مرنے والے
ہو ترے روضہ اقدس

بے پناہی ہے تری پشت پناہ ثقلین
ورنہ تھی فوج ملائک تری محکوم حسینؑ
خشک لب تیرے لب کوثر و تسنیم کا زین
عشق معبود میں پھل برچھیوں کے دل کا چین
یاں شیریں تری مرضاتِ الٰہی کا دین
شمع ایمن ترے داغِ دل پہ دردِ حسینؑ
غ اسلام میں تیری ہے یہ سب زیب و زین
س یہی مقصد عالی ترا تھا نصب العین
تا ابد ہے ترا مذکور میان شرقین
پہ تصدق خلیل

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ (سورۃ الاحقاف ۴۶/۱۵)

(اور ہم نے وصیت کی ایک خاص انسان کو اپنے والدین سے ایک خاص احسان کرنے کی وہ ایسا انسان ہے کہ حالت حمل میں بھی اس کی ماں رنجیدہ رہی اور وقت ولادت بھی اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس ماہ ہیں) مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت سیدنا مولانا ابو عبداللہ الحسین کی شان میں نازل ہوئی پہلی بات یہ ہے کہ عموماً بچے نو ماہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور دو سال دودھ پیتے ہیں اس طرح ۳۳ ماہ ہو جاتے ہیں تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سوائے جناب یحیٰ بن زکریا اور امام حسین علیہ السلام کے کوئی بچہ چھ ماہ کا پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ اس آیت میں جس بچہ کا ذکر ہے اور جو حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت بیان کی گئی ہے وہ تیس ماہ ہے اگر دو سال یعنی ۲۴ ماہ دودھ پینے کی مدت نکال دی جائے تو حمل کا زمانہ صرف چھ ماہ ہی رہ جاتا ہے۔

دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ والدین کے ساتھ تمام سعادت مند اولاد نیکی کیا ہی کرتی ہے لیکن وہ کونسی خاص نیکی ہے جو اس انسان مخصوص نے جس کا ذکر اس آیت میں ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ کی وہ نیکی کرنے والے حضرت امام حسین علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنے عمل سے اپنے باپ اور نانا پر بہت بڑا احسان کیا اور وہ خاص احسان یہ تھا کہ اپنے نانا کے دین کو تباہی سے بچا لیا۔ اگر امام حسین علیہ السلام یزید کے مقابلہ کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو یزید دین اسلام کا خاتمہ کیے بغیر نہ رہتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حالت حمل و وقت وضع دنیا میں ہر ماں ہی کو تکلیف ہوتی ہے یہ بات خصوصیت سے ذکر کرنے کے قابل نہ تھی بلکہ اس سے مخصوص وہ خاص رنج و غم ہے جو جناب فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا کو حالت حمل یہ سن کر صدمہ لاحق ہوا کہ ان کا بچہ راہ خدا میں مقتول ہوگا۔ وقت ولادت بھی جبرئیل امین نے یہی خبر دہرائی تھی خیال کیجئے اگر کسی ماں کو بحالت حمل اور بوقت وضع یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بچہ پر ہزاروں بلائیں ٹوٹ پڑیں گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

چونکہ یہ محفل ولادت امام حسین علیہ السلام ہے اس لیے میں ذکر مصائب کر کے آپ کو رلانا نہیں چاہتا بلکہ ولادت باسعادت کا ہی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ واضح ہو کہ انسانی خلقت دو طرح سے ہوتی ہے۔ اوّل وہ پیدائش جس کا تعلق عالم خلق سے ہوتا ہے دوسری وہ جس کا تعلق عالم امر سے ہوتا ہے آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ

بھی دو صورتیں تکوین کے لیے ہیں، اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (سورہ الاعراف ۷/۵۴) (بے شک اسی کے لیے خلق ہے اور اسی کے لیے امر) عالم خلق سے تعلق رکھنے والوں کی پیدائش اسباب و وسائط کی محتاج ہے مثلاً مرد و زن کا ملنا پھر نطفہ کا علقہ بننا پھر علقہ کا مضغہ پھر مضغہ کا گوشت بننا پھر جان پڑنا نو ماہ میں اس خلقت کا مکمل ہونا اور بچہ کا بطن مادر سے باہر آنا، عام بچوں کی خلقت یوں ہی ہوتی ہے لیکن جن بچوں کا تعلق عالم امری سے ہوتا ہے وہاں یا تو اسباب و وسائط سرے ہی سے مفقود ہو جاتے ہیں جیسے خلقت آدم یا ایک وسیلہ رہتا ہے دوسرا برطرف کر دیا جاتا ہے جیسے ولادت جناب عیسیٰ علیہ السلام یا وسائل تو رہتے ہیں مگر بہت سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں جیسے جناب ابراہیم کا انگوٹھا چوس کر پرورش پانا ایک دن میں اتنا بڑھنا جتنا عام بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں۔ جناب موسیٰ کے صندوق کا دریائے نیل میں نہ ڈوبنا جناب موسیٰ کا کسی کا دودھ نہ پینا اپنی ماں کو پہچان لینا یا جب پیار کرنے کے لیے فرعون نے گود میں لیا تو اس کی ایک ہاتھ سے داڑھی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے طمانچہ مارنا یا جناب یحییٰ کا بچپن میں صاحب عقل و شعور ہونا جناب عیسیٰ کا گہوارہ میں یہودیوں سے کہنا اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا (سورہ مریم ۱۹/۳۰) (اللہ نے مجھے کتاب دی ہے نبی بنایا ہے۔ یا حضرت رسولؐ خدا کی ولادت کے وقت مابین آسمان و زمین ایک نور ساطع ہونا۔ قصر کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گر پڑنا بتوں کا سرنگوں ہو جانا یا امیر المومنینؑ کے پیدا ہوتے ہی کلام کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں بطور معجزہ ظاہر ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے عالم امری سے تعلق رکھنے والے ہیں وہاں تو کُنْ فَیَکُوْن ہے یعنی خدا نے کسی چیز کو حکم دیا ہو پس وہ ہو گئی اسباب و وسائط کی ضرورت نہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا تعلق بھی چونکہ عالم امری سے تھا لہٰذا پہلی بات تو یہ ہوئی کہ چھ ماہ حمل کے بعد پیدا ہوئے اور زندہ رہے دوسرے بجائے ماں کے دودھ کے زبان رسولؐ چوس کر پرورش پائی یہ خصوصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جس طرح آنحضرتؐ سے پہلے ملک عرب میں کسی کا نام نہیں ہوا اسی طرح حسنؑ و حسینؑ بھی کسی کا نام نہیں ہوا۔ اگر یہ مبارک نام خداوند عالم نے محفوظ نہ کر لیے ہوتے تو کسی نہ کسی ذہن میں آ ہی جاتے اور کوئی نہ کوئی تو اس نام سے موسوم ہو ہی جاتا۔

عرب میں عام قاعدہ یہ تھا کہ جو بچے پیدا ہوتے تھے ماں باپ ان کو دایوں کے سپرد کر دیتے تھے لیکن یہ خصوصیت بھی امام حسین علیہ السلام ہی کو حاصل ہوئی کہ آپ نے سوائے اپنی مادر گرامی کے اور کسی کا دودھ پیا ہی نہیں، حضرت کی نشوونما ماں کے دودھ سے ہوئی یا زبان رسولؐ چوس کر۔ ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو دیکھا کہ وہ حسینؑ کے ہونٹ کو اس طرح چوستے تھے جیسے کوئی نانہ کھجور کو چوستا ہے۔

جناب سیدہ کی ایک لوری سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ بہ نسبت اپنے باپ کے نانا سے زیادہ

مشابہ تھے چنانچہ وہ لوری یہ ہے۔

اَنْتَ شَبِیْهٌ بِاَبِیْ وَلَسْتَ شَبِیْهًا بِعَلِیّ۔

حضرت رسولؐ خدا اپنے اس چھوٹے نواسے کو اس طرح پیار کیا کرتے تھے کہ دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے پیروں پر کھڑا کر لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے تَقَدَّمْ یَا قُرَّةَ عَیْنِیْ (یعنی اے میری روشنی چشم آگے بڑھ پس حضرت امام حسینؑ ہلکے ہلکے آگے بڑھتے تھے۔ حضرت چھاتی سے لگا لیتے تھے اور چشم و دہن پر بوسہ دے کر فرماتے تھے خداوندا میں اپنے اس فرزند کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اس کو بھی دوست رکھ۔

حضرت رسولؐ خدا کو اپنے دونوں نواسوں سے اس درجہ محبّت تھی کہ حضرت کے زمانے کی کوئی صحبت اور کوئی مجلس ان کے ذکر سے خالی نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ عبادت کے مخصوص اوقات میں بھی ان کی یاد رہتی وعظ میں جہاں احکام خدا کے متعلق لوگوں کو ہدایت فرماتے ان دونوں کی محبت کی تاکید بھی ضرور کرتے لوگوں پر یہ واضح کیا جاتا تھا کہ ان کی محبت عبادت خدا میں داخل اور خدا کی خوشنودی اور نجات آخرت کا بہترین ذریعہ ہے۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسولؐ خدا نماز پڑھا کرتے تھے تو اکثر حسنین علیہما السلام آپ کی پشتِ مبارک پر سوار ہو کر کودنے لگتے تھے۔ ایک بار کسی نے ان کو ہٹا دیا۔ حضورؐ نے اس عمل سے گرانی محسوس کی اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ ان سے بھی محبت کرے۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت رسولؐ خدا نماز عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے کندھے پر امام حسینؑ سوار تھے۔ مسجد میں پہنچ کر آپ نے ان کو اُتار دیا اور نماز میں مشغول ہو گئے جب سجدہ میں گئے تو آپ نے ذکر سجدہ کو اتنا طول دیا کہ لوگوں کو تعجب ہوا ختم نماز پر لوگوں نے پوچھا۔ حضور اتنے طولانی سجدہ کا سبب کیا تھا فرمایا کوئی خاص بات نہ تھی حسینؑ میری پشت پر سوار ہو گیا تھا میں نے پسند نہ کیا کہ اس کو پشت پر سے اُترنے پر مجبور کر دوں۔

ایک بار حضورؐ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں امام حسینؑ کو بچوں کے ساتھ بھاگتے دوڑتے دیکھا آپؐ نے چاہا کہ ان کو پکڑ لیں مگر وہ ادھر اُدھر بھاگتے رہے حضرت بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہے آخر پکڑ لیا اور منہ کے بوسے لے کر فرمانے لگے حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں خداوندا تو اس کو دوست رکھ جو حسینؑ کو دوست رکھے حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے۔

ایک روز حضورؐ نے امام حسین کے رونے کی آواز سنی تو جناب سیدہ کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا بیٹی اس کو نہ رُلایا کرو۔ اس کے رونے سے مجھے سخت اذیت ہوتی ہے ہر چیز کے واسطے انسان کے دل میں ایک جگہ ہوتی ہے لیکن دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو حسینؑ کی جگہ میرے دل میں لے سکے کسی نے کہا حضورؐ کو حسین سے بڑی محبت ہے۔ فرمایا ہاں اللہ نے مجھے حسینؑ سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ اللہ حضرت کو اپنے اس نواسہ کی خاطر کتنی عزیز تھی کہ ایک بار حضرت نے اپنی پشت مبارک پر حسینؑ کو سوار کیا اور فرش مسجد پر چلنے لگے۔ معصوم بچے نے خوش ہو کر حل حل (اونٹوں کے چلانے کی آواز) کہنا شروع کیا پھر عرض کی نانا جان اونٹوں کے تو مہار ہوتی ہے۔ ہمارے اونٹ کی مہار کہاں ہے آپ نے فوراً اپنے دونوں گیسو حسینؑ کے ننھے ننھے ہاتھوں میں دے دیئے پھر حسینؑ نے کہا نانا اونٹ تو بولتا ہے ہمارا اونٹ تو بولتا ہی نہیں۔ حضورؐ نے ان کی دلجوئی کے لیے دوبار زبان مبارک سے العفو العفو (اونٹ کے بولنے کی آواز) فرمایا۔

دنیا کے بچے جیسے گھر میں پرورش پاتے ہیں ویسے ہی اخلاق و عادات اختیار کرتے ہیں ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کے عادات و خصائل ان کے دل میں جگہ پکڑتے رہتے ہیں امام حسین علیہ السلام نے ایسے گھر میں پرورش پائی جہاں رات دن سوائے ذکر الٰہی اور نیک اعمال کے کسی امر کا چرچا ہی نہ تھا خدا کا رسول، باپ تھا مومنوں کا امیر، اسلام کا سچا ناصر و مددگار، ماں تھی صدیقہ طاہرہ زنان عالم کی سردار پھر ایسی آغوش میں پل کر امام حسینؑ کیوں نہ وہ ہستی بنتے جس پر نوع انسانی کو قیامت تک فخر رہے گا۔ نانا کی صحبت میں رہتے یا ماں باپ کی خدمت میں ہر جگہ آپ کو وہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع تھا جو انسان کے نفسانی کمالات کو اعلیٰ نقطہ تک پہنچا دیتی ہے۔ ان کا گھر ہدایت و رہنمائی کا بہترین مدرسہ تھا جس میں خدا کے برگزیدہ بندے نوع انسانی کے بہترین معلم شب و روز درس دینے میں مشغول رہتے تھے۔

امام حسین علیہ السلام اس بے مثال بہادر انسان کے بیٹے تھے جس کی شجاعت کی تمام ملک عرب میں دھاک تھی جس کی تلوار کی چمک نے بڑے بڑے شہ زوروں کے پتے پانی کر دیئے تھے جو میدان جنگ میں قدم جما کر ہٹنا ہی نہ جانتا تھا اس لیے حضرت علیؑ نے اپنے بیٹوں کو بچپن ہی سے سپاہیانہ کرتب سکھانا شروع کر دیئے تھے کہ یہ دونوں جوان ہو کر عرب کے نامور سپاہی بنیں اور اپنی طاقت سے اسلام کی نمایاں خدمات انجام دے سکیں اس کے ساتھ دینی تعلیم بھی بہترین طریقے سے دی جاتی تھی۔ خط کی درستی پر بھی توجہ تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک بار دونوں بھائیوں نے ایک ایک تختی لکھی اور حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگے۔ بابا جان بتایئے کس کا خط اچھا ہے حضرت نے فرمایا تم دونوں اپنی مادر گرامی کے پاس جاؤ وہ فیصلہ کریں گی جب وہاں پہنچے تو انہوں نے فرمایا اپنے نانا کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا فیصلہ کراؤ۔ غرض دونوں بچے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا میں اس کا

فیصلہ خدا سے چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی۔ جبرئیل امین کو حکم ہوا کہ تم ایک سیب لے کر جاؤ اور دونوں تختیوں پر ڈال دو۔ جس کے خط پر وہ سیب پڑ جائے اس کا خط اچھا ہے۔ جبرئیلؑ آئے اور وہ سیب ڈالا بحکم خدا اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں تختیوں پر جا پڑا۔ جس سے دونوں بچے خوش ہو گئے۔ (نزہۃ المجالس امام نسفی)

اور بعض کتابوں میں اس کا فیصلہ یوں لکھا ہے کہ جناب سیدہ نے ایک لڑی موتیوں کی توڑ کر ڈال دی۔ اور فرمایا جو زیادہ موتی چن لائے اس کا خط اچھا مانا جائے گا۔ جب دونوں صاحبزادے چن کر لائے اور شمار کیا گیا تو موتی برابر تھے۔

ایک دن حضرت رسولؐ خدا مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شکاری نے ہرن کا چھوٹا سا بچہ بطور تحفہ پیش کیا حضرت امام حسنؑ اس وقت مسجد میں موجود تھے آپ نے وہ بچہ ان کو عنایت فرما دیا وہ خوش خوش اسے لیے ہوئے گھر میں آئے اور امام حسینؑ کو دکھا کر کہنے لگے آج نانا نے ہمیں یہ بچہ آہو عطا فرمایا ہے امام حسینؑ بچہ تو تھے ہی ان کے دل میں بھی ہرن کے بچے کا شوق پیدا ہوا فوراً مسجد میں آئے اور حضرت رسولؐ خدا سے بچہ آہو مانگنے لگے حضرت متردد تھے کہ حسینؑ کو کیوں کر خوش کریں۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک ہرنی مع بچے کے چلی آ رہی ہے۔ اس نے رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور یہ بچہ حاضر ہے شوق سے اسے اپنے پیارے نواسے کو دے دیجئے میں اپنے بچے کو لیے ہوئے جنگل میں چر رہی تھی کہ ایک غیبی آواز نے کہا اے ہرنی جلد اپنے کو مع بچہ کے خدمت رسولؐ میں پہنچا دے۔ ایسا نہ ہو کہ حسینؑ رونے لگے۔ الغرض حضرت نے وہ بچہ امام حسینؑ کو عطا فرما دیا۔

مروی ہے کہ ایک روز حضرت رسولؐ خدا امام حسین علیہ السلام کو اپنے کاندھوں پر سوار کیے ہوئے بیت الشرف سے تشریف لائے عمرؓ نے دیکھ کر کہا اے حسین خوشا نصیب تمہارے کہ کیا اچھا مرکب پایا ہے۔ یہ سن کر حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا اے عمر اس کے ساتھ یہ بھی کہو کہ اے رسولؐ خوشا نصیب آپ کے کیا اچھا راکب پایا ہے۔

اپنے باپ اور نانا کی طرح حضرت امام حسینؑ بڑے رحم دل اور صاحب لطف و کرم تھے انس بن مالک کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ کنیز نے دستر خوان بچھایا اور کھانا سامنے رکھا اتفاقاً ایک پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور سالن حضرت کے لباس پر گر گیا۔ آپ اس امر سے مکدر ہوئے مزاجداں کنیز دست بستہ عرض کرنے لگی وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (سورہ آل عمران ۳/۱۳۴) (یعنی آپ غصے کو برداشت کرنے والے ہیں) فرمایا جا تجھے میں اس غفلت کی کوئی سزا نہ دوں گا اب اس نے پوری آیت کا دوسرا ٹکڑا پڑھا۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (سورہ آل عمران ۳/۱۳۴) (لوگوں کو بخشنے والے ہیں) فرمایا جا میں نے تجھے معاف کیا۔ اب اس نے تیسرا ٹکڑا پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (سورہ آل عمران ۳/۱۳۴) فرمایا جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا اور جو کچھ تجھے ملا کرتا تھا آئندہ اس سے

دو چند ملا کرے گا۔

اسامہ بن زید ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام ان کی عیادت کو تشریف لے گئے قریب پہنچے تو یہ کہتے سُنا واغماہ واغماہ (اُف کتنا بڑا غم ہے) حضرت نے پوچھا بھائی تم کو کیا غم ہے انہوں نے کہا کہ ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں اور موت سر پر آ پہنچی۔ اس کے ادا نہ ہونے کا صدمہ موت کی تکلیف سے کچھ کم نہیں۔ آپ نے فرمایا تم فکر نہ کرو تمہارا قرض میرے ذمہ رہا۔ اسامہ کہنے لگے میں ڈرتا ہوں کہ اس قرض کے ادا کرنے سے پہلے میں کہیں مر نہ جاؤں حضرت نے فرمایا تم اطمینان رکھو تمہارے مرنے سے پہلے ہی قرضہ چکا دوں گا۔ چنانچہ آپ نے جس طرح بنا ان کا قرضہ چکا دیا۔

مروان حاکم مدینہ ایک بار فرزدق شاعر سے ایسا ناراض ہوا کہ اس کے شہر بدر ہونے کا حکم دے دیا وہ بے چین ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور تمام حال بیان کر کے کہنے لگا مجھے اب یہاں سے جانا ضروری ہے اور میرے پاس زاد راہ کچھ نہیں آپ نے فرمایا تو غم نہ کر تیرا زاد راہ میں فراہم کر دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ضرورت کے مطابق اس کو زر نقد عطا فرما دیا کچھ لوگوں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ فرزدق ایک لاابالی آدمی ہے اور مرد شاعر ہے آپ نے اتنی بڑی رقم بغیر واقعہ کو تحقیق کیے کیوں عطا فرما دی فرمایا سب سے بہتر وہ مال ہے جس سے آدمی اپنی عزت کو بچائے میرے نانا حضرت رسولؐ خدا نے کعب ابن زبیر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی مدینہ آیا اور پوچھنے لگا اس وقت مدینہ میں سب سے سخی کون ہے لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا پتہ دیا۔ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ عبادت میں مشغول ہیں۔ اس نے حضرت کی تعریف میں تین شعر پڑھے۔ جب حضرت عبادت سے فارغ ہوئے تو آپ نے خادم سے پوچھا حجاز کے مال سے تیرے پاس کس قدر باقی ہے عرض کی چار ہزار دینار فرمایا ہم سے زیادہ اس مال کا مستحق آ گیا۔ پس آپ نے وہ تمام رقم ایک رومال میں لپیٹی اور خادم سے فرمایا اس صاحب حاجت کو دروازے پر بلالا۔ وہ شخص حاضر ہوا تو آپ نے کواڑ کی آڑ سے وہ رقم عطا کی اور تین شعر اس کے شعروں کے جواب میں ارشاد فرمائے جن کا مطلب یہ تھا اس کو لے لو۔ میں تجھ سے اس قلیل رقم کے لیے معافی کا خواستگار ہوں مگر یقین کر کہ مجھے تیرے حال پر شفقت ضرور ہے اگر حکومت ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو دیکھ لیتا کہ ہماری بخشش کا بادل کس طرح تیرے اُوپر برستا مگر حالات زمانہ بدلتے رہتے ہیں میرا ہاتھ اس وقت تنگ ہے۔ اعرابی یہ سن کر رونے لگا۔ فرمایا اے اعرابی تیرے رونے کا کیا سبب ہے۔ اس نے کہا میں اس لیے روتا ہوں کہ ایسے کریم النفس وجود کو قبر کی خاک کیوں کر چھپائے گی۔

ایک دن آپ نے ایک غلام کو دیکھا کہ اپنے کتے کو کھانا کھلا رہا ہے حضرت نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا یابن رسول اللہ میں ایک مصیبت زدہ آدمی ہوں۔ اس کے کتے کو خوش کر کے خدا کو اپنے سے خوش کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے پوچھا کیا مصیبت درپیش ہے اس نے کہا میں ایک یہودی کا غلام ہوں اور اس سے آزادی چاہتا ہوں۔ اس کی یہ انتہائے تمنا سن کر حضرت کے دل پر بڑا اثر ہوا فوراً اس یہودی کے پاس آئے اور دو سو دینار اس غلام کی قیمت دے کر اسے آزاد کرا دیا۔ یہودی حضرت کی یہ شفقت دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے عرض کی میں نے اس غلام کو تو آپ کے عطیے کے سبب سے آپ کے حوالے کیا اور اپنا وہ باغ بھی اس کی ملکیت قرار دیا جس کی خدمت اس سے متعلق تھی اور یہ دینار میں آپ کی نذر کرتا ہوں حضرت نے فرمایا میں نے یہ رقم تجھے ہبہ کردی یہودی نے عرض کی میں نے اسے قبول کیا اور یہ تمام رقم اس غلام کو بخش دی۔ حضرت نے فرمایا میں نے اس غلام کو معہ ان تمام اموال و متعہ کے راہ خدا میں آزاد کیا۔ یہودی کی بی بی پس پردہ یہ تمام ماجرا دیکھ اور سن رہی تھی۔ بے ساختہ بول اٹھی میں نے اپنا تمام مہر اپنے شوہر کو معاف کیا میں اسلام قبول کرتی ہوں۔ یہودی نے کہا میں بھی مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ تھی اہل بیت کی شان۔

حضرت امام حسین علیہ السلام بیواؤں اور یتیموں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ اکثر راتوں کو روٹیاں اور خرمے زنبیلوں میں بھر کر ان کے لیے لے جاتے تھے خود محنت کر کے جو حاصل کرتے تھے وہ بجائے اپنے خرچ میں لانے کے اکثر اوقات بیواؤں اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے۔

ایک بار آپ نے چند فقیروں کو دیکھا سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے اپنے عبا کے دامن میں چھپائے ہوئے کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر کھانے کی دعوت دی۔ حضرت ان کے پاس بیٹھ گئے اور نہایت محبت و شفقت سے فرمایا اگر تمہاری غذا صدقہ نہ ہوتی تو میں ضرور کھاتا یقیناً تم جانتے ہو کہ صدقہ اہل بیت پر حرام ہے۔ اس لیے مجبور ہوں۔ پھر ان فقرا کو ساتھ لے کر گھر تشریف لائے اور ان کو اچھا کھانا کھلایا۔ پہننے کے لیے لباس دیا اور تھوڑے سے درہم و دینار بھی عطا کیے۔

حضرت انتہا درجہ متواضع تھے اور جو شخص بہ تواضع پیش آتا اس کی بڑی سے بڑی خطا بھی معاف کردیتے تھے۔

ایک بار آپ جناب محمد حنفیہ سے کسی بات پر ناخوش ہو گئے کسی نے ان سے کہا امام حسین علیہ السلام تم سے ناراض ہیں اب وہ تمہارے پاس کبھی نہ آئیں گے انہوں نے کہا کہ میں اپنے بھائی کو خوب جانتا ہوں وہ بڑے صاحب لطف و کرم اور عفو کرنے والے ہیں میں بلاؤں گا تو ضرور تشریف لائیں گے۔ یہ کہہ کر اس مضمون کا خط لکھا۔

اے برادر بزرگوار ہمارے اور آپ دونوں کے باپ علیؑ ہیں پس باپ کے اعتبار سے نہ مجھ

کو آپ پر فخر ہے نہ آپ کو مجھ پر البتہ آپ کی مادر گرامی بنت رسولؐ ہیں اگر دنیا کا تمام جازی سونا میری ماں کی ملکیت بن جائے تب بھی وہ آپ کی ماں کے برابر نہیں بن سکتیں پس میں التجا کرتا ہوں کہ آپ یہ خط ملاحظہ فرماتے ہی میرے پاس تشریف لاکر مجھے سرفراز قرار دیں کیونکہ فضیلت میں آپ مجھ سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ یہ خط پڑھ کر آپ اسی وقت اپنے چھوٹے بھائی کے پاس چلے آئے۔

سرعت فہم اور حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عبداللہ بن عمرو ابن العاص کے گھر کی طرف سے حضرت کا گزر ہوا عبداللہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگا آپ کی نسبت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے اگر اس شخص کو (مراد امام حسین علیہ السلام) کو دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا حضرت نے فرمایا اگر تو مجھ کو آسمان و زمین کی تمام مخلوقات سے افضل جانتا ہے تو پھر تو نے صفین میں میرے اور میرے باپ کے ساتھ جنگ پر کمر کیوں باندھی تھی۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میرے پدر بزرگوار مجھ سے فضیلت میں کہیں زیادہ تھے۔ عبداللہ نے کہا کہ میں اپنے باپ کے حکم سے مجبور تھا حضرت رسولؐ خدا نے باپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ فرمایا تو سمجھا بھی ہے خدا و رسولؐ کا حکم اس معاملہ میں کیا ہے کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورہ لقمان ۱۵/۳۱) اگر تیرے ماں باپ شرک کی طرف لے جانا چاہیں تو ان کی اطاعت نہ کر۔ اور ایسا ہی میرے نانا نے فرمایا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ۔ (مخلوق کی اطاعت ایسی صورت میں جائز نہیں جبکہ خالق کی معصیت لازم آئے۔ یہ سن کر عبداللہ سخت نادم ہوا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

حضرت کی عبادت کا حال کس کی زبان میں یہ طاقت ہے کہ بیان کر سکے۔ جس نے حضرت رسول خدا اور حضرت علی مرتضیٰ اور جناب فاطمہ جیسے عبادت گزاروں کی آغوش میں پرورش پائی ہو ان کی صحبت سے فیض عام حاصل کیا ہو اس کی عبادت کا کیا کہنا۔ حضرت کو بچپن ہی سے عبادت کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ اکثر رسولؐ خدا کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے تھے۔

کسی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے والد ماجد کی اولاد اس قدر کم کیوں ہے فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہر شب ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ۲۵ حج پا پیادہ کیے حالانکہ سواریاں آپ کے ساتھ ہوتی تھیں۔

یہ عبادت کا شوق ہی تو تھا کہ شب عاشورہ آپ نے محض عبادت کے لیے ایک رات کی

مہلت لی تھی۔ شبِ عاشور جس قدر مصائب کا ہجوم تھا محتاج بیان نہیں مگر ایسی حالت میں بھی آپ نے وہ تمام رات ذکر الہیٰ میں گزار دی۔ اس سے بھی زیادہ سخت وقت روز عاشور نماز ظہر کا تھا۔ فوج مخالف کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام ایسی حالت میں بھی نماز ادا فرما رہے تھے اس سے بھی زیادہ سخت وقت نماز عصر کا تھا جبکہ ہر طرف سے وار پر وار ہو رہے تھے۔ ایسی حالت میں آپ نے اشاروں سے نماز ادا کی۔

شوقِ عبادت کے ساتھ خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ جب نماز عصر کے لیے کھڑے ہوتے تو چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا اور سارے بدن میں تھرتھری پڑ جاتی تھی۔ جب کوئی وجہ دریافت کرتا تو آپ فرما دیتے جس شخص کو دنیا میں خوفِ خدا ہو گا وہی قیامت میں چین سے رہے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام حق بات پر استقلال سے قائم رہنے والے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو امر حق سے بال برابر نہ ہٹا سکتی تھی۔ بیعت یزید کے لیے کیا کیا زور آپ پر دیا گیا۔ کون کون سے مصائب آپ پر نازل نہ ہوئے لیکن آپ نے مطلق اس کی پرواہ نہ کی حمایت حق میں آپ نے جان تک دے دی لیکن اس سے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ عمر سعد نے کربلا میں انتہائی کوشش اس امر کے متعلق کی حضرت کسی طرح بیعت یزید پر اپنی رضا مندی ظاہر کر دیں لیکن آپ نے انکار کو اقرار سے ہرگز نہ بدلا اور ہر بار یہی جواب دیا میں کبھی ذلت کے ساتھ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دوں گا۔ اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ۔ (میرے نزدیک ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

جس زمانہ میں مروان عراق کا گورنر تھا معاویہ نے اسے لکھا کہ عبداللہ بن جعفر کی بیٹی کی خواستگاری یزید کے لیے کرو مروان نے حضرت عبداللہ سے اس کا ذکر کیا انہوں نے کہا اختیار امام حسین کو ہے مروان حضرت کی خدمت میں آیا اور معاویہ کا پیغام پہنچایا اس وقت آپ کی خدمت میں سبزوار کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا میں اس امر میں استخارہ کر دوں گا مروان نے کہا یہ بھی سن لیجئے معاویہ نے کہا ہے عبداللہ جس قدر مہر مجھ سے طلب کرے گا میں دوں گا اور ان دونوں خاندانوں میں صلح قائم رکھوں گا آپ کے باپ کا قرضہ بھی ادا کر دوں گا اے حسینؑ! آپ پر یہ بھی واضح ہو کہ یزید کی نسبت آپ کو اچھا سمجھنے والے کم ہیں یزید سے طلب کیا جانا ہی فضول ہے کیونکہ اس کا مثل دنیا میں نہیں اس کے روئے مبارک روشن کے ذریعہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہم لوگوں کو برگزیدہ کیا اور ہم کو دینی خدمت کے لیے پسند فرمایا اور تمام خلقت پر فضیلت دی اے مروان یہ جو تو نے کہا ہے کہ ام کلثوم دختر عبداللہ

کا مہر جس قدر ان کے باپ مانگیں گے دیا جائے گا تو ہم اہل بیت کی بیٹیوں کا مہر وہی ہوا کرتا ہے جو حضرت رسولؐ خدا نے جاری کر دیا ہے یعنی چار سو اسی درہم اور جو تو نے کہا ہے کہ باپ کا قرض بھی ادا کر دیا جائے گا تو ہمارے خاندان کی بیٹیوں نے کب ہمارے قرضے ادا کئے ہیں جو ہم اپنی لڑکیوں سے قرض ادا کرائیں۔ رہا صلح کا معاملہ تو ہماری مخالفت تم لوگوں سے محض خوشنودی خدا کے لیے ہے لہٰذا ہم کبھی مال دنیا کی لالچ میں تم سے صلح نہ کریں گے۔ جب نسلی قرابت نے کچھ فائدہ نہ دیا تو نسبتی قرابت کیا صلح کرا سکتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یزید سے مہر کیوں لیا جائے گا تو اس کی ہستی کیا ہے اس سے اور اس کے باپ دادا سے جو لوگ افضل تھے انہوں نے مہر دیا ہے اور ان سے مہر لیا گیا ہے۔ رہا تیرا یہ کہنا کہ آپ کو اچھا سمجھنے والے کم ہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ یزید کو اچھا سمجھنے والے جاہل ہیں اور مجھے اچھا سمجھنے والے اہل عقل و ہوش۔

اس کے بعد آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا تم لوگ گواہ رہنا میں نے دختر عبداللہ کا عقد ان کے چچا زاد بھائی قثم بن جعفر سے چار سو اسی درہم پر کر دیا ہے انہیں اپنی مدینہ والی زمین جس کا سالانہ محاصل آٹھ ہزار اشرفیاں ہیں دے دیں یہ ان کی بسر اوقات کے لیے کافی ہے۔

مروان یہ سن کر جل گیا اور کہنے لگا اے بنی ہاشم تم اپنی عداوت کو نہیں چھوڑتے آپ نے فرمایا کیا تجھے وہ واقعہ یاد نہیں کہ جب ہمارے بھائی امام حسنؑ نے عائشہ بنت عثمان سے خواستگاری کی تھی تو تم نے کہا تھا ہم تو اس کا عقد عبداللہ ابن زبیر سے کریں گے۔ مروان یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔

حضرت کے زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ اپنے باپ اور نانا کی طرح آپ نے ہمیشہ زاہدانہ زندگی بسر کی۔ نہ کبھی قیمتی لباس پہنا نہ لذیذ غذا تناول فرمائی جہاں کہیں سے بھی کچھ ہاتھ آتا فقیروں اور مسکینوں پر تقسیم کر دیتے ایک دن بیت المال مسلمین سے آپ کو رقم ملی تھی اسے سامنے رکھے ہوئے اس فکر میں بیٹھے تھے کہ محتاج لوگ آجائیں تو ان پر تقسیم کر دیں کسی نے عرض کی یا ابن رسولؐ اللہ آپ کی عبا میں جا بجا پیوند لگے ہوئے ہیں اس رقم میں سے ایک عبا کیوں نہیں بنا لیتے۔ فرمایا میرے لیے یہی کافی ہے اپنی زینت میں صرف کرنے سے یہی بہتر ہے کہ محتاجوں کی ضرورتوں پر خرچ کیا جائے باوجودیکہ حضرت کے پاس سواری تھی مگر ۲۵ حج پا پیادہ کیے۔ اکثر لوگ بہترین تحفے آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے لیکن آپ کبھی اپنے صرف میں نہ لاتے تھے بلکہ ان کو دوسروں کی حاجت براری میں خرچ کرتے تھے۔

حضرت حد درجہ حلیم اور بردبار تھے اکثر اوقات آپ کے حلم کو دیکھ کر لوگ دانتوں میں انگلی دبا لیتے تھے ایک روز حضرت کہیں تشریف لے جا رہے تھے کسی نے آپ کے ہمراہی سے پوچھا یہ کون ہیں جو حضرت رسولؐ خدا کا عمامہ سر پر رکھے لباس رسولؐ بر میں پہنے اور شمشیر رسولؐ کمر سے باندھے ہیں۔ انہوں نے کہا تو نہیں جانتا یہ حضرت رسولؐ خدا کے نواسے حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ یہ سن کر وہ حضرت کو برا بھلا کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے عزیز! اگر جنگل کی ہوا نے تیرے دماغ میں خشکی پیدا کر دی ہے تو چند روز میرے پاس

قیام کرنا کہ تیرا علاج کراؤں۔ اگر تیری بی بی نے تجھے ستایا ہے اور تو اس سے لڑ کر نکلا ہے تو روپیہ مجھ سے لے اور اس کو جا کر خوش کر حضرت کی یہ نرم گفت گو سن کر حضرت کے ہمراہیوں کو بڑا تعجب ہوا بعض نے چاہا کہ اس گستاخ کو سزا دیں لیکن آپ نے روکا اور فرمایا۔ ہم حلم کے پہاڑ ہیں کوئی چیز نہیں ہلا سکتی۔

حضرت کی ہدایت کا طریقہ نہایت ہی عجیب تھا۔ ایک بار امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام نے ایک بڈھے کو غلط طریقے سے وضو کرتے دیکھا۔ اس کو ہدایت کرنی ضرور تھی مگر بوڑھے آدمی کی دل شکنی اور شرمندگی بھی خلق محمدی کے خلاف تھی لہذا ہدایت کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا۔ دونوں بھائی اس بوڑھے کے پاس پہنچے اور کہا ہم دونوں بھائی وضو میں اختلاف رکھتے ہیں تم دونوں کا وضو دیکھ کر فیصلہ کرو کہ کس کا وضو صحیح ہے۔ یہ کہہ کر دونوں نے وضو کرنا شروع کیا۔ بوڑھا دیکھتا رہا۔ جب وضو کر چکے تو اس نے کہا شہزادو آپ دونوں کا وضو صحیح ہے۔ میں ہی ناواقف ہوں میرا ہی وضو صحیح نہیں۔ آپ دونوں بزرگوں کی برکت سے میں نے وضو سیکھ لیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مجلس دہم

حالات شہادت امام حسین علیہ السلام

شہادت: ۱۰ محرم ۶۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقانہ الحمید

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (سورہ البقرہ ۲/۱۵۵)

(البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے بھوک سے، مالوں کی کمی سے اور اولاد کی کمی سے اور بشارت دے دو ان صبر کرنے والوں کو جن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

حدیث میں ہے اَلْبَلَاءُ لِلْوِلَاءِ یعنی مصیبت نازل ہونا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے ہر محبوب اپنے حبیب کی محبت کو آزمایا کرتا ہے جس قدر عاشق اس امتحان میں زیادہ کامیاب ہوتا ہے اسی قدر محبوب کی نظر میں اس کی وقعت بڑھتی ہے۔ خاصانِ خدا کو جو درجات عالیہ ملتے ہیں وہ بھی اسی امتحان کی بنا پر

ہوتے ہیں ورنہ یونہی بے استحقاق کسی کو کوئی درجہ مل جانا دوسروں کے لیے باعث شکایت ہوتا ہے اور عدل و انصاف کے خلاف بھی۔

ہر نبی و رسولؐ پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئی ہے، اور اسی میں ان کے صبر کا امتحان لیا گیا ہے مثلاً جناب نوحؑ کو ان کی قوم نے بُری طرح ستایا تھا یہاں تک کہ اتنے پتھر جناب نوحؑ پر برسائے تھے کہ وہ لہولہان ہو کر ان پتھروں میں چھپ جاتے تھے ان کو مجنوں کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنے بچوں کو حضرت نوحؑ کے پاس لے جا کر کہتے تھے اس شخص کو پہچان لو یہ دیوانہ ہے اس کی بات پر کبھی عمل نہ کرنا۔ حضرت نوحؑ نے صبر کیا جہاں تک کر سکے آخر جب اکتا گئے تو خدا سے ان کے ظلم کی شکایت کی اور بددعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ خداوندا ان کافروں میں سے کسی کو روئے زمین پر نہ چھوڑنا جناب ابراہیمؑ کو بھی نمرود مردود کی وجہ سے سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جناب یعقوب جناب یوسف، جناب موسیٰ جناب زکریا جناب یحییٰ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو کفار مشرکین کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ جناب ایوب علیہ السلام پر کیا۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر صبر ہی کرتے رہے۔ لیکن ایک منزل ایسی تھی کہ ایوب جیسے صابر کے ہاتھ سے بھی زمام صبر چھوٹنے لگی۔ وہ ناموس کی ہتک کا معاملہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ناموس کا معاملہ ہوتا ہی بہت سخت ہے کسی انسان کا نفس بھی اپنے ناموس کی بے حرمتی گوارہ نہیں کرتا۔ جناب ایوب کو یہ کہنا ہی پڑا دیا۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (سورہ انبیاء ۲۱/۸۳) (خداوندا اب مجھے نقصان پہنچ گیا)

مذکورہ بالا آیت میں ابتلاءات کی ایک طولانی فہرست ہے۔ گروہ انبیاء میں کوئی ایک نبی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے بیک وقت خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں کی کمی، اولاد کی کمی میں پے درپے امتحانات دیئے ہوں۔ ان میں سے ایک ایک دو دو تین تین امتحان تو بعض انبیاء نے بیک وقت دیئے لیکن پانچوں امتحان ایک ہی وقت میں کسی کو نہیں دینا پڑا۔

واللہ یہ صرف کلیجہ تھا حسینؑ ابن علیؑ کا جنہوں نے میدان کربلا میں یہ سب امتحانات بیک وقت دیئے بلکہ پیاس کی ابتلاء ان سب کے علاوہ تھی پھر کیسے استقلال سے، کیسے صبر سے، کیسی خندہ پیشانی سے امام حسین علیہ السلام نے ان تمام مصائب کو جھیلا جہاں جناب ایوب جیسے صابر بندہ کو تاب ضبط نہ رہی تھی۔ ان موقعوں کو بھی ان لوگوں نے صبر کے ساتھ جھیلا یہ صابر و شاکر بندے امام حسین علیہ السلام کے فرزند علی بن الحسین تھے جنہوں نے بازاروں اور درباروں میں ماں بہنوں اور پھوپھیوں کا سر کھلے دیکھا اور صبر سے کام لیا۔ بھول کر حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

یہ سب دشوار گزار منزلیں کربلا والوں نے محض اس لیے جھیلیں تھیں کہ حق و باطل سے جدا ہو جائے اور

دین اسلام پر سے وہ بلائیں جائے جو یزید بدکار کے ہاتھوں سے نازل ہو رہی تھی۔

احسان ناشناس دنیا۔ تعصب سے لبریز دنیا حسینؑ کے احسان کو مٹانا چاہتی ہے۔ دین اسلام کی اس نمایاں خدمت پر پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔ لیکن چونکہ خدا دبانا نہیں چاہتا اس لیے ان کی تمام کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں اور انشاءاللہ یونہی بے سود ثابت ہوتی رہیں گی۔

اگر سچ پوچھو تو امام حسین علیہ السلام کے احسان سے گردن اسلام خم ہے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد دین اسلام میں تغیرات ہونے شروع ہو گئے تھے اور جس تیزی سے یہ تغیر رونما ہو رہا تھا وہ حال سے مستقبل کا پتہ لینے والوں کے لیے ایک لرزہ براندام تصور تھا وہی اسلام جس کے ہر حکم کے لیے خدا کا برگزیدہ رسول منتظر وحی رہتا تھا اور اپنی طرف سے کوئی ایک حکم جاری کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا چند ہی دن کے لوٹ پھیر میں وہ جہال کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا شریعت کے جس حکم میں جو جس طرح چاہتا تھا بدل دیتا تھا۔

سنہ تک پہنچتے پہنچتے اس کے چہرے کا رنگ و روغن بہت کچھ اتر چکا تھا چند خدو خال باقی رہ گئے تھے۔ یزید نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی ان کو بھی مٹانا شروع کر دیا۔ ہماری سمجھ میں تو آج تک فلسفہ آیا نہیں کہ یزید اسلام کے مسلمہ قوانین میں سے کس قانون کے ماتحت خلیفہ بنا تھا۔ نص سے اس کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اجماع امت اس پر ہوا نہیں۔ وصیت اس کے حق میں امیر معاویہ کی طرف سے ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ امام حسنؑ سے صلح کرتے وقت صلحنامہ میں یہ شرط منظور کر چکے تھے کہ اگر معاویہ کی موت تک امام حسنؑ زندہ رہے تو خلافت ان کی طرف منتقل ہوگی ورنہ امام حسینؑ کی طرف ایسی صورت میں جو وصیت بھی ہو تو بیکار ہے اب رہا شوریٰ تو اس کے لیے بھی کوئی کمیٹی مقرر نہ ہوئی تھی یہی وہ طریقے تھے جن کی رو سے خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا جاتا تھا۔ یزید کے لیے جب ان میں سے کوئی طریقہ عمل میں نہ آیا پھر وہ خلیفہ ہوا۔ کیسے قہر و غلبہ سے خلیفہ بن بیٹھنا اسلام میں جائز نہیں۔

پھر یزید کے متعلق تمام مورخین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ایک مرد فاسق و فاجر اور احکام اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس کے عقائد کفار و مشرکین کے سے تھے وہ وحی کو بنی ہاشم کا ایک کھیل سمجھتا اور ملائکہ کے نزول کو جہال کے بہکانے کا ایک ڈھکوسلا کہتا تھا اس کے نزدیک نہ کوئی حلال حلال تھا اور نہ حرام حرام وہ جس کو چاہتا تھا حلال کہہ دیتا اور جس کو چاہتا حرام کہہ دیتا نہ اس کو خدا کا خوف تھا نہ رسولؐ کا۔ شراب خواری، زناکاری، قتل مومن، قماربازی وغیرہ تمام ممنوعات شریعہ اس کے نزدیک جائز تھے۔ بندروں کو علماء کا لباس پہنا کر از راہ تمسخر منبروں پر بٹھاتا تھا۔ سر دربار اہل علم کی توہین کرتا تھا کچھ لوگ تو مال و دولت کی طمع میں آ کر کچھ ظالمانہ احکام سے مرعوب ہو کر، کچھ جہالت کی بناء پر حق و

باطل میں تمیز نہ کر کے اپنے لب بند کیے ہوئے تھے۔ اور اس کے کسی قول یا عمل پر انگلی اٹھانے کی ہمت نہ رکھتے تھے بلکہ بہت سے لوگ جن کو علم دین سے مس نہ تھا اس یقین پر آ لگے تھے کہ یزید جو کچھ کرتا ہے یہی اسلام ہے اور یہی شریعت ہے جس کو سرورِ انبیاءؐ دنیا میں لے کر آئے تھے۔ غور کیجئے اسلام کے لیے یہ حالت کس قدر افسوس ناک تھی۔ اگر خدانخواستہ یہی حالت برقرار رہتی تو کیا دین محمدی کے بجائے یزیدی دین تمام قلمرو اسلام میں جاری نہ ہو جاتا۔

اس وقت خدا کا برگزیدہ دین اسلام بزبان حال رو رو کر کہہ رہا تھا دیندار مسلمانوں میری خبر لو میری رگ رگ میں درد ہے۔ میرے ایک ایک عضو میں سخت درد چلی جا رہی ہے اگر تمہاری یہی بے توجہی رہی تو عنقریب یہ جاں بلب مریض ختم ہو جائے گا۔

اسلام کی یہ دردناک آواز حجاز و عراق و شام و ایران و مصر کہاں نہ پہنچ رہی تھی مگر ایک کے کان پر بھی جوں نہ رینگی سب چپکی سادھے بیٹھے رہے۔ اس وقت قحط الرجال نہ تھا ہر طبقہ کا آدمی موجود تھا قاریان قرآن بھی تھے۔ حافظ قرآن بھی تھے کاتبان وحی بھی تھے اصحاب بھی تھے صحابہ زادے بھی تھے تابعین بھی تھے یہی وہ لوگ ہو سکتے تھے جن کے کارنامے سے اسلامی خون نہ ہونا چاہیے تھا مگر مال و زر کی لالچ کہو یا یزید کا خوف کسی ایک نے بھی اس فریاد پر توجہ نہ دی کیا وہ یزید کی بدکرداری کا پروپیگنڈا نہ کر سکتے تھے یا اس کی بیعت سے مسلمانوں کو روک نہ سکتے تھے کیا اس کی خلافت کے عدم جواز کا فتویٰ نہ دے سکتے تھے۔ کیا باجتماع امت اس کو سلطنت سے دست برداری پر مجبور نہ کر سکتے تھے سب کچھ کر سکتے تھے مگر حرص دنیا یا کمزور دل کچھ کرنے دیتے تو کرتے۔

جب اسلام نے یہ جمود دیکھا تو حلال مشکلات کا بیٹا یاد آیا اس نے حسینؑ سے فریاد کی یا ابن رسول اللہ آپ کے نانا کا دین ہوں تمہارے نانا کے مرتے ہی سو بلائیں میرے اوپر ٹوٹ پڑیں۔ صبر جہاں تک ہو سکا کیا لیکن اب یارائے ضبط نہیں، خدا کے لیے مجھے سنبھالیے ورنہ میں دنیا سے چلا۔ میرا مرض لاعلاج ہونے کی منزل تک پہنچ چکا ہے یا ابن رسول اللہ میں جاہلوں کے ہاتھوں میں پھنس کر اپنے وقار کو کھوتا چلا جا رہا ہوں۔ خدا کے لیے میری مدد کیجئے۔ اب تاخیر کا محل نہیں یزیدی بدعات کی چھریاں بنی اُمیہ کی بدکاری کے خنجر ہر طرف سے میرے نازک بدن پر چل رہے ہیں۔ حسینؑ نے اسلام کی یہ فریاد سنی تو دل لرز گیا کلیجہ کانپ گیا اور کیوں نہ کانپ جاتا یہ باغ ان کے نانا نے لگایا تھا اور باپ نے سینچا تھا مثل مشہور ہے جگر جگر است دگر دگر است اگر ان کو درد نہ ہوتا تو کس کو ہوتا، حسینؑ نے وعدہ کیا تھا کہ اے اسلام غم نہ کر جب تک میری رگوں میں خون کا آخری قطرہ ہے تیری نصرت و حمایت کرتا رہوں گا اور جان کی بازی لگا کر تیرے سر

یہ بتلا تا ہوں گا۔
حسینؑ اُٹھے اور پورے سامان کو لے کر اُٹھے وہ مادیت کا مقابلہ مادیت سے کرنے نہیں اُٹھے تھے بلکہ مادیت کو روحانیت کا دور دکھانے کے لیے جبر وتشدد سے مظلومیت کو ٹکرانے کے لیے اُٹھے تھے وہ دنیا کو یہ سمجھانے کے لیے اُٹھے تھے کہ ہار میں جیت کیسے ہوتی ہے جبر واستبداد کو ٹھنڈی آہوں سے کس طرح کچلا جاتا ہے مر کر جینے کے کیا طریقے ہیں کمزوری سے طاقت کو کیسے ٹھکرایا جاتا ہے۔
حسین علیہ السلام کے پاس مادی اسلحہ کے مقابلے کے لیے وہ ہتھیار تھے جن کا بھرپور وار کوئی طاقت نہ روک سکتی تھی، یعنی بھوک پیاس پر صبر، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا، مال و دولت کی کمی کا ملال نہ کرنا۔ جانیں دینے پر آمادگی۔ اولاد قربان کرنے کا ارادہ۔ ارادہ میں استقلال، یقین میں قوت، ہر مصیبت میں خودداری کا برقرار رکھنا خدا پر توکل حق کے اصول کی پوری پابندی۔
یہ سب ہتھیار لے کر حسینؑ کربلا پہنچے، ایک طرف دشمن کی ٹڈی دل فوج، ایک طرف چند بھوکے پیاسے غریب الوطن خدا پرستی کے پیکر، نکوکاری کے پتلے، حسن عمل کی جان، ایمان و ایقان کے مجسمے۔ صدق کی رگوں کا خون۔
دنیا نے دیکھ لیا کہ یزید کی طرف سب کچھ تھا حسینؑ کی طرف کچھ نہ تھا مگر اس پر فتح حسینؑ ہی کی ہوئی حسینؑ کی فوج سے نکل کر یزید کی طرف کوئی نہ گیا مگر یزید کی طرف سے تین چار سپاہی حسینؑ کی طرف کھنچ آئے، انہوں نے سرداری کو ٹھکرا دیا عیش و آرام پر لات ماری۔ دنیوی ریاست سے دست کش ہوئے انعام واکرام پر تھوک دیا سیر و سیرابی پر بھوک و پیاس کو ترجیح دی، زندگی کو موت کے مقابل حقیر سمجھا۔ دنیا کو دین کے سامنے ہیچ جانا۔
دنیا نے دیکھ لیا کہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے کس جوانمردی سے اور کیسے ہمت و استقلال سے تین دن کی بھوک پیاس میں اپنی جانیں دیں اپنے سینے تان تان کر بڑھے اور نیزہ و شمشیر کے وار کھائے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور خون میں نہائے۔
دنیا نے دیکھ لیا کہ مختلف ذہنیتوں کو حسین نے اپنے دامن عصمت و مظلومیت کی ہوا دے کر کس طرح ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا بوڑھوں میں جوانوں کا سا جوش تھا جوانوں میں پیرانہ سالوں کا سا غور و فکر اور تدبر و تحمل تھا بچوں میں جوانوں کا سا عزم تھا۔ رقیق القلب عورتوں میں مردوں کی سی عالی ہمتی اور بے جگری تھی غلاموں میں آزادوں کی طرح خودداری اور کریم النفسی تھی۔
دنیا نے دیکھ لیا کہ خوف نے ان کے ارادے کو بدلا نہیں۔ بھوک پیاس نے حق پرستی سے ان کی ہمتوں کو

ہٹایا نہیں، فوج مخالف کی کثرت نے ان کو باطل پرستی پر آمادہ نہیں کیا مصائب کے ہجوم نے ان کو نصرت حق سے روکا نہیں۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ بہتر بھوکے پیاسے لاکھوں کے مقابل اپنے مقصد میں کس طرح کامیاب ہوگئے یزید کی سطوت و شوکت کی آندھیاں چند گھنٹوں کے اندر کس طرح نیست نابود ہوگئیں۔ سرمایہ داری اور شہنشاہیت نے بے دم ہو کر کس طرح مظلومیت کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا حسینی روحانیت کے سامنے یزیدی جاہ و جلال کی مٹی کیسی پلید ہوئی کربلا کے میدان میں حق کو باطل کے مقابل کیسی نمایاں فتح حاصل ہوئی۔

دنیا نے دیکھ لیا کہ یزید کا نام ونشان دنیا سے مٹ گیا اس کے جور و استبداد کا خاتمہ ہوگیا اس کے زور و قوت کے بازو ٹوٹ گئے اس کی فرعونیت خاک میں مل گئی۔ آج دنیا میں کوئی اس کا نام لیوا باقی نہیں۔ اس کی منحوس قبر پر سگ و خوک پیشاب کرتے ہیں ہمیشہ کے لیے لعنت کا طوق اس کی گردن میں پڑ گیا۔ دنیائے انسانیت میں اس کا نام ظلم و ستم کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ خدا پرست کو اس کے نام سے نفرت پیدا ہوگئی۔ لیکن اس کے مقابل دیکھو حسینؑ کا دربار کیسا آراستہ ہے بڑے بڑے سلاطین اور کجکلاہوں کے مغرور سران کے آستان جلالت پر اپنی جبین نیاز کو رکھنا اپنے لیے باعث شرف سمجھتے ہیں۔ بے شمار زائر ہر روز انؑ کے روضۂ مبارک کی زیارت کو جاتے ہیں ملائکہ درود پڑھتے ہیں۔ ان کے حرم اقدس میں اُترتے ہیں۔ شب و روز ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ حسینؑ کے نام پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے ہر سال محرم میں حسینؑ کی یادگار ہر خطہ زمین پر منائی جاتی ہے۔ روحانیت کے درس حسینؑ کی داستان شہادت کے اندر سمو گئے۔ خدا پرستی کی تعلیم ذکر حسینؑ سے مخصوص ہوگئی۔ دین اسلام کی رگ رگ میں حسینؑ کا خون دوڑتا پھرتا ہے کس کی طاقت ہے کہ اب حسینؑ کو اسلام سے اور اسلام کو حسینؑ سے جُدا کر دے ؎

دنیا یہ نہ ہوگی مگر اسلام رہے گا
شبیر بہر حال ترا نام رہے گا

کس کی طاقت ہے کہ ان مصائب کا حال بیان کر سکے جو امام حسین علیہ السّلام نے دین حق کی حمایت میں برداشت کیے سب سے پہلی مصیبت تو یہ تھی کہ اپنے محبوب وطن کو چھوڑا۔ نانا کے روضہ سے ماں کی قبر سے بھائی کی لحد سے جدا ہوئے اس صدمہ کو کوئی حسینؑ ہی کے دل سے پوچھے۔ ایک ایک قبر سے لپٹ لپٹ کر روتے تھے۔ حضرت ہرگز گرمی کے موسم میں آوارۂ دشت غربت نہ ہوتے اور وہ بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ لیکن مدینہ میں حضرت کے لیے ممکن ہی نہ تھا اگر وہاں رہتے تو یقیناً قتل کر دیئے جاتے اور حرم رسولؐ کی

حرمت برباد ہوتی آپ نے اس کو گوارا نہ کیا۔ امام حسینؑ نے اپنے اس عمل سے اُمت رسولؐ کو یہ سبق دیا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم ایمان کا ایک جزو ہے اسے کسی حالت میں ترک نہ کرنا چاہیے۔

اس کے بعد آپ مکہ پہنچے کعبہ میں امان لینی چاہی صد افسوس جہاں ہر مسلمان کو پناہ مل سکتی ہے امام مظلوم کو وہاں بھی پناہ نہ ملی وہاں بھی آپ نے اپنے کمال ایمان کا ثبوت دیا یعنی شعائر اللہ کی حرمت کو برقرار رکھا۔ کیونکہ یزید نے کچھ لوگوں کو حاجیوں کے لباس میں اس لیے بھیجا تھا کہ عین کعبہ کے اندر امام مظلوم کو قتل کر دیا جائے۔ اگر حضرت وہاں شہید ہو جاتے تو حرمت کعبہ برباد ہو جاتی۔ آپ کا حج تمام کیے بغیر وہاں سے روانہ ہو جانا آپ کے انتہائی تدبر کی دلیل ہے۔ یہ دوسرا سبق تھا جو واقعات شہادت کے سلسلہ میں امام مظلوم نے اسلامی دنیا کو دیا۔

اہل کوفہ کے بہ کثرت خطوط مکہ میں حضرت کے پاس پہنچے جن میں انہوں نے حضرت کو ہدایت کے لیے بلایا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے چچا زاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو ان کی ہدایت کے لیے کوفہ بھیجا ہدایت خلق کی اہمیت کا صحیح احساس اس سے ظاہر ہوتا ہے ممکن تھا کہ آپ اپنی موجودہ پریشانیوں میں اس امر سے غض بصر فرما لیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

راہ میں لشکر حر کو جب کہ وہ پیاس سے جاں بلب تھا پانی پلانا اور باوجود اپنی سخت احتیاج کے خون کے پیاسے دشمنوں سے بچا کر نہ رکھنا ایثار کی وہ عجیب و غریب مثال ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈھی نہیں ملتی۔ اگر آپ چاہتے تو ذرا سی بے پرواہی سے ایک ہزار دشمن ہلاک ہو سکتا تھا لیکن رحمۃ للعالمین کی گود کا پلا ہوا حسین اس سنگ دلی کو کسی حالت میں گوارا نہ کر سکتا تھا۔ کیا مسلمانوں کو دوسروں کی ضرورت کا احساس کرانے کے لیے حسینؑ کا یہ عملیہ کچھ کم قابل قدر ہے۔

فرات کے کنارے امام حسین علیہ السلام کا خیمہ لگانا دشمن کا وہاں سے ہٹانے پر اصرار کرنا اور امام کا اپنے احباب و انصار سے یہ فرمانا کہ خیمے یہاں سے ہٹالو میں جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ امامؑ فساد کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کر کے مسلمانوں کو صبر و ضبط کا درس دے رہے تھے۔

تیسری محرم سے ساتویں محرم تک ہر شب پسر سعد کا خدمت امام میں حاضر ہو کر بیعت یزید پر زور دینا اور طرح طرح کے سبز باغ دکھانا اور امام علیہ السلام کا امر حق پر قائم رہنا اور آنے والے مصائب کی پرواہ نہ کرنا کیا مسلمانوں کو یہ سبق نہیں دیتا کہ حقانیت و صداقت کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور دنیا کے کسی لالچ میں آکر یا کسی طاقت سے گھبرا کر حق کا دامن نہ چھوڑنا چاہیے۔

روز عاشورہ تین دن کی بھوک پیاس میں دشمن سے پوری ہمت کے ساتھ میدان میں مقابلہ کرنا کیا مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت نہ تھی کہ حق کی حمایت میں کسی تکلیف کی پروا نہ کرنی چاہیئے۔

تمام خاندان کی تباہی و بربادی پر انتہا یہ ہے کہ جوان بیٹے کی موت پر بھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا اور راضی برضائے خدا رہنا۔ کیا یہ سبق سکھانے والا نہ تھا کہ مسلمان کو کسی حالت میں بھی اپنے معبود کی شکایت نہ کرنی چاہیے اور ہر حال میں صبر و شکر سے کام لینا چاہیے اور یہ اس قسم کے بہت سے درس تھے جو حسینؑ نے میدان کربلا میں اپنے کردار سے اپنے عمل سے اور اپنے قول سے دنیائے انسانیت کو دیئے۔

شب عاشور اپنے اصحاب کے بھرے مجمع میں یہ فرمانا کہ میں نے تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی جس کا دل جدھر چاہے اس پردہ شب میں نکل جائے اور اس خیال سے خیمہ کا چراغ گل کرا دیا کہ جانے والوں کو شرم نہ آئے کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ امام مظلوم ہرگز کسی کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے تھے وہ فتح کا یقین نہیں دلا رہے تھے بلکہ اپنی شکست کی اور ایک ایک کے قتل کی خبر سنا رہے تھے لوگ ایسے وقت دھوکے سے فریب سے اپنی جماعت کو بڑھانے کی کوشش کیا کرتے تھے نہ کہ اس کو اور کم کرنے کی لیکن حسینؑ نے ہرگز ایسا نہیں کیا اور بغیر اس خیال کے کہ کوئی رہے گا یا جائے گا ہر ایک کو جو بات تھی صاف صاف بتا دی یہ تھا حسین علیہ السلام کا کردار کیا دنیا اس کو بھلا سکتی ہے کیا حسینؑ کے یہ سب کارنامے صفحات تاریخ سے مٹ سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسے باوفا اور حق شناس انصار امام مظلوم نے پائے تھے نہ کسی نبی کو ملے نہ وصی کو۔ حضرت مقام فخر میں فرماتے تھے مجھے ایسے نیک اور وفادار انصار ملے ہیں جو دنیا میں کسی کو نہیں ملے۔

کوئی حد ہے اس وفاداری اور خلوص کی کہ جناب ابو ثمامہ صیداوی اپنا اکلوتا بیٹا کوفہ میں سخت بیماری کی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام چھٹی محرم کو ان سے فرماتے ہیں اے ابو ثمامہ ابھی راستے کھلے ہوئے ہیں تم کوفہ چلے جاؤ اور بچہ کو دیکھ کر واپس آجانا وہ فرماتے ہیں مولا چلا تو جاؤں لیکن راستے اگر بند ہوگئے اور میں یہاں نصرت کے لیے نہ آسکا تو کیا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا اگر بچہ مرگیا تو کیا ہوگا عرض کرتے ہیں مولا ایسے ایسے ہزار بچے آپ کے قدموں پر خوشی سے نثار کر دوں آپ کی نصرت میرے لیے ہر کام سے مقدم ہے میں اب حضور کے قدموں سے جدا نہ ہوں گا بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ دیکھ رہا ہوں کہ دشمن آپ کو چاروں طرف سے گھیرے ہے

شب عاشور پسر سعد کا ایک قاصد خیمہ گاہ حسینی میں امام حسین علیہ السلام کو کوئی پیغام پسر سعد کا پہنچانے کے لیے داخل ہوتا ہے۔ جناب ابو ثمامہ صیداوی اس وقت پہرہ پر ہوتے ہیں ڈانٹ کر پوچھتے ہیں تو

تو کون ہے کہ بے اجازت چلا آرہا ہے۔ اس نے کہا میں قاصد عمر سعد ہوں فرمایا او بے ادب ٹھہر جا جب تک میں اپنے آقا سے اجازت حاصل نہ کر لوں آگے قدم نہ بڑھانا چنانچہ ابو ثمامہ وہیں روک کر آپ خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا آنے دو ابو ثمامہ نے امام کے حکم کی تعمیل میں اجازت تو دے دی، لیکن جب وہ خیمہ امام کے قریب پہنچا تو آپ نے کہا اے بدبخت اپنی تلوار یہیں رکھ دے مع تلوار کے خیمہ امام کے اندر نہ جانے دوں گا۔ اس نے کہا اے سبحان اللہ سپاہی کہیں اپنا ہتھیار چھوڑا کرتا ہے میں ہرگز اپنی تلوار کسی کو نہ دوں گا جب ان دونوں کے درمیان یہ تکرار سنی تو حضرت نے ابو ثمامہ سے فرمایا اچھا نہیں مانتا تو یوں ہی آنے دو ابو ثمامہ نے داخل تو ہونے دیا لیکن اللہ ری محبت حسینؑ کہ احتیاطاً اس کی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ لیا اللہ اکبر کیسے وفادار اور سچے جاں نثار اصحاب حضرت کو ملے تھے۔

جناب عابس جب اذن کارزار لے کر میدان میں آئے تو ایک کوفی ان کے مقابلہ کو آیا جو ان کا ننھیال کی طرف سے قریبی رشتہ دار تھا اس نے پہچان کر کہا عابس تو نے غضب کیا یزید کو چھوڑ کر حسینؑ کی طرف چلا گیا۔ یہاں سب کچھ تھا وہاں کچھ بھی نہیں، یاد رکھنا پسر زیاد تمام املاک و جاگیر ضبط کرے گا تمام خاندان کو تباہ و برباد کر دے گا۔ تیرا گھر کھدوا کر ہل چلوا دے گا یہ سن کر اس مومن کامل کا بدن غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اور ڈپٹ کر کہا او سگ دنیا اپنی زبان بند کر یزید کیا اور اس کی دولت وحشمت کیا ابلیس کا بندہ دنیا کا کتا۔ بحمد اللہ میں اس حسینؑ کا دامن پکڑے ہوئے ہوں جو ہمارے نبی کا نواسہ ہے قاسم نار و جنان کا فرزند ہے۔ ہمارا روحانی پیشوا ہے اللہ کا ولی ہے خلق کا امام ہے اس کے پاس نعمات جنت ہیں نجات آخرت ہے۔ میری نظر میں پسر زیاد کی کیا وقعت مال دنیا کی کیا حقیقت جو کہ اس ظالم کا دل چاہے کرے یہ کہہ کر اس شقی پر حملہ کیا اور پہلے ہی وار میں اس کا قصہ تمام کیا۔

آہ! آہ! کہاں تھے امام کے یہ وفادار جاں نثار جب وقتِ عصر امام مظلوم و غریب کربلا کے میدان میں یک و تنہا رہ گئے۔

نہ لشکر ہے نہ سپاہ ہے نہ کثرت النساء ہے   نہ قاسم ہے نہ علی اکبر ہے   نہ عباس ہے

آہ جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے سوائے خون کے پیاسوں کے کوئی بھی اپنا ناصر و مددگار نظر نہ آتا تھا بدن زخموں سے چور تھا اور اس عالم ضعیفی میں شکستہ دل پر بہتر شہیدوں کے داغ تھے۔ وہ سب شمع امامت کے پروانے گودوں کے پالے بیشہ شجاعت کے شیر سر کٹائے خون میں نہائے مقتل میں پڑے تھے امام مظلوم کا دل بھر آیا ان کی وفاداریاں اور قابل قدر جانثاریاں یاد آگئیں۔ ایک بار مقتل کی طرف رُخ

کرکے فرمایا۔

یَا حَبِیْبَ بْنَ مَظَاهِرٍ وَ یَا مُسْلِمَ بْنَ عَوْسَجَةَ وَ یَا زُهَیْرَ بْنَ الْقَیْنِ۔ وَ یَا اَبَا الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ وَ یَا قَاسِمَ بْنَ الْحَسَنِ وَ یَا عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ وَ یَا اَصْحَابَ الصَّفَاءِ وَ یَا فُرْسَانَ الْهَیْجَاءِ مَا لِیْ اُنَادِیْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنِیْ وَ اَدْعُوْکُمْ۔

فَلَا تَنْصُرُوْنِیْ هَلْ اَنْتُمْ نِیَامٌ اَمْ یَقْظَانٌ اَمْ زَالَتْ مَوَدَّتُکُمْ عَنْ اِمَامِکُمْ فَلَا تَنْصُرُوْنِیْ قُوْمُوْا اَیُّهَا الْکِرَامُ وَ ادْفَعُوْا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ الطُّغَاةَ اللِّئَامَ

اے حبیب بن مظاہر اے مسلم بن عوسجہ اے زہیر بن القین اے ابوالفضل العباس اے قاسم بن الحسن اے علی اکبر اے پاک طینت ساتھیو! اے بیشۂ شجاعت کے شیرو! تمہیں کیا ہو گیا ہے میں تمہیں بلاتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں پکارتا ہوں اور تم میری مدد نہیں کرتے' آیا تم سو رہے ہو یا جاگ رہے ہو۔ یا تمہارے دلوں سے اپنے امام کی محبت نکل گئی ہے کہ تم مدد نہیں کرتے۔ اے غیرت دارو! اٹھ کھڑے ہو اور حرم رسولؐ سے ان سرکش دشمنوں کو ہٹاؤ۔ حضرتؑ کا یہ استغاثہ سننا تھا کہ لاشہ ہائے شہدا کانپ گئے اور بزبان حال حلق ہائے بریدہ سے آواز آئی۔ یابن رسول اللہ ایک کیا ہزار جانیں ہوں تو آپ کے قدموں پر نثار کرنے سے دریغ نہ کریں گے مگر کیا کریں کہ موت نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ لکھا ہے کہ جب حضرت کی آواز استغاثہ خیام اہل حرم میں پہنچی اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے سنی تو ایک چھوٹا سا نیزہ لے کر گرتے پڑتے اپنے خیمہ سے نکل پڑے۔ ناگاہ امام مظلوم کی نظر بیمار بیٹے پر پڑی فوراً گھوڑا بڑھا کر قریب خیام کے آئے اور فرمایا اے بہن زینبؑ علی بن الحسین کو روکو ایسا نہ ہو کہ زمانہ حجت خدا سے خالی ہو جائے جناب زینبؑ یہ سن کر دوڑ پڑیں اور بیمار بھتیجے سے لپٹ گئیں۔ کہا بیٹا کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا اے پھوپھی اماں مجھے چھوڑ دیجئے بابا کے استغاثہ نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ آہ! میں کیوں زندہ بچ گیا کہ بابا جان کی صدائے استغاثہ میرے کان میں آئی۔ پھوپھی جان مجھے چھوڑ دیجئے تاکہ میں بھی اپنی جان مظلوم امام پر قربان کر دوں جناب زینبؑ نے فرمایا بیٹا! اگر تم شہید ہو جاؤ گے تو ہم بیکسوں اور بے وارثوں کا قافلہ سالار کون ہوگا۔ ہم مصیبت کی ماری بیبیاں کس کے سہارے زندہ رہیں گی۔ بیٹا ابھی تم کو بڑی بڑی سخت منزلیں درپیش ہیں۔

الغرض جناب زینبؑ سمجھا بجھا کر واپس لے آئیں۔

آہ آہ! تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ فضہ سر پیٹتی خیمہ میں آئیں اور کہنے لگیں بیبیوں میرے شہزادے کی اب خیر نہیں آہ فرزند رسولؐ نے تلوار نیام میں کر لی ہے تبرکات گھوڑے پر رکھ دیئے ہیں۔ عنقریب میرا شہزادہ! آہ میرا حسین گھوڑ

سے گرا چاہتا ہے۔ یہ سنتے ہی جناب زینبؑ خیمہ سے روتی پیٹتی باہر نکلیں مقتل کی طرف دیکھا تو بھائی کو گھوڑے پر نہ پایا سمجھ گئیں کہ زخمی بھائی گھوڑے سے گر پڑا ہے اور اب دشمن عنقریب سر اقدس کو قلم کر دیں گے۔ اسی بے تابی میں اس ٹیلہ پر تشریف لے گئیں جو تل زینبیہ کے نام سے مشہور ہے اور پسر سعد کو خطاب کر کے فرمانے لگیں اے ابن سعد خدا تیری نسل کو قطع کرے ارے نبی کا نواسہ علیؑ کا بیٹا! فاطمہؑ کا نور نظر میرا مظلوم برادر قتل کیا جا رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے۔ آہ! ابھی زینبؑ کا یہ کلام ختم نہ ہوا تھا کہ فتح کے باجے بجنے لگے۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ فرات کا پانی بانسوں اچھلنے لگا۔ اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاءِ اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاءِ کی صدائیں ہر طرف سے آنے لگیں۔ آہ! فاطمہ زہرا سر برہنہ مرقد سے نکلیں وَا حُسَیْنَاہُ وَا حُسَیْنَاہُ۔ وَا مَظْلُوْمَاہُ وَا مَظْلُوْمَاہُ کی صدائیں بلند ہوئیں۔

آہ! جب امام مظلوم کا سر اہل حرم نے نیزہ پر بلند دیکھا ایک ایک بی بی پچھاڑے کھانے لگی۔ وہاں ظالموں نے تن اقدس سے کپڑے اتار لیے قطع ہوں ہاتھ اس جمال ملعون کے کہ اس نے امام مظلوم پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت کے دست مبارک میں ایک انگوٹھی تھی اس ملعون نے اتارنا چاہی لیکن ورم کی وجہ سے جب نہ اتر سکی تو اس شخص نے خنجر سے انگشت مبارک کو قطع کر دیا۔ آہ اس وقت روح جناب سیّدہ بے چین ہو کر فریاد کرنے لگی۔ او شقی! میرے بچّے نے تیری کیا خطا کی تھی جو تو نے اس کی انگلی قطع کی۔ ہائے نبی زادے کی میت پر یہ ظلم، ہائے میرے لال پر یہ جفا لکھا ہے کہ قتل امام کے بعد حضرت کے گھوڑے نے اپنی پیشانی خون امام سے رنگین کی اور بیکس سیدانیوں کو یہ روح فرسا خبر سنانے کیلئے چلا۔ دشمنوں نے چاہا کہ اس کو گرفتار کر لیں لیکن اس نے ٹاپوں سے مارنا شروع کیا اور کئی اشقیا کو کچل کر رکھ دیا۔ آہ جب گھوڑا خیام حسینؑ کے قریب پہنچا کہ باگیں کٹی ہوئی تھیں۔ بدن تیروں سے غربال تھا ہر بن مو سے خون بہہ رہا تھا امام حسین علیہ السلام کی تلوار اور سپر ایک طرف بندھی ہوئی تھی۔ عمامہ رسولؐ زین پر رکھا ہوا تھا۔ فوراً سیدانیوں نے حلقہ میں لے لیا اور اس سے لپٹ کر وہ دلخراش بین کیے کہ زمین و آسمان ہلنے لگے۔

نوحہ

نوحہ یہ زینبؑ کا تھا ہائے برادر مرا — مجھ سے جدا ہو گیا ہائے برادر مرا
گھوڑے میں تجھ پہ نہ تھا خون ہیں ہے کیوں بھرا — مجھ کو بتا کیا ہوا ہائے برادر مرا

حیدر و زہرا کا چین بیکس و بے بس حسینؑ　　دُکھیا بہن سے چھٹا ہائے برادر مرا
خنجر بیداد سے کٹ گیا سوکھا گلا　　آہ یہ جور و جفا ہائے برادر مرا

جائے کہاں ڈھونڈنے زینب خستہ جگر　　کچھ نہیں چلتا پتہ ہائے برادر مرا
ماں کی کمائی مری لٹ گئی پردیس میں
بے خطا مارا گیا ہائے برادر مرا

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

مجالسِ یازدہم

حالِ ولادت امام زین العابدین علیہ السلام

تاریخ ولادت ۱۵ جمادی الاوّل روز پنجشنبہ ۳۸ھ

قصیدہ

از جناب عزیز لکھنوی مرحوم

عابد شب زندہ دار ماہ باحسن یقین — آگیا ہے اپنے سجادہ پہ اے اہل زمیں
لو سب ارکان وضو سے بھی فراغت ہوگئی — آفتاب سے کے مغرب کو چلا مہر مبیں
کہہ کے اللّٰہم بیض یوم تسود الوجوہ — رُخ پہ ڈالا چینئہ خورشید کا ماہ مبیں
آتے ہی عابد کے جو ساز طرب تھے اُٹھ گئے — رقص زہرا تھا نہ جوڑا کی صدائے دلنشیں
سب سے پہلے دست بوسی کو بڑھا کف الخضیب — بہر تعظیم اپنی جا سے اُٹھے سیارے کہیں
عقد پرویں نے پرو لی اک طرف تسبیح نور — لکھنے بیٹھا ہے عطارد نثر قرآن مبین
سلک انجم نے منظم کی ادھر نظم سفوف — دی اذان قاضی نے گونجا گنبد چرخ بریں
ہو رہی ہے شش جہت میں سب کو تاکید نماز — اپنے محور پر ثوابت تک جھکائے ہیں جبیں

قاضی گردوں ادھر ہے حاکم دارالقضا
ہو رہا ہے امر بالمعروف رب العالمین

پوچھتا پھرتا ہے ہمراہی ہیں جلادِ فلک
کس نے عالم میں کئے ہیں ترک آج احکام دیں

درخورِ بزمِ عبادت کب تھا ہندوئے فلک
اس سبب سے ہوگیا محبوس چرخ ہفتمیں

رحم کرتا ہے شہاب ثاقب اس انداز سے
ہے طلسم قہر میں مسدود شیطان لعین

جس طرف دیکھو صدا تکبیر کی تہلیل کی
بن گیا چرخ بریں یوں رشکِ عرشِ بریں

بڑھ گیا ہے اس قدر حسن عقیدت ماہ سے
مرجع اہل سموات اب ہے چرخ اولیں

نور تو دیکھو کہ سب عالم منور کردیا
زرد ہے گو ضعف سے چہرہ برنگ یاسمیں!

آخر افراطِ عبادت سے ہوا گھٹ کر ہلال
جھک گئی پشت اس قدر سجدہ میں رکھی ہے جبیں

یہ نشان سجدہ روشن اس کی پیشانی پہ ہے
جس کو سمجھے ہیں کلف دھوکے سے ہم اہل یقیں

کچھ نہیں عابد کو اپنی حفظ صحت کا خیال
دل میں خدام عرب کے یہ تصور جاگزیں

رکھی گوشہ میں مسہری اک بنات النعش کی
جب ریاضت سے ہوئے خستہ تو کی راحت دہیں

کی ہوائے شبنمی نے سبحہ گردانی شروع
یہ اشارہ دیکھ کر اٹھنے لگے اہلِ زمیں

کچھ جماعت میں شریک آکر ہوئے ہیں باوضو
سبزی جو ہیں مصلیٰ ان کا بچھا ہے وہیں

اک طرف کس شان وشوکت سے امامت کے لیے
کہہ کے یا اللہ اٹھا زاہد مسجد نشیں

اس طرف ہے حسن کی محفل میں سامان نشاط
اس طرف مصروف طاعت، زاہد عزلت گزیں

کہہ کے زاہد سے کہ شب ہوتی ہے راحت کیلئے
لے کے انگڑائی چلے بستر پہ سونے کو حسیں

گوشہ عزلت کی زینت ایک سجادہ یہاں
واں کسی کی بزم بعیت خاز اقلیم چیں

یاں ہے شغل سبحہ گردانی حضور قلب سے
حلقۂ گیسو میں وہ رکھتے ہیں دل ہائے حزیں

اس طرف خوف الٰہی سے ہے دوزخ کا خیال
اس طرف سوز غم عاشق سے دل اندوہگیں

عاقبت کی فکر میں یاں گریۂ بے اختیار
سوچ کر انجام عاشق واں ہنسی رکتی نہیں

انما الاعمال بالنیات ادھر زاہد کا قول
اس طرف یہ فکر نیت میں خلل آئے کہیں

ہاں نشان سجدہ سے چہرہ کی رونق ہی ہے ادھر
خال ادھر ہے زینت افزائے عذار آتشیں!

اس طرف ایک شمع ہے وحدت نمائے کبریا
نازِ یکتائی میں ہے یاں جلوۂ برق آفریں

سورہ واللیل کی تفسیر ادھر پیش نظر
نیند میں بھری یہاں چہرہ پہ زلف عنبریں

واں کھلا ہی تھا صحیفہ حضرت سجاد کا
لیں بلائیں سن کے یاں نام امام متقیں

وارث علم لسان اللہ علی ابن الحسینؑ بوالائمہ سید السادات زین العابدین
سرگروہ شجرۂ انساب اصحاب کساء یادگار پنجتن ابن امیر المومنین

مطلع

ساربان عترت اطہار بیمار حزیں بومحمد سید سجاد امام العارفین
زیب اورنگ عبادت باریاب بزم قدس خرد کشور ستان شرع راس المتقین
دختر شاہنشۂ فارس کے فرزند سعید جس کے ہے زیر حکومت، سرحد دنیا و دیں
اسے خوشا طالع وہ آقا ہم کو قسمت سے ملا موقف رفعت پہ جس کے جبہ سا روح الامین
کر رہا ہے رنگ رُخ نقش و نگار بزم قدس آپ مصروف وضو ہیں یا امام العارفین
آگ ہے گھر میں لگی ہر سو ہے ہنگامہ مگر کیا رجوع قلب ہے ان کو خبر مطلق نہیں
وقت طاعت یوں جہاد نفس امارہ گیا غیب سے آواز آئی انت زین العابدین
لکھ رہا ہے سرنوشت لوح نور معرفت کر کے سیما ہم کی تفسیر آپ کا نقش جبیں
سب لکیریں ہاتھ کی ہیں دست آویز جہاں خط پیشانی ہے یا ہے عروۃ الوثقائے دیں
آپ کے علم و عبادت کی ہوئی یہ انتہا اس سے مافوق اب کوئی صورت تصور میں نہیں
آپ زنداں میں مقید تخت شاہی پر یزید سچ ہے دنیا جنت الکافر ہے سجن المومنین
زوجہ زائدہ کا قصہ سن کے دعویٰ ہے مرا قابض ارواح ہے ان کا غلام کمترین
دے کے عقل کل کو درس د   فرزانگی کر دیا ہے باریاب قرب رب العالمین

مطلع

اک اشارے سے ترے بیٹے عروۃ الوثقائے دیں مثل یوسف چاہ سے نکلے امام پنجمیں
آ کے دہری دیکھ لے حضرت کو ہنگام نماز ہے شکست رنگ رُخ آئینہ حق الیقیں
پشت پر انبان ناں اور شب کو نکلے ہیں حضورؑ بذل آگے آگے دنیا سے صدائے آفریں
کر کے دق الباب کہتا ہے ترحم آپ کا کون ہے مسکیں یہاں اور کون ہے اندوہگیں
اس طرف اہل مدینہ کے گھروں میں شور ہے یا ابا الایتام فرزند امیر المومنین
غسل دیتے وقت پشت پاک پر دیکھا گیا اک نشاں جس طرح سے مہر نبوت کا نگیں

ہاں مرے مولا تصدق اک نظر سوئے عزیز
آستاں پر در بدر سے رکھے ہوئے ہے وہ جبیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِیْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ (سورہ آل عمران ۴۱/۳)

(اپنے رب کی یاد زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو) دین میں پہلی چیز خدا کی معرفت ہے اور معرفت بڑھتی ہے آثار قدرت کا مطالعہ کرنے سے جو شخص جس قدر مخلوقات الہیٰ کو زیادہ فکر و تامل سے دیکھے گا اسی قدر اس کی معرفت زیادہ بڑھے گی اور جس قدر معرفت زیادہ ہوتی جائے گی اسی قدر ذوق عبادت بڑھتا جائے گا۔ جب کوئی نعمت سمجھ میں آتی ہے تو اس وقت اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے کو دل چاہتا ہے اور اسی ادائے شکریہ کا نام عبادت ہے جو لوگ خدا کی یاد سے غافل ہوتے ہیں اور عبادت کی طرف ان کا دل متوجہ نہیں ہوتا اس کی خاص وجہ معرفت میں کمی ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اس منعم حقیقی کے بے شمار احسانات کا شکریہ ادا ہی نہیں کر سکتا غور کیجئے ہر سانس جو اندر جاتا ہے اور جو باہر آتا ہے وہ مفید حیات ہے پس ہر سانس میں اس کی دو نعمتیں موجود ہیں اگر انسان ہر سانس کا شکریہ ادا کرے تو عمر ساری اسی میں تمام ہو جائے گی۔ باقی اور تمام نعمتوں کے ادائے شکر کا موقع اسے کہاں مل سکتا ہے۔

ایک بار جناب سلیمان علیہ السلام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خداوند عالم نے مجھے مشرق و مغرب کا بادشاہ بنایا۔ تمام دنیا کو میرے لیے مسخر کر دیا میں بھی اس کا کماحقہ شکریہ ادا کروں، عندالمناجات بارگاہ ایزدی میں عرض کی عالم کے پالنے والے میں چاہتا ہوں کہ ایک وقت میں تیری تمام مخلوق کی دعوت کروں جو میرے تخت حکومت میں ہیں۔ ندا آئی اے سلیمان کس لیے ایسا کرنا چاہتے ہو عرض کی ادائے شکر کے لیے۔ فرمایا اے سلیمان! یہ کام تمہارے بوتہ کا نہیں اپنی مخلوق کو ہم ہی خوب کھلانا جانتے ہیں۔

جناب سلیمان نے عرض کی یہ صحیح ہے مگر میرا دل اس کا آرزومند ہے حکم ہوا اچھا اگر تم چاہتے ہو تو خوشی سے انجام دو۔ اجازت ملتے ہی جناب سلیمان علیہ السلام دعوت میں مصروف ہو گئے ہوا کو حکم دیا جس طرف تیرا گزر ہو ہر ذی حیات سے کہہ دے کہ فلاں وقت اور فلاں روز فلاں مقام پر سلیمان نبی نے تم کو دعوت

دی ہے اس کے بعد آدمیوں اور جنوں کو حکم دیا کہ جہاں کہیں جو چیز کھانے کی قسم کی نظر آئے جمع کرنی شروع کرو حکم کی دیر تھی ہر قسم کی غذا کے انبار لگ گئے۔ پہاڑ کھڑے ہو گئے۔ وقت معین پر مہمان آنے شروع ہو گئے حضرت سلیمان کا ایک تخت دریا کے کنارے بچھا ہوا تھا۔ ارکان سلطنت ارد گرد اپنے اپنے مقام پر بیٹھے تھے۔ جناب سلیمان اپنے مہمانوں کو عجیب و غریب ہستیوں میں دیکھ کر قدرت کی صناعی پر حیران تھے۔ اسی اثنا میں ایک مچھلی نے دریا سے سر نکالا اور اپنی روزی طلب کی۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اے مخلوق خدا صبر کر سب کے ساتھ تجھے بھی ملے گا۔ یہ سن کر وہ مچھلی ناراض ہو کر واپس ہونے لگی۔ جب جناب سلیمان نے سبب پوچھا اس نے کہا بس خدا اور بندے کے دینے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ وہ بے مانگے دیتا ہے اور یہاں مانگنے سے بھی نہیں ملتا۔

اس کی اس گفتگو کا جناب سلیمان پر بڑا اثر ہوا فرمایا اچھا ٹھہر ابھی تیری غذا تجھے ملتی ہے بول کیا کھانا چاہتی ہے اس نے اپنی غذا بتائی حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ اس کو سیر کرو ایک جن اٹھا اور ایک ٹوکرا غذا کا لا کر اس کے سامنے رکھا اس نے پہلے ہی وار میں اسے صاف کر دیا اب کیا تھا لوگ لاتے رہے اور مچھلی کھاتی رہی۔ یہاں تک کہ کئی انبار ختم ہو گئے۔ اب تو جناب سلیمان گھبرائے کہ جب ایک مہمان نے اتنا کھانا کھا لیا تو اوروں کو کیا کھلاؤں گا۔ پوچھا اے مخلوق خدا ابھی تجھے کتنا اور کھانا ہے۔ اس نے کہا کہ اے نبی خدا میں دستر خوانِ قدرت سے ڈھائی لقمے پایا کرتی ہوں ابھی اس میں سے آدھا بھی نہیں کھا پائی۔ یہ سن کر حضرت سلیمان کے ہوش اڑ گئے اور سجدہ میں جا کر کہنے لگے۔ اے پالنے والے سلیمان کی کیا طاقت ہے کہ تیری مخلوق کا پیٹ بھر سکے۔ ندا آئی اے سلیمان جب تم نے ان کو بنایا نہیں تو ان کے سیر کرنے کا طریقہ کیا جانو ہم صرف ایک دانہ سے ان کا پیٹ بھر سکتے ہیں جس کا تم روئے زمین کی تمام غذاؤں سے نہیں بھر سکتے کیوں ہم نے نہ کہا تھا کہ یہ کام تمہارے بوتہ کا نہیں اے سلیمان ہم نے اپنی تمام نعمتیں جس طرح اپنی مخلوق کو کھلائی ہیں اسے ہم ہی جانتے ہیں کسی کی کیا طاقت ہے کہ ان کے لحاظ سے ہمارا شکر ادا کر سکے۔ اگر ہم اپنی مخلوق کی رزق رسانی اپنے بندوں سے کر دیں تو سب دو دن میں مر کر رہ جائیں۔ اے سلیمان۔ انسان اپنی عبادت پر فخر کرتا ہے اور ہماری بے شمار نعمتوں پر نظر نہیں رکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسا وہ منعم ہے اس کی شان کے مطابق اور احسان کے مناسب کسی سے بھی شکر یہ ادا کرنا ممکن نہیں اور جیسا وہ معبود ہے اس کی الوہیت و ربوبیت کے مطابق کسی سے بھی عبادت کرنا ممکن نہیں انتہا یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء تک نہ حق معرفت ادا کر سکے ہیں نہ حق عبادت خود ہمارے رسولؐ فرمایا کرتے تھے مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ۔ یعنی جس عظمت و شان کا تو خالق ہے ولیسی تیری معرفت ہم سے نہ ہو سکی اور جیسا تو معبود

ہے دلیبی ہم سے تیری عبادت نہ ہو سکی۔ اللہ اللہ جب سرور انبیاء ایسا فرمائیں تو بھلا کس کی طاقت ہے کہ اس کی معرفت و عبادت کا حق ادا کر سکے۔

آج میں ایسے ولی خدا اور عاشق رب علا کا ذکر سنانا چاہتا ہوں جس کی ولادت سے تاریخ مخصوص ہے اور جس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ اس کے القاب عابد و سجاد اور زین العابدین ہو گئے ہر وقت عبادت آپ پر اس درجہ خوف طاری ہوتا تھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور شروع سے آخر تک یہی حالت رہتی تھی۔ وضو کرتے وقت بھی یہی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ایک بار کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا میں اس وقت ایسے جلیل القدر شہنشاہ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں جو تمام عالموں کا پیدا کرنے والا ہے تمام مخلوق کی جزا و سزا جس کے ہاتھ میں ہے کیا تعجب کی بات ہے اگر اس کے خوف سے میری یہ حالت ہو جاتی ہے۔

ایک بار آپ حج کرنے تشریف لے گئے جب مقام احرام پہنچے اور چاہا تلبیہ (لبیک لبیک) کہہ کر احرام باندھیں تو یکایک آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور جسم مبارک میں لرزہ پڑ گیا۔ آخر آپ سے لبیک لبیک نہ کہا جا سکا۔ کسی نے پوچھا آپ نے تلبیہ کیوں ترک فرمایا۔ حضرت نے جواب دیا اس خوف سے زبان نہ کھلی کہ میں لبیک کہوں اور خدا کی طرف سے لالبیک جواب آئے یہ کہہ کر آپ اس قدر روئے کہ بیہوش ہو گئے تمام ارکان حج آپ نے اسی طرح خوف کے ساتھ ادا کیے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے پدر بزرگوار جب خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تھے تو سجدہ کرتے تھے جب کوئی آیت تلاوت فرماتے تھے تو عام اس سے کہ وہ سجدہ واجب ہو یا سنت ضرور سجدہ کرتے تھے جب کسی مصیبت سے نجات ملتی تھی تب بھی سجدہ کرتے تھے۔ جب کوئی مقصد پورا ہوتا تب بھی سجدہ کرتے تھے جب نماز واجب سے فراغت حاصل کرتے تھے تب بھی سجدہ کرتے تھے سجدہ کا بہت واضح اثر آپ کے مقامات سجدہ پر نمایاں تھا اسی لیے آپ کو سجاد یعنی بڑا سجدہ کرنے والا کہتے ہیں آپ کے القاب میں سے ایک ذوالثفنات بھی ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کثرت سجود سے آپ کی پیشانی پر ایسے دو گھٹے پڑ گئے تھے جیسے اونٹ کے گھٹنے پر ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ثفنہ اس کو کہتے ہیں جو اونٹ کے زانو پہ پر ہوتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دن رات ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور ہر نماز میں تھر تھر کانپتے تھے اگر کوئی اس کا سبب پوچھتا تو فرماتے کہ تم نہیں جانتے کہ میں کس کے آگے کھڑا ہوتا ہوں۔

عبادت میں خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ ایک روز آپ سجدہ میں تھے گھر میں آگ لگ گئی گھر والے شور

غل مچانے لگے مگر حضرت نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھا دی گئی۔ کسی نے کہا آپ کو گھر میں آگ لگنے تک کی خبر بھی نہ ہوئی اتنا بے خبر کس چیز نے بنا دیا۔ فرمایا آخرت کی آگ نے۔

نصف شب گزر جانے کے بعد آپ اپنی عبادت گاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور بآواز بلند درگاہ الٰہی میں یوں مناجات فرماتے تھے۔

پروردگارا مجھ کو حشر میں تیرے سامنے کھڑا ہونے کے خوف نے بستر پر نہ ٹھہرنے دیا، اور میری آنکھوں سے نیند نکال دی۔ یہ کہہ کر اپنے رخسارہ کو زمین پر رکھ دیتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ حضرت کی یہ حالت دیکھ کر گھر والے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے لیکن آپ ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے تھے۔ خداوندا میں یہاں راحت کا طلب گار نہیں۔ بلکہ اس وقت جب تیرے دربار میں بلایا جاؤں اس روز اپنی رحمت کی نظر مجھ پر رکھنا۔

طاؤس یمانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو حج کے زمانہ میں دیکھا کہ آپ حجر اسود کے پاس اپنے رخساروں کو خاک پر رگڑ رہے ہیں اور درگاہ باری میں یوں مناجات کر رہے ہیں خداوندا! تیرا بندہ تیرے گھر آیا ہے تیرا مسکین تیرے گھر آیا ہے۔ تیرا فقیر تیرے گھر آیا ہے تیرا سائل تیرے گھر آیا ہے۔

طاؤس یمانی کہتے ہیں میں نے جب کبھی ان کلمات[1] کے ساتھ دعا کی ضرور قبول ہوئی۔

حضرت فرمایا کرتے تھے دنیا میں تین قسم کے لوگ عبادت کرتے ہیں اول خوف سے ان کی عبادت غلاموں کی سی ہے دوسرے کسی غرض سے کرنے والے ان کی عبادت دنیا کے تاجروں کی سی عبادت ہے تیسرے شکر کے ساتھ یہی درحقیقت مردان خدا کی عبادت ہے۔

آپ اپنے بدن کو بحالت عبادت سخت محنت میں ڈالتے تھے۔ ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام نے عرض کی آپ اتنی ریاضت کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو معصوم ہیں۔ فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ خدا کی نزدیکی کا شرف حاصل کروں۔

غریبوں پر شفقت اور ان کی حاجت براری کا یہ حال تھا کہ باوجود تنگدستی کے حضرت فقرائے مدینہ کی برابر امداد کرتے رہتے تھے اور اپنے کاندھے پر خرمے اور روٹیاں لادکر ان کے گھروں پر پہنچایا کرتے تھے۔

---

[1] عَبِيدُكَ بِفِنَائِكَ مِسْكِينُكَ بِفِنَائِكَ فَقِيرُكَ بِفِنَائِكَ سَائِلُكَ بِفِنَائِكَ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ میں بہت سے غریب لوگ روزانہ کھانا پاتے تھے لیکن ان کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کون ان کو دے گیا ہے۔ جب حضرت نے رحلت فرمائی اور رات کو غریبوں کے گھر کھانا نہ پہنچا تب پتہ چلا کہ منہ چھپا کر راتوں کو دے جانے والے علی بن الحسینؑ تھے۔ لکھا ہے کہ جب حضرت کو غسل دینے لگے تو ایک سیاہ داغ آپ کی پشت پر نظر آیا کسی نے پوچھا یہ کیا ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا یہ نشان ہے اس کا کہ میرے پدر بزرگوار راتوں کو آٹے کی بوری اٹھا کر فقرائے مدینہ کو تقسیم کرنے کے لیے بیجایا کرتے تھے۔

آپ کا رحم و کرم صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ آپ جانوروں پر بھی حد درجہ شفیق و مہربان تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار نے اپنی وفات کے قریب فرمایا میرے ناقہ کو اس کی معین جگہ پر باندھ دو اور اس کے کھانے پینے کی خبر لو اس وفادار جانور کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام کو دفن کر چکے تو وہ ناقہ رسی تڑا کر اپنی جگہ سے نکل آیا اور قبر مبارک پر پہنچ کر اپنا سر اس کے اوپر رکھ دیا اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دردناک آواز اپنے منہ سے نکال رہا تھا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے حیوان حق شناس صبر کر اور گھر کو واپس جا اللہ تیرے اوپر اپنی رحمت و برکت نازل کرے یہ سنتے ہی وہ قبر سے اٹھا اور اپنی جگہ واپس آیا تھوڑی دیر بعد پھر آیا اور رونے اور کراہنے لگا جب یہ حال امام محمد باقر علیہ السلام سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ میرے پدر بزرگوار کی جدائی میں سخت بیتاب ہے تین روز کے بعد وہ ناقہ وہیں مرگیا۔

کس کی طاقت ہے کہ حضرت کے علم و فضل کا حال بیان کر سکے۔ اس کا بڑا ثبوت آپ کا کلام معجز نظام ہے سعید امام زہری، سعید بن مسیب، ابن حازم سفیان بن عینہ اور ابو حمزہ ثمالی وغیرہ جو خیر التابعین کہلاتے ہیں اور اپنے زمانہ کے علمائے کاملین میں سے ہیں امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان لوگوں کے علوم ظاہری و باطنی سے جو کچھ فائدہ مسلمانوں کو پہنچا وہ سب حضرت ہی کی تعلیم کا فیض تھا امام زہری کہا کرتے تھے علی بن الحسینؑ سے بڑھ کر ہم نے کسی کو عالم اور فقیہ نہ پایا امام مالک کہا کرتے تھے علی بن الحسینؑ صاحبان فضیلت میں سے ہیں وہ بڑے ثقہ اور بڑے امین ہیں بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں بڑے بلند مرتبہ مقدس عابد اور خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

ابن عباس آپ کو دیکھ کر کہا کرتے تھے مرحبا اے محبوب کے محبوب۔ سعید بن مسیب کا قول ہے میں نے علی بن الحسینؑ سے بڑھ کر کسی کو صاحب فضل نہیں پایا۔

صحیفہ کاملہ جس کو صحیفہ سجادیہ بھی کہتے ہیں آپ کے کمال علمی اور فضائل باطنی کا کامل نمونہ ہے اس کی عبارت مضامین کی خوبی مناجات اور پُر اثر فقرات پر غور کیا جائے تو امام زین العابدین علیہ السلام کے علوم معرفت ترک علائق پاکیزگی نفس، روشن دلی زہد اور پرہیزگاری وغیرہ کا پورا پتہ چلتا ہے یہ وہ مقدس کتاب ہے جس کی عظمت و شان پر نظر رکھتے ہوئے علمائے فریقین نے اس کو زبور آلِ محمدؐ کا خطاب دیا ہے۔

آپ کا بارگاہ ایزدی میں یہ تقرب تھا کہ ایک بار مدینہ میں سخت قحط پڑا ہر چند لوگوں نے دعائیں کیں لیکن کچھ اثر نہ ہوا آخر کار لوگ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت الحاح و زاری سے عرض کی مولا خلق اللہ کی حالت بہت تباہ ہوتی جا رہی ہے آپ حضور بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائیں۔ حضرت نے وضو فرمایا نماز حاجت پڑھی پھر رو رو کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کی اے پالنے والے میں اس محبت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جو تجھ کو علی بن الحسینؑ سے ہے اس سختی کو دور کر اور ان لوگوں پر باران رحمت کو نازل فرما حضرت کی یہ دُعا قبول ہوئی اور ایسا موسلا دھار پانی برسا کہ جل تھل بھر گئے آپ نے اس موقعہ پر تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

جو شخص خدا کو پہچانتا ہو اور پھر معرفت خدا اس کو غنی نہ کرے تو ایسا شخص صرف شقی ہے خدا کی اطاعت میں بندے کا کبھی ضرر ہی نہیں۔ مرنے والے بندے کے لیے کوئی شان ہی نہیں اور اگر ہے تو صرف پرہیزگار کے لیے۔

یہ سب اثر تھا اس گھر میں پرورش پانے کا جس میں سب خدا کے بندے تھے خدا کے انتہائی عبادت گزار خلق اللہ پر انتہائی شفیق لوگ تھے۔ حضرت کے والد گرامی قدر فرزند رسول الثقلین تھے اور مادر گرامی جناب شہر بانو بنت یزدجرد بادشاہ ایران تھیں اور کمال درجہ ایمان پر فائز تھیں جب سے امام حسین علیہ السلام کے عقد میں آئیں شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور یہ فرمایا کرتی تھیں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ایسے گھر میں آئی جہاں رحمت ایزدی کا ہر وقت نزول ہے ایک دن کسی کنیز نے آپ سے کہا آپ بادشاہی محلات کی پروردہ یافتہ ہیں اور یہاں آپ کے لیے کوئی سامان راحت نہیں ضرور آپ کو یہ زندگی گراں گزر رہی ہوگی آپ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا خاموش ہو جا یہ بات تیرے کہنے کے لائق نہ تھی تو کیا جانے میں کہاں آگئی میں دوزخ میں تھی بہشت میں آئی کفر میں تھی ایمان میں آئی۔ نار میں تھی نور میں آئی۔ عذاب میں تھی رحمت میں آئی۔ آتش پرستوں سے نکل کر خدا پرستوں میں آئی۔ وہ دولت کے خزانے میری نظر سے گر گئے وہ محلات کا عیش میری نگاہ میں ہیچ ہو گیا دنیا اور دنیا کا عیش کا کیا چند روزہ کی بہار مجھے فرزند رسول کے صدقے میں دین کی دولت ملی جس کا شکر یہ عمر بھر ادا نہیں کر سکتی۔

آپ کے یہاں آنے کا واقعہ مورخین نے غلطی سے عمر کے زمانے کا لکھا ہے۔ ربیع الابرار محشری میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں حریث بن جابر جعفی کو مشرقی شہروں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا وہاں شاہ یزدجرد کی دو لڑکیاں ان کے ہاتھ لگیں۔ انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا ان میں سے ایک کا نام شہر بانو تھا اور دوسری کا نام گیہان بانو تھا حضرت علیؑ نے جناب شہربانو امام حسینؑ کو عطا فرمائیں اور گیہان بانو محمد بھائی بکر کو حضرت شہر بانو سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے گیہان بانو سے قاسم بن محمد، حضرت شہربانو کا انتقال امام زین العابدینؑ کی ولادت کے دو روز بعد ہی ہو گیا تھا پس یہ روایت غلط ہے کہ جناب شہربانو گھوڑے پر سوار ہو کر روز عاشور کہیں چلی گئی تھیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی پرورش پورے دو سال حضرت علیؑ نے کی آپ کو اپنے اس پوتے سے بڑا انس تھا اکثر چھاتی سے لگا کر فرمایا کرتے تھے اَنْتَ زَيْنُ الْعَابِدِيْن (بیٹا تو عابدوں کا زینت دینے والا ہے)
ایک روز امیر المومنین علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے امام زین العابدین جن کا سن ڈیڑھ سال کا تھا مصلے پر آپ کے ساتھ بیٹھے تھے حضرت سجدہ میں جاتے تو امام علیہ السلام بھی سجدہ میں جاتے اور جب آپ سر اٹھاتے تو وہ بھی سر اٹھاتے۔ حضرت نے ختم نماز کے بعد فرمایا سچ فرمایا ہے رسولؐ خدا نے: صَغِيْرُنَا كَبِيْرُنَا سَوَاءٌ ہمارے چھوٹے اور بڑے سب برابر ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام نے ایک روز امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ بھائی میں چاہتا ہوں کہ آج سے تمہارے فرزند علی بن الحسین کی پرورش کی خدمت میں انجام دوں حضرت نے مسکرا کر فرمایا حضورؑ کو اختیار ہے غرض کہ دو برس کے سن سے لے کر دس برس تک امام زین العابدین علیہ السلام حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ رہے امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ نصف شب کے بعد علی بن الحسین ہر رات کو اپنے بستر سے اُٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے تھے اور اس قدر خوف الٰہی میں بے چین ہو کر روتے تھے کہ مصلیٰ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا بچپن ہی سے علی بن الحسینؑ کو خلق اللہ کی خدمت کا بڑا شوق تھا۔ ہمسایہ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو جناب علی بن الحسینؑ ہر روز اس کی عیادت کو جاتے اور جو خدمت ممکن ہوتی بجا لاتے۔ ایک دن اس ہمسائے نے جس کی تیمارداری کرنے میں آپ مشغول تھے صحت یاب ہونے کے بعد آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اے بھائی میں نے تو یہ خدمت قربۃ الی اللہ انجام دی ہے لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (سورہ الدہر ۹/۷۶) (ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری) اس نے عرض کی مولا میرا دل تو چاہتا ہے آپ نے فرمایا اگر تم مجھے بدلہ دینا چاہتے ہو اور شکر گزاری سے خوش کرنا چاہتے ہو تو جیسے میں کہوں ویسے کرو اس نے خوش ہو کر کہا ارشاد ہو اگر تمہارے پڑوس

میں تمہاری طرح کوئی بیمار ہو یا کوئی مصیبت میں مبتلا نظر آئے تو جس طرح میں نے تمہاری خدمت کی ہے تم بھی اسی طرح اس کی کرنا بس یہی میری خدمت کا اجر ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کثرت ریاضت و عبادت نے میرے پدر بزرگوار کے جسم میں حد درجہ اضمحلال پیدا کر دیا تھا غذا میں حد درجہ تقلیل ہو گئی تھی چہرہ پر زردی رہنے لگی تھی۔ ایک روز میں نے عرض کی حضورؑ کی یہ کمزوری ہلاکت نہ کر دے یہ سن کر آپ زار زار رونے لگے اور فرمایا بیٹا ذرا وہ صحیفہ تو اٹھا لاؤ جس میں ہمارے جد نامدار حضرت علی علیہ السلام کی عبادت لکھی ہے جب وہ صحیفہ میں نے لا کر دیا تو حضرت نے پڑھا تو بہت زیادہ رقت آپ پر طاری ہوئی اور مجھ سے فرمایا اے فرزند علی بن الحسین کی عبادت ابھی تک اپنے جد کی عبادت کو نہیں پہنچی۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ نماز میں مشغول تھے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کھیلتے کھیلتے کنوئیں میں جا پڑے گھر بھر میں شور مچ گیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ ماجدہ گھبرائی ہوئی آئیں امام زین العابدینؑ کے پاس فریاد کرنے لگیں یابن رسول اللہ جلد نماز کو تمام کیجئے آپ کا فرزند کنوئیں میں گر گیا لیکن آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی انہوں نے پھر یہی فریاد کی آپ نے پھر کوئی توجہ نہ فرمائی۔ وہ کہنے لگیں یابن رسول اللہ آپ کا دل کتنا سخت ہے کہ بیٹا کنوئیں میں گر جاتا ہے اور آپ خبر نہیں لیتے۔ الغرض جب نماز پڑھ چکے تو آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور اپنا ہاتھ کنوئیں میں ڈالا بقدرت خدا پانی بلند ہوا اور جس طرح کوئی بچہ کو ہاتھوں پر رکھ کر اوپر کو اٹھاتا ہے پانی کی موجوں نے اسی طرح اپنے سینے پر رکھ کر امام محمد باقر علیہ السلام کو بلند کیا اور حضرت نے ان کا بازو پکڑ کر باہر نکال لیا۔ اور اپنی زوجہ گرامی سے فرمایا۔ اے ضعیفۃ الاعتقاد اپنے فرزند کو اگر میں خدا کی طرف سے اس وقت روگردانی کر لیتا اور اس کی رحمت میری طرف سے ہٹ جاتی تو بتا مجھ کو میرا بچہ زندہ کیسے مل سکتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مجلسِ دوازدہم

در حال شہادت امام زین العابدین علیہ السّلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج

(سورہ النساء ۵۹/۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تین اطاعتیں اہل ایمان پر واجب ہیں اول اللہ کی اطاعت جو اطاعت مطلق ہے، دوسری اطاعت رسولؐ و اولی الامر کی ہے۔ لوگ کہتے ہیں اولی الامر سے مراد شاہان دنیا ہیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بادشاہان دنیا تو فاسق و فاجر ظالم و جابر جاہل و عالم سب ہی طرح کے ہوتے ہیں پھر بھلا ان کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت جیسی کیسے ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ دو قسم کی قوتیں دنیا میں پائی جاتی ہیں ایک قوت فعلی یعنی دوسروں کے اندر اپنا عمل دکھانے والی اور دوسری قوت انفعالی یعنی دوسرے کے اثر کو قبول کرنے والی ہر مخلوق میں یہ دونوں قوتیں کم و بیش موجود ہیں پس جس میں قوت فعلی کم ہوتی ہے وہ اس چیز کی مطیع قرار پائی ہے جس میں یہ قوت زیادہ ہوتی ہے اور یہ خدائی قانون ہے کہ انفعالی قوت زیادہ رکھنے والی چیز اپنے سے زیادہ قوت فعلی رکھنے والے کی اطاعت پر مجبور ہو جاتی ہے ورنہ نظام عالم خراب ہو جائے۔ مثلاً زمین میں بہ نسبت پانی کے قوت فعلی کم ہے لہذا پانی کا عمل اس پر جاری ہے وہ اس کو روک نہیں اس کے اندر جہاں چاہتا ہے سما جاتا ہے وہ اس

کو منع نہیں کرتی انتہا یہ ہے کہ اس کی بڑی بڑی چٹانوں کو کہیں سے کہیں بہا کرلے جاتا ہے اور زمین اس کی اطاعت کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتی ہے جہاں چاہتا ہے اس کی سطح پر اپنا راستہ بناتا ہوا نکل جاتا ہے وہ اس کو روکتی نہیں۔ چٹانوں کو توڑ پھوڑ کر خاک کے ذرّے بنا دیتا ہے وہ اس کے سامنے دم نہیں مارتی۔ پانی پر خدا نے ہوا کو حاکم بنا دیا ہے وہ اپنے دامن میں جتنا پانی چاہتی ہے بھر کرلے جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے اس کو وہیں دے پٹکتی ہے۔ پانی کی کیا مجال کہ اس کے حکم سے سرتابی کرسکے۔ ہوا پر آگ کو حاکم بنایا ہے۔ سورج اپنی گرمی سے جدھر ہوا کو چاہے چلائے اور جس طرح چاہے چلائے ہوا اس کے حکم کو روک نہیں سکتی۔

اسی طرح جمادات پر نباتات کو حاکم بنایا ہے۔ جہاں چاہے اپنا بیج اُگائے اپنی جڑ جمائے۔ زمین کا کیا ذکر پہاڑوں کی طاقت نہیں کہ اس کی پھیلنے والی جڑوں کو روک سکیں سخت سے سخت چٹانیں دم نہیں مار سکتیں ان کو قہراً و جبراً اپنے اندر درختوں کو جگہ دینی پڑتی ہے پھر نباتات پر حکمران حیوانات کو بنا دیا ہے۔ پرندے جہاں چاہیں بیٹھیں، جس پھول کو چاہیں نوچیں، توڑیں کتریں کیا مجال ہے کہ روک ٹوک ہو چرندے جو چیز چاہیں کھائیں درختوں کو منع کرنے کا یارا نہیں حیوانوں پر انسان حکمران ہے جسے چاہے گرفتار کرلے اور جو کام چاہے اس سے لے لیکن ان انسانوں میں کچھ مخصوص خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو تمام بنی نوع انسان پر حکومت کرنے کا حق دیا گیا ہے اور ان کی اطاعت کو سب پر واجب کیا گیا ہے یہی لوگ اولی الامر کہلاتے ہیں ان کی روحانیت میں فعلی قوّت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ قوت ان میں پیدا ہوتی ہے عصمت کی بدولت کیوں کہ گناہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ کوئی قوّت ان کے جذبات و خیالات پر حاکم ہے پس جو خود محکوم ہے وہ دوسروں پر صاحب امر و حکم نہیں ہوسکتا یہ اولی الامر وہی لوگ ہیں جن کی تعداد رسولؐ نے بارہ بتائی ہے اور جو سب کے سب اولاد فاطمہؑ میں سے ہوں گے اور ان کا آخر صاحب الامر کہلاتا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (سورہ القدر ۴/۹۷) سے واضح ہوتا ہے کہ شب قدر میں ملائکہ اور روح ہر امر کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی صاحب الامر رسولؐ جیسا نہ ہو تو یہ امر نازل ہوگا کس پر ملائکہ غیر معصوم پر نہ تو نازل ہوسکتے ہیں اور نہ امر الٰہی کے نزول کا ان سے تعلق ہوسکتا ہے۔

آیت کا نزول یوں تھا کہ اللہ کی اطاعت کرو پھر رسولؐ کی پھر اولی الامر کی لیکن تعمیل ہو کر یوں ہوئی اولی الامر کی اطاعت ہوئی پھر رسولؐ کی پھر اللہ کی کیونکہ رسولؐ نے فرمایا ہے مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ یعنی جو ایسی حالت میں مرگیا اس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا

تو وہ کفر کی موت مرا پس جب امام زمانہ کا پہچاننا ضروری ہے اور بغیر اس کی معرفت کے معرفت رسولؐ نہیں ہوسکتی اور بغیر معرفت رسولؐ معرفت خدا نہیں ہوسکتی اسی لیے اطاعت اولی الامر مقدم ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اطاعت ہی ایک ایسی چیز ہے جو نظام عالم کو برقرار رکھنے والی ہے۔ اگر اجسام مادیہ میں فعل و انفعال نہ ہو اور ایک دوسرے کی اطاعت نہ کرے تو نہ کوئی چیز بن سکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔ اطاعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک جزوی امور میں اطاعت جیسے اطاعت والدین کہ اگر وہ کفر میں شرک میں اطاعت کرانی چاہیں یا معصیت خالق کی طرف دعوت دیں تو پھر اولاد پر ان کی اطاعت واجب نہ ہوگی۔ اور دوسری اطاعت کلیہ ہے کہ ہر حکم اس میں ماننے پر انسان مجبور ہو جاتا ہے یہ اطاعت رسولؐ اور اولی الامرؑ کی وہ جس حال میں اور جس وقت بھی کسی کام کے لیے کسی کو بلائیں ان کا حکم ماننا واجب ہوگا۔

بادشاہان دنیا یا امرائے سرایا کی یہ شان کہاں کہ ان کا ہر حکم واجب العمل ہو کیونکہ وہ غیر معصوم ہونے کی وجہ سے بہت سے حکم ایسے دے سکتے ہیں جن کے بجالانے میں معصیت لازم ہوتی ہے۔ علاوہ بریں بادشاہان دنیا کی وہ وقعت انسان کے دل میں ہو ہی نہیں سکتی جو اولی الامر کی ہوگی۔ آیئے ہم ایک واقعہ آپ کو سنائیں جس سے بادشاہ اور اولی الامر کا فرق اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

ایک بار ہشام بن عبدالملک حج کرنے گیا چاہتا تھا کہ حجر اسود کو بوسہ دے لیکن حاجیوں کا ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ وہ کسی طرح وہاں پہنچ نہ سکتا تھا چونکہ خانہ کعبہ میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں اسی لیے کسی کو ہٹایا نہ جاسکتا تھا آخر مجبور ہو کر ایک بلندی پر جا کھڑا ہوا کہ ہجوم کم ہو تو جاکر بوسہ دے ناگاہ اس نے دیکھا کہ حرم کے دروازے سے حجر اسود تک سب لوگ کائی کی طرح پھٹ گئے اور ایک راستہ وہاں سے یہاں تک بن گیا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ ایک بزرگ نہایت نحیف و نزار سیاہ لباس پہنے ہوئے عصا کے سہارے آہستہ آہستہ آرہے ہیں لوگ گر گر کر قدموں پر بوسہ دے رہے ہیں یہ ہمارے چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام تھے ہشام اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ یہ صورتیں چھپنے والی نہ تھیں مگر اس نے ازراہ تجاہل عارفانہ اپنے ارکان سلطنت سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کے لیے لوگ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور لوگ تو خاموش ہوگئے مگر فرزدق شاعر سے جو اس کے پہلو میں کھڑا تھا ضبط نہ ہوسکا اس نے فی البدیہ امام کی شان میں ایک قصیدہ کہہ کر پڑھنا شروع کیا جس کے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

هٰذَا الَّذِی تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْاَتَهُ ‏ وَالْبَیْتُ تَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یہ وہ ہیں جن کے نشان قدم کو مکہ پہچانتا ہے ‏ خانہ کعبہ اور مقام حل و حرم پہچانتے ہیں

هٰذا ابنُ خَيرِ عِبادِ اللهِ كُلِّهِمُ — هٰذا التَّقِيُّ وَالنَّقِيُّ الطَّاهِرُ العَلَمُ

یہ خدا کے بہترین بندوں کے فرزند ہیں — یہ پاک و پاکیزہ ہیں پاک سیرت ہیں اور مشہور آفاق ہیں

مَاقَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ — لَوْلَا التَّشَهُّدُ کَانَتْ لَاؤُهٗ نَعَمُ

ایسے سخی ہیں کہ انہوں نے کبھی لا (حروف نفی) زبان سے نکالا ہی نہیں اگر تشہد میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہوتا تو یہ کبھی لا کہتے ہی نہیں۔

یہ قصیدہ سن کر ہشام غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا اے فرزدق تو بڑا نمک حرام ہے تو نے ہمیشہ ہمارا نمک کھایا ہے لیکن ہماری شان میں کبھی ایسا قصیدہ نہ کہا انہوں نے کہا اے ہشام خاموش ہو تو بھی اپنے کو ایسا ہی بنالے اور اپنے باپ دادا ایسے ہی بنالے تیری شان میں ایسا ہی قصیدہ لکھ دوں گا۔ ہشام نے حکم دیا فرزدق کو قید کر لو چنانچہ اسی وقت اس کو پابازنجیر کر کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام کو یہ پتہ چلا تو آپ آبدیدہ ہو کر گھر میں تشریف لائے اور فرمایا آج فرزدق ہماری محبت میں قید کر دیا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو قید خانہ میں کچھ زرِ نقد بطور تحفہ بھیجوں۔ جناب زینب و ام کلثوم نے کہا بیٹا ہمارے پاس از قسم مال دنیا کیا چیز ہے کہ تحفہ میں دیں۔ کربلا میں ہم تو لٹ چکے ہیں بہر حال چند درہم و دینار ایک رومال میں باندھ کر حضرت نے اپنے غلام کو دیئے کہ یہ فرزدق کے پاس لے جا اور اس سے کہنا کہ بھائی ہمارے پاس مال دنیا سے کوئی شے باقی نہیں جو تجھے تحفہ میں دیں جو بھیجا ہے قبول کر لینا۔

غلام وہ رومال لے کر قید خانہ میں پہنچا فرزدق پابہ زنجیر درِ زنداں کے قریب سر جھکائے بیٹھا تھا کہ غلام نے جا کر سلام کیا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں امام زین العابدینؑ کا غلام ہوں۔ اس نے کہا اے میرے آقا کے غلام ذرا اپنے قدم آگے بڑھا کہ میں بوسہ دوں غلام نے وہ رومال دے کر امام کا پیغام دیا۔ فرزدق یہ سن کر رونے لگا اور کہا اے غلام یہ درہم و دینار واپس لے جا اور میری طرف سے خدمت امام میں عرض کرنا مولا میں نے طمع دنیا میں یہ قصیدہ نہیں کہا تھا بلکہ اجرِ آخرت کے لیے۔ مولا میری یہ درخواست ہے کہ روز محشر جب آفتاب اپنی پوری حدت پر ہو اپنے دامن کا سایہ میرے سر پر کر لیجئے گا اور پیش خدا مجھ گنہگار کی سفارش فرما دیجئے گا۔ غلام وہ دینار لے کر واپس آیا تو حضرت نے فرمایا پھر جا اور کہنا اے فرزدق ہم اہل کرم ہیں جو دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے۔ انشاء اللہ روزِ حشر تیری بخشش کے لیے سفارش کروں گا۔ یہ ہے فرق بادشاہ اور اولی اللہ

میں یہ ہے روحانی حکومت جس سے دنیوی شوکت وحشمت کا کوئی تعلق نہیں۔
آہ آہ ایسے برگزیدہ باری کو واقعہ کربلا کے بعد اعدائے دین نے ایسا ستایا کہ اس کے تصور سے کلیجہ خون ہوتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ بعد شہادت امام مظلوم جب خیموں میں آگ لگائی گئی اہل حرم کو لوٹا گیا تو ایک شقی وہ بستر بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے نیچے سے کھینچ کے لے گیا جس پر آپ بیماری کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ آہ آہ اس کے بعد حضرت کو قید کر کے برہنہ پشت اونٹ پر بٹھایا اور قتل حسینؑ کی عید مناتے کربلا سے کوفہ روانہ ہو گئے جب یہ قافلہ بازار کوفہ میں پہنچا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ لوگ ان کی مصیبت پر رو رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اے کوفہ والو آج تم ہماری مصیبت پر روتے اور نوحہ خوانی کرتے ہو لیکن یہ تو بتاؤ ہمارا قتل کرنے والا سوائے تمہارے اور کون ہے اے اہل کوفہ بتاؤ کہ میرے باپ نے کیا جرم کیا تھا۔ کیا کسی کو قتل کیا تھا۔ کیا شریعت اسلام کو بدلا تھا دین میں کوئی احداث کیا تھا کہ تم نے ان کو تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کر ڈالا اے اہل کوفہ کیا حسین ابن علی تمہارے نبی کے نواسے نہ تھے کیا فاطمہ زہراؑ کے بیٹے نہ تھے ولئے ہو تم پر جس محمد مصطفےٰ کا کلمہ پڑھتے ہو اسی کے نواسے کو ذبح کرتے ہو وہ وقت قریب ہے کہ عذاب الٰہی تم پر نازل ہو حضرت کی یہ تقریر سن کر مجمع میں کہرام بپا ہو گیا اور آوازیں آئیں یابن رسول اللہ ہم ان حالات سے بے خبر ہیں حکومت نے ہم سے ان سب کو مخفی رکھا۔
عمر بن حریث کہتا ہے میں کبھی کسی کی مصیبت پر اتنا نہیں رویا جتنا علی بن الحسینؑ کی اس بے کسی و بے لبسی پر رویا ہوں کہ ابن زیاد کے دربار میں ان کے خاندان کی تمام بی بیاں اس طرح ذلت سے کھڑی ہوئیں کہ کسی کے سر پر چادر نہ تھی ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ چہرے گرد و غبار سے اَٹے ہوئے تھے۔ شمر ایک ایک بی بی کا تعارف کرا رہا تھا کہ یہ زینب بنت علیؑ ہیں یہ ام کلثوم ہیں یہ سکینہ بنت الحسینؑ ہے اس وقت امام زین العابدین سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے۔ آہ کوئی عزیز دنیا میں اس طرح ذلیل نہ ہو جس طرح ذریت رسولؐ کو اعدائے دین نے ذلیل کیا۔ ابن زیاد نے علی بن الحسین کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ اے شمر یہ کون ہے اس نے کہا یہ علی بن الحسینؑ ہیں اس نے کہا کیا علی بن الحسین کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ حضرت نے نہایت غمزدہ آواز میں فرمایا میرا ایک بھائی جس کا نام علی بن الحسین تھا (مراد علی اکبر) تیرے لشکر نے ان کو قتل کر ڈالا۔ وہ بولا میرے لشکر نے نہیں بلکہ خدا نے اس کو قتل کیا فرمایا او شقی تو جھوٹ بولتا ہے۔ خدا تجھ پر لعنت کرے۔ ابن زیاد کو غصہ آگیا۔ حکم دیا اس کو باہر لے جا کر قتل کر دو۔ یہ سنتے ہی جناب زینبؑ بے چین ہو گئیں۔ فرمایا او ظالم ہمارا سارا گھر تہ تیغ کرنے کے بعد بھی

تجھے چین نہ آیا۔ یہ کہہ کر بیمار کر بلا سے لپٹ گئیں اور کہا میں ہرگز اس کو نہ چھوڑوں گی۔ اگر تو اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈال۔ یہ حال دیکھ کر وہ شقی قتل امام سے باز رہا۔

کوفہ میں کچھ دن قید رکھ کر اہل حرم کو دمشق بھیجا گیا۔ کسی نے امام زین العابدین سے پوچھا سب سے زیادہ مصیبت آپ پر کہاں نازل ہوئی تھی۔ فرمایا تین مرتبہ الشام الشام الشام

اُقَادُ ذَلِیلاً فِی دِمشقٍ کَانَّنِیْ مِنَ الزَّنجِ عَبدٌ غَابَ عَنہُ نَصِیرٌ

میں دمشق میں اس طرح ذلت کے ساتھ پھرایا جا رہا تھا جیسے کوئی حبش کا ایسا غلام جس کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہو۔ لکھا ہے کہ جب اہل حرم کا قافلہ جامع مسجد کے پاس پہنچا تو ایک شامی نے یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ کفار ہیں کہا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو ہلاک کیا اور فتنہ کی جڑ کو اکھاڑ ڈالا۔ امام زین العابدینؑ بڑے صبر سے اس گستاخانہ کلام کو سنتے رہے۔ جب وہ شخص کہہ چکا تو آپ نے فرمایا اے شخص تو نے قرآن پڑھا ہے۔ اس نے کہا ہاں پڑھا ہے اور کیا یہ آیت بھی پڑھی ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷/۲۶) اس نے کہا ہاں فرمایا یہ بھی پڑھی ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورہ الاحزاب ۳۳/۳۲) اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اے شخص یہ سب آیتیں ہماری شان میں ہیں یہ سن کر وہ مرد شامی گھبرا گیا اور بارگاہ باری میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ اے پروردگار میں توبہ کرتا ہوں اور ان لوگوں سے سخت بیزار ہوں جنہوں نے تیرے نبی کی آل پر ظلم کیا۔

لکھا ہے جب زین العابدین علیہ السلام دربار یزید میں پہنچے تو وہ ملعون اس وقت شراب پی رہا تھا امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ایک طشت طلا میں اس کے سامنے رکھا ہوا تھا اہل حرم مجرموں کی طرح دست بستہ سامنے کھڑے تھے جب کچھ دیر اسی حالت میں گزر گئی تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اے یزید میں تجھے قسم دیتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ اگر حضرت رسولؐ خدا ہم لوگوں کو اس حالت میں دیکھتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ یزید نے کہا فرزند حسینؑ آپ کے باپ نے میرے تعلقات کو قطع کیا میرے حقوق سے انکار کیا اور میری سلطنت میں جھگڑا ڈالا پس خدا نے ان کے ساتھ وہ کیا جو اس کو کرنا چاہئے تھا۔

حضرت نے فرمایا اے یزید خدا سے ڈر یہ کام خدا نے نہیں کیا بلکہ تیری فوج نے کیا ہے قتل حسینؑ کا ذمہ دار تو ہے میرے باپ نے ہرگز کوئی فتنہ برپا نہیں کیا میرے باپ نے ہرگز کسی کے حق کو ضبط نہیں کیا خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے میرے پدر بزرگوار کو قتل کیا۔ یہ سنتے ہی یزید غصہ میں آ گیا اور امام کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت نے فرمایا اے شقی اگر تو مجھے قتل کراتا ہے تو ان بیکس اور بے وارث

عورتوں کو ان کے وطن تک پہنچا دے کہ میرے سوا اب ان کا کوئی نہیں ہے تیری فوج نے ہمارے گھرانے کے مردوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا ہے۔ یزید نے دیکھا اس کے اس ظالمانہ حکم پر درباریوں کے تیور بگڑ گئے ہیں لہذا وہ حضرت کے قتل سے باز رہا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اے پسر معاویہ جو مہلت خدا نے دے رکھی ہے اس پر مغرور نہ ہونا۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ قدرت کا عذاب تیرے اوپر نازل ہوگا اے یزید اگر تو سمجھتا ہے کہ تو نے میرے باپ بھائیوں، چچازاد بھائیوں، چچا پر کیسا ظلم کیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ دیوانہ ہو کر جنگل میں نکل جاتا اور ہمیشہ خاک پر بیٹھا نالہ و فریاد کیا کرتا۔ افسوس میرے باپ فرزند فاطمہ کا سر بیت سے سامنے طشت میں رکھا جائے اور تو خوش ہو۔ اے یزید اب تو اس ذلت کے لیے تیار ہو جا جو بہت جلد تجھ کو ہونے والی ہے۔ یہ سن کر یزید نے حکم دیا کہ ان سب کو میرے سامنے سے ہٹاؤ اور زندان خانہ میں بند کر دو۔

یزید نے ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کو زنداں سے مسجد میں بلایا تاکہ سب کے سامنے ذلیل کرے اس نے ایک خطیب کو حکم دیا کہ منبر پر جا کر ہمارے فضائل اور بنی فاطمہ کے معائب بیان کر اس نے فوراً تعمیل حکم کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا افسوس ہے کہ تو نے خدا کے ایک نافرمان بندے کے لیے اپنے خدا کی نافرمانی کی اب تو آتش جہنم میں جانے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر پھر آپ نے یزید سے فرمایا اگر اجازت دے تو میں بھی کچھ کہوں۔ یزید نے پہلے تو نامنظور کیا لیکن جب حاضرین دربار نے بہت زور دیا تو اجازت دینی پڑی۔ حضرت نے فرمایا لوگو جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں علی بن الحسین ہوں۔ فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں ان کا پارہ جگر ہوں کہ جو مکہ و منیٰ کا مالک ہے ہو میں اس کا بیٹا ہوں جو صاحب صفا و مروہ ہے میں اس کا بیٹا ہوں جس کے ساتھ آسمان پر ملائکہ نے نماز پڑھی ہیں اس کا فرزند ہوں جو حوضِ کوثر کا مالک ہے میں اس کا فرزند ہوں۔ جس پر قرآن نازل ہوا میں اس رسولؐ کا فرزند ہوں میں اس کا بیٹا ہوں جس کے لیے جنت کے دروازے کھولے گئے جس پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جو زمین کربلا پر بے گور و کفن پڑا رہا ہے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو پیاسا ذبح کیا گیا جس کی بیکسی پر ملائکہ روئے۔

لوگو! خدا نے سخت بلاؤں سے ہمارا امتحان لیا ہے اس نے ہمارے لیے ہدایت کو مخصوص کیا ہے اور ہمارے دشمنوں کے لیے ہلاکت کو خدا نے ہم کو تمام عالم پر فضیلت دی ہے اور وہ چیزیں عطا فرمائیں جو دنیا میں کسی کے پاس نہیں علم، حلم، شجاعت، محبت خدا محبت رسولؐ یہ پانچ چیزیں ہم کو دی گئی ہیں۔

جب حضرت یہاں تک پہنچے تو حاضرین مسجد رونے لگے یزید کو خوف ہوا کہ کہیں اہل شام اس سے منحرف

نہ ہو جائیں فوراً موذن کو اذان دینے کا حکم دیا جب اس نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہ
کہا تو حضرتؑ نے فرمایا اے یزید تو ہی بتا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ میرے جدِ بزرگوار تھے یا کہ تیرے تو اگر کہے کہ تمہارے
جد تھے تب تو صحیح ہے ورنہ تو جھوٹا ہے۔ یزید نے کہا بیشک وہ آپ ہی کے جد تھے۔ فرمایا پھر تو نے اُن کی
ذرّیت کو کیوں قتل کیا ان کی عورتوں کو کیوں قید کیا یہ سن کر یزید خاموش ہوگیا اور حاضرین نے شور مچایا ہائے
اسلام پر مصیبت عظیم واقع ہوگئی۔ ہائے اسلام تباہ ہوگیا۔

اس کلام سے یزید کو خوف ہوا کہ کہیں لوگ بغاوت کر کے مجھے ہلاک نہ کر ڈالیں فوراً مجمع کو برخاست
ہونے کا حکم دیا لکھا ہے کہ قید یزید سے رہا ہونے کے بعد جب امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ میں
تشریف لائے تو آپ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی رات دن عبادتِ الٰہی میں بسر کرنے لگے دن کو روزہ
رکھتے اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے اکثر واقعہ کربلا کو یاد کر کے رویا کرتے تھے جب افطار کے وقت آپ کے
سامنے کھانا اور پانی آتا تھا تو فرمایا کرتے تھے آہ ہمارے بابا جان بھوکے اور پیاسے قتل ہوئے اس کلمہ کو کئی
بار فرماتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ کھانے میں آنسو مل جاتے تھے یہ حال آپ کا مرتے دم تک رہا جب تک
آپ زندہ رہے نہ تو کبھی فرش پر سوئے نہ کبھی ٹھنڈا پانی پیا نہ کبھی ہنسے نہ کسی جلسے شادی میں شرکت کی
اگر کسی ضرورت سے آپ بازار کی طرف نکل جاتے تھے تو قصاب ذبیحہ کے سر پر کپڑا ڈال دیتے تھے کیونکہ
ذبیحہ دیکھ کر آپ کو کربلا کے واقعات یاد آجاتے تھے اور آپ اتنا روتے تھے کہ غش آجاتا تھا۔

شہادت امام حسین علیہ السلام کے کچھ روز بعد ہی سے سلطنت یزید ملعون ہر طرف بغاوت کے آثار
شروع ہوگئے اور اسی لیے اہل حرم کو ایک سال کے اندر ہی رہا کر دیا تھا قتل امام حسین علیہ السلام کے
وقت جو دوستان امیرالمومنینؑ خوف ابن زیاد سے کوفہ چھوڑ کر چلے گئے یا جن کو ابن زیاد نے قید کر دیا تھا
موقع پا کر ان سب نے اپنی منتشر قوت کو جمع کیا اور قرار پایا کہ حسینؑ کے خون کا بدلہ لیا جائے جناب سلیمان
بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، ابراہیم بن مالک اشتر اور مختار وغیرہ کی کوششوں سے قاتلانِ
حسینؑ پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا بالخصوص جب امیر مختار کو عراق پر پورا تسلط ہوگیا تو انہوں نے قاتلان
حسینؑ کو چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

منہال کوفی کہتے ہیں کہ میں ایک روز امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے
مجھ سے پوچھا کہ منہال کوفہ میں کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کی کہ خدا کا شکر ہے کہ مختار قاتلان حسینؑ کو چن
چن کر قتل کر رہے ہیں۔ حضرت یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا خدا مختار پر اپنی رحمت نازل کرے کہ انہوں
نے اہلبیتؑ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اے منہال جب تم کوفہ جاؤ تو مختار سے کہنا کہ پوری کوشش کر کے حرملہ ملعون

کو ضرور گرفتار کرنا اور قتل سے پہلے اس شقی کے ہاتھ قلم کرا دینا اس لیے کہ اس نے ہم اہلبیت پر بڑا ظلم کیا ہے منہال کہتے ہیں جب میں کوفہ پہنچا تو ایک روز امیر مختار سے ملنے گیا ابھی کوئی گفتگو نہ ہونے پائی تھی کہ یکایک شور مچا کہ حرملہ شقی کو لایا جا رہا ہے جب وہ مختار کے سامنے آیا تو مختار کا چہرہ اسے دیکھ کر غصہ سے سُرخ ہوگیا اور ڈانٹ کر اس سے پوچھا ہاں شقی اب بتا کہ تو نے روزِ عاشورہ کیا کیا تھا۔ اس نے کہا اے امیر روزِ عاشورہ میرے ترکش میں تین تیر تھے ایک تیر تو میں نے اس وقت لگایا جب عباس علمبردار مشک سکینہ بھر کر خیام کی طرف لے جا رہے تھے پسر سعد نے مجھ سے کہا کہ اگر یہ پانی پہنچ گیا تو غضب ہو جائے گا میں نے بڑھ کر ایک ایسا تیر مارا کہ مشکیزہ کو چھید کر پار ہوگیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ مختار نے کہا اے شقی خدا کی تجھ پر لعنت ہو بتا دوسرا تیر تو نے کہاں لگایا اس نے کہا وہ میں نے حسینؑ کے شیر خوار بچہ کے گلے پر لگایا مختار یہ سُن کر رونے لگے فرمایا خدا کا عذاب تجھ پر اے شقی نازل ہو کہ تو نے چھ مہینے کے معصوم بچّہ پر بھی رحم نہ کھایا اچھا بتا تیسرا تیر کہاں مارا اس نے کہا جب حسینؑ بن علیؑ زخموں سے چور گھوڑے پر بیٹھے تو میرے ہی تیر کی وجہ سے جو پیشانی پر لگا تھا گھوڑے سے زمین پر گرے تھے۔ یہ سنتے ہی مختار غصّہ سے تھر تھر کانپنے لگے اور حکم دیا کہ اس شقی کے پہلے دونوں ہاتھ قلم کر دو پھر اسے زمین پر لٹا کر اس کے بدن میں کیلیں ٹھوکو پھر چاروں طرف سے اس کے بدن پر اتنے تیر مارو کہ یہ شقی واصل جہنّم ہو۔ منہال کہتے ہیں کہ یہ حکم سنتے ہی میں بے اختیار رونے لگا۔ مختار نے کہا اے منہال یہ تو خوشی کا وقت ہے نہ کہ رونے کا میں نے کہا اے امیر میں اپنے اس بزرگ سیدو امام کی بے کسی اور مجبوری کو یاد کر کے رو رہا ہوں جو خدا کی بارگاہ میں اتنا مقبول ہے کہ جو زبان سے کہہ دیتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے پھر میں نے اپنی ملاقات کا حال اور امام کی خواہش بیان کر کے کہا اے امیر میں ابھی یہ واقعہ آپ سے بیان کرنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے حرملہ کے متعلق وہی حکم صادر کیا جو ان کی خواہش تھی۔

الغرض جب مختار نے تمام قاتلان حسینؑ کو فی النّار کر دیا تو مخصوص سرداروں کے سر ابن زیاد، عمر سعد، شیث بن ربعی، سنان بن انس، خولی، شمر وغیرہ خدمت حضرت محمد حنفیہ میں بھیج دیئے کیونکہ امیر مختار کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے مختار پر بہت سے احسان کیے تھے۔ جب یہ سرِ نجس جناب محمد حنفیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے ان سب کو حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں بھیج دیا یہ ۹ ربیع الاوّل کا دن تھا۔ جب یہ سر حضرت نے دیکھے تو فرطِ مسرّت سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ آپ نے ان پر لعن پڑھا۔ سجدہ شکر ادا کیا اور زنانِ اہلحرم کو بشارت دی کہ قاتلان حسینؑ سب قتل

ہوگئے اور الحمد للہ روئے زمین سے ان کے نجس وجود مٹ گئے۔ لکھا ہے کہ یہ خبر سن کر تمام سیدانیاں خوش ہوئیں اور انہوں نے اپنے سوگ کے کپڑے اتارے۔ اسی وجہ سے ہم لوگ ۹ ربیع الاوّل کو عید مناتے ہیں اور ۸ ربیع الاوّل تک تمام عورتیں سوگ کے کپڑے پہنے رہتی ہیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ امام زین العابدین نے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ سوائے چند احباب کے جو شرعی مسائل دریافت کرنے کے لیے آیا کرتے تھے آپ کسی اور سے ملتے ہی نہ تھے۔ اکثر حاضر باشوں میں ابوحمزہ ثمالی اور امام زہری وغیرہ تھے۔ آپ نے محمد حنفیہ کو دینی مسائل کی تعلیم کے لیے اپنی طرف سے نائب مقرر کر دیا تھا۔ یہ زمانہ سخت مخدوش تھا۔ قدم قدم پر سلطنت کی طرف سے مخالفت کے جرم کا شبہہ لگا رہتا تھا بات بات پر قتل دہشت اور قید کا خوف تھا۔

۶۱ھ سے لے کر ۹۵ھ روز وفات تک ۳۴ برس کامل آپ نے خانہ نشینی میں اپنی زندگی بسر کی اور اپنے عزیزوں کو آپ اتنا روئے کہ آپ کے رخسار زخمی ہوگئے تھے بعض اوقات گھر والوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوتا تھا کہ آپ فرط گریہ سے مر جائیں گے۔ جب کھانا سامنے آتا تب روتے، جب پانی سامنے آتا تب روتے جب کوئی ماتم پرسی کو آتا تب روتے ایک دن کسی نے کہا یابن رسول اللہ آپ گریہ کو کم کیجیے۔ فرمایا اے شخص یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے صرف ایک بیٹا غائب ہوگیا تھا اس کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اور غم سے کمر خمیدہ ہوگئی تھی حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے فرزند زندہ ہیں اور میں تو اپنے اٹھارہ عزیزوں سے جدا ہوا ہوں جن سے ملنے کی زندگی بھر کوئی امید نہیں میرے باپ میرے بھائی کے سر کاٹے گئے ان کے لاشے پامال کیے گئے ان کے لباس اتارے گئے پھر ایسی حالت میں میرا رونا کیوں کر کم ہو سکتا ہے۔

لکھا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام حضرت عقیل کے پوتوں پر سب سے زیادہ شفقت فرماتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا۔

آپ نے فرمایا ان بچوں کے باپ میرے پدر بزرگوار کے ساتھ قتل ہوئے ہیں اور ہمارے عزیزوں میں سب سے زیادہ اولاد عقیل ہی قتل کی گئی ہے۔

عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام دوبارہ گرفتار ہو کر دمشق لے جائے گئے اس سفر میں جناب زینبؑ پھر آپ کے ساتھ گئیں اور راہ شام میں ایک شقی کا بیلچہ کھا کر شہادت پائی حضرت زینبؑ کو امام زین العابدینؑ سے کیسی شدید محبت تھی کہ عالم ضعیفی میں بھی بھتیجے کا تنہا جانا گوارا نہ کیا امام زین العابدین علیہ السلام پر اپنی پھوپھی کے چھٹنے کا بڑا سخت اثر ہوا بہر حال آپ دمشق پہنچے اور آپ کو عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا آخر میرے اور تیرے درمیان کیا عداوت ہے جس کی وجہ سے تو میرے لیے تکلیف کا باعث ہو رہا ہے

اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور میرے خلاف باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں مجھے سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں الغرض جب اس پر ثابت ہوگیا کہ آپ بے قصور ہیں تو مدینہ واپس ہونے کی اجازت دے دی۔

ایک روز محمد حنفیہ امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور فرمایا میں تمہارا چچا ہوں اور عمر میں تم سے بڑا ہوں تم خاندانی تبرکات مجھے دے دو کیونکہ بھائی حسینؑ کے بعد امامت میرا حق ہے حضرت نے فرمایا اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے کہ امام برحق کون ہے، ہم اس کے متعلق حجرِ اسود سے دریافت کریں۔ الغرض دونوں بزرگوار خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ امام علیہ السلام نے کچھ اسمائے گرامی پڑھ کر حجرِ اسود سے فرمایا تو بتا کہ امام حسینؑ کے بعد امام برحق کون ہے؟ اس سے آواز آئی اے محمد حنفیہ امامت علی بن الحسینؑ کا حق ہے امور دین میں آپ پر ان کی پیروی واجب ہے (عمدۃ المطالب) حضرت محمد حنفیہ نے یہ محاسبہ صرف اس لیے کیا تھا تاکہ اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امام برحق اس زمانہ میں علی بن الحسینؑ ہیں حجرِ اسود سے فیصلہ اس لیے کرایا گیا کہ یہ ایک غیر معمولی فیصلہ ہوگا جو ہر جگہ بیان کیا جائے گا۔

ہمارے اس مظلوم امام نے ۱۸ یا بروایتے ۲۲ محرم ۹۵ھ کو دنیا سے رحلت فرمائی ہے آپ کی شہادت کا سبب یہ تھا عبدالملک بن مروان نے خفیہ طور پر آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو مجھے پاس بلا کر فرمایا بیٹا اب میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اب میرے بعد تم امام ہو امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار نے رحلت فرمائی تو ہمارے گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ حضرت کے مصائب و آلام کو یاد کر کے تمام زن و مرد زار زار رو رہے تھے۔ امام فرماتے ہیں جب حضرت کو غسل دیا گیا تو آپ کے سینہ پر اس وقت تک وہ نشان موجود تھا جو کربلا میں طوق خاردار کے پڑنے سے پیدا ہو گیا تھا اور ساق مبارک پر بیڑیوں کے نشان بھی تھے آپ کے کندھوں پر بھی نشان پائے گئے کسی نے پوچھا یہ نشان کیسے ہیں میں نے کہا یہ ان زنبیلوں کے ہیں جن کو میرے پدر بزرگوار کھانوں سے بھر کر ہر شب محتاجوں کو تقسیم کرنے کے لیے کندھوں پر رکھ کر لے جاتے تھے۔ الغرض جنازہ تیار ہوا سیدانیوں نے سر کھول کر ماتم کیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ دن ہم اہل بیت کے لیے حضرت رسولِ خدا۔ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے یوم رحلت سے کسی طرح کم نہ تھا، آخر حضرت کو جنت البقیع میں امام حسنؑ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

ماتمِ سجاد میں بن گیا بیتِ حزن فاطمہ زہرا کا گھر روتے ہیں سب مرد و زن
قیدی کرب و بلا ہائے اسیر جفا زہر دغا سے موا مجتبیٰ کے رنج و محن
عابد بیمار کو طوق پہنایا لعین کیوں نہ گرا ٹوٹ کے آہ یہ چرخ کہن
کوفہ کے بازار میں شام کے دربار میں کھینچا گیا بے خطا عابد مجروح تن!
آہ امام زماں اونٹوں کا ہو ساربان پہن کے طوق گراں راہ میں ہوگا مزن
شدتِ تپ میں لعیں دیتے تھے ایذا اسے صابر و شاکر رہا شاہ غریب الوطن!
ماتمِ سجاد میں چاک گریباں کرو غم سے ہیں نوحہ کناں آج حسین و حسن

مجلس سیزدہم

درحال ولادت امام محمد باقر علیہ السلام

تاریخ ولادت ۲ صفر ۵۷ھ بمقام مدینہ منوّرہ

قصیدہ

از حضرت محشر لکھنوی

ترقیوں پہ جہاں ہیں نفاق کا ہے چلن
حواسِ خمسہ ہوئے جاتے ہیں بہم دشمن

جنہیں سمجھتے تھے ہم رہبر رہ اُمید
زہے نصیب کہ آخر ہوئے وہی رہزن

مدار جن پہ کبھی لذّتِ حیات کا تھا
دکھا دی ان کی عداوت نے صورتِ مدفن

نگاہ لطف تھی جن کی ہمیشہ میری طرف
وہی ہیں اب سحر و شام مجھ پہ چشمک زن

وہی تھا میں کہ کبھی شامِ غم تھی صبح طرب
وہی ہوں میں کہ سحر عید کی ہے شامِ محن

ہوا کی طرح شب و روز محو بربادی
کہیں قرار ہے دم بھر نہ ہے کہیں مسکن

خوشی کے نام سے گوش آشنا جو ہوتا ہوں
حسامِ غم سے قلم ہوتی ہے مری گردن

جمال گوہرِ مقصد کن آنکھوں سے دیکھوں
بھرا ہوا ہے دیدِ اشک یاس سے دامن

رہِ نظارۂ جاناں میں ہر قدم غش ہوں
ہر ایک گام پہ ہے لطفِ وادیِ ایمن

دکھاؤں گرم روی راہِ مدعا میں اگر
جلا دے پاؤں مرے برقِ جنبشِ دامن

کبھی کلیدِ درِ مدعا تھی میری زباں
قبولِ خاطرِ احباب تھا ہر ایک سخن

پسند تھا کبھی دل سے مذاقِ آزادی
نہ پائے بندِ مسرت نہ تھا اسیرِ محن

شرابِ عیش پیا کرتا تھا کبھی شب و روز
دماغ تھا کبھی اس آفتاب سے روشن

ہجومِ ماہ جبیناں میں زندگی کاٹی
کہ یادگار رہا میں بھی نہ سپہرِ کہن

کسی کا وعدہ کبھی راتوں کو جگاتا تھا!
کبھی رلاتا تھا شبنم سا کوئی عہد شکن

کسی کا ہاتھ پہنچتا نہ تھا گریباں تک
کسی کے ہاتھ سے تنگ آ گیا تھا پیراہن

کسی زمانہ میں یادش بخیر یوسفِ دل
رہا اسیر بہت دن میانِ چاہِ ذقن

شمیمِ زلف تھی ہمدمِ دماغِ جاں کی کبھی
چراغِ رخ سے کبھی دل کی بزم تھی روشن

کسی کے تیرِ نگہ سے کبھی تھا دل زخمی
کسی کی نوکِ مژہ تھی جگر پہ نشتر زن

کبھی کسی سے یہ سن کر جنون ہوتا تھا
کہ آئی فصلِ بہاری چلی نسیمِ چمن

کبھی کسی کا یہ کہنا تھا دشمنِ ایماں
شراب پی لو کہ اٹھا ہے ابرِ توبہ شکن

کسی کا جھوم کے نشہ میں لڑکھڑا جانا
سبب تھا لغزشِ ایمان و زہد کا دشمن

عدو کبھی مجھ سے موافق تھے زورِ قسمت سے
ہما تھا میرے لیے سایۂ سپہرِ کہن

ہر ایک بزم میں تھا میں برنگِ شمعِ امید
ہر اک مذاق سے قلب و دماغ تھا روشن

کبھی تھا میں خرد آموزِ وحشیِ الفت
کبھی جنونِ محبت سے عقل کا دشمن

کبھی خلیل تھا میں دل سے اہلِ کعبہ کا
کنشتیوں کا ہوا خواہ تھا کبھی ہمہ تن

کسی مقام پہ جو پائے وصل کا ناصح
کبھی تھا خود میرے پہلو میں یارِ توبہ شکن

کبھی تھا شام سے تا صبح محوِ یادِ خدا!
کبھی تھا صبح سے تا شام دیر میں مسکن

بہ رنگِ شمع کسی بزم میں تھا چرب زباں
بہ مصلحت کہیں خاموش صورتِ الکن

کبھی طوافِ حرم میں تھا محوِ شکلِ خلیل
کبھی تھا سجدہ کنِ سنگِ آستانِ وثن

کبھی تھا شورِ قیامت کے خوف سے لرزاں
کبھی تھا صور کی آواز خود میرا شیون

کہیں یہ تیغ زباں سے مؤید اسلام
کہیں یہ نیشکر آئینِ کفر تھا ہمہ تن

کسی مقام پہ گلہائے نغمہ سنجی سے — لگاتا تھا میں ہر اک رنگ کے ہزار چمن
مشاعروں میں وہ پڑھتا تھا شعر درد انگیز — کہ جن سے روحِ نغانی تھی مائل شیون
قصیدہ خواں تھا کبھی مدحت ائمہ میں — پسند خاطر ارباب علم و اہل سخن
قبولیت تھی خدا داد نظم میں میری — مزا یہ تھا کہ نہ تھا نام کو بھی ماہر فن!
پھر آج ہوتی ہے تائید ناظم دو جہاں — پھر آج جوشش میں لکھتا ہوں مدح شاہ زمن

امام خامس و دانندہ علوم خدا — امیر کون و مکاں ابن شاہ قلعہ شکن
شہا خدا نے وہ رتبہ دیا ہے جد کو ترے — چراغِ صبحِ ازل جن سے ہو گیا روشن
تری نگاہِ کرم دوستوں پہ گوہر بار — تری نگاہ غضب دشمنوں پہ برق افگن
بلند ہو جو تری آتش غضب کا شرر — بہ رنگ پنبہ جلے دل ہی دل میں چرخ کہن
خدا کی شان ہے ان کے بزرگ صلِ علیٰ — محمدؐ است و علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ
خیالِ مطلعِ نو چاہیئے تجھے محشرؔ — درود پڑھنے لگیں جس سے دوست اور دشمن

بہ وقت دید جو رخ آپ کا ہو نور فگن
تو مردمک کو ملے چشم وادی ایمن

خدا نے آپ کے در کو دیا ہے وہ رتبہ — ادب سے خم ہے جہاں انبیا کی بھی گردن
لحد میں حضرت یعقوب بھی درود پڑھیں — جو سونگھ لیں کہیں بڑھ کر شمیم پیراہن
جو اپنے ناخن تدبیر سے نہ سلجھاتے — کبھی سلجھتی نہ خورشید خاوری کی کرن
جو ان کا دوست ہے وہ دوست کردگار کا ہے — جو دشمن ان کا اللہ کا ہے، وہ دشمن
سکوں زمیں کو ہے کوہ وقار سے ان کے — انہی کی رائے سے ہے گردش سپہر کہن
متاع دیں کے لیے یوں ہوئی تھی دنیا ترک — کہ گرد تک سے نہ واقف ہوا کبھی دامن
انہی کا قلب مبارک سخا کا مخزن ہے — انہی کا سینۂ اقدس عطا کا ہے معدن
پڑے جو پرتو عارض سیاہ طینت پر — فروغ مہ پہ ہنسے داغ لالۂ گلشن!
عزیز دل ہو جو کم مایہ رحم سے ان کے — گراں بہا ہو خزف بھی بہ رنگ لعل یمن

ولاکان کے جو ہو دل میں داغ بعد فنا — تو کنج قبر بنے رشک وادی ایمن
کبھی نگاہِ عنایت ہو کور دل پہ اگر — جواب چشم حسیناں ہو جو ہر آہن
کبھی جو دیکھ لے ان کی نگاہ تقوے کو
تو نشہ چشم غزال ختن سے بھی ہو ہرن
شمیم حلقۂ گیسو سے ان کے شرماکر — چھپی ہے تنگی نافہ میں بوئے مشک ختن
حضور کے اسد غیظ سے اگر بھاگے — جہان بھر میں نہ ممکن ہو شیر کو مامن
تھکے خیالِ جلو سے تصور جبریلؑ — اگر ہو مائل سرعت حضور کا توسن
سبک روی پہ جو باندھے کمر دم شوخی — پڑے نہ گرد کے دامن میں نام کو بھی شکن
زباں سے ان کی اگر سن لے نعرۂ توحید — میان دیر اذاں دے برہمن الکن
دکھائیں معجزہ داود کا حضور اگر — تو نرم موم کی صورت میں ہو دل آہن
جہان بھر ہو عدو تو بھی کچھ بنا نہ سکے — پناہ جس کو ملے آپ کے نہ دامن
گلیم فتح جو افتادہ طینتوں کو اٹھائیں — تو سایہ غنم ناتوان ہو شیر فگن
ہے آتش لب لعلیں کے حسن کا یہ اثر — کہ جس سے خشک ہے خون دل عقیق یمن
زمانہ آپ کا وہ تھا زمانہ عشرت خیز — نہ تھا بجز غم شبیر اور کوئی محن
نثار ہوں مہ خورشید شکل پروانہ — جہاں یہ آپ کی شمع جمال ہو روشن
خدا کے فضل سے پایا ہے وہ قد موزوں — لباس قدرت معبود کی ہے جس پہ پھبن
جمالِ رخ ہو اگر کحل دیدہ میت — میان کنج لحد شمع طور ہو روشن
اجل نصیب ہو غربت میں ان کا دوست اگر — فرشتے آکے کریں بند ولبست گور و کفن
زبان کلک یہ کہہ کر تھکی ہے لے محشر
کوئی بھی لکھ نہیں سکتا ہے مدح شاہ زمن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (سورہ الزمر ۹/۳۹)

(کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو علم نہیں رکھتے۔) یعنی خدا کے نزدیک بے علم لوگ ہرگز اہل علم کے برابر نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں ہے کہ عالم کا ایک دن اور جاہل کے سو برس برابر نہیں چونکہ معرفت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی لہذا جاہل صحیح معنی میں خدا کا اطاعت گزار بندہ بھی نہیں ہوسکتا۔ عالم کا درجہ عابد، زاہد و شہید سب سے بہتر ہے حدیث میں ہے مِدَادُ الْعُلَمَاءِ خَيْرٌ مِّنْ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ (علماء کی سیاہی شہدا کے خون سے بہتر ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کو مقتول ہونے میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوجاتی ہے لیکن عالم کو گمراہوں کے نیک راہ پر لانے، جاہلوں کو سمجھانے، ملحدوں سے مباحثہ کرنے میں تمام عمر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے۔

علم ہی کی وجہ سے حضرت آدم نے ملائکہ کے مقابل فوقیت حاصل کی۔ علم ہی کی وجہ سے تمام انبیاء کی اپنے اپنے زمانہ میں عزت ہوئی اور تقرّب الہی کا مرتبہ ان کو حاصل ہوا علم ہی کی وجہ سے ہمارے آئمہ کا احترام ایمان کا جز بنا لیکن علم کے ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ علم سے کوئی فائدہ نہیں عالم بے عمل درخت بے ثمر ہے اور عامل بے علم خانہ بے در ہے حدیث میں ہے اَلْعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ (علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل کے بدون علم کے ضلالت اور گمراہی ہے)

آج میں آپ کے سامنے ایک ایسے عالم کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو علوم انبیاء کے ناشر اور علوم آئمہ کے وارث تھے اور جس کو باقر علم النبیین کا لقب سرکار رسولؐ سے ملا تھا اس سے میری مراد ہمارے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام ہیں جن کی ولادت کی یہ مجلس پر نور ہے آپ کے والد ماجد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب ام عبداللہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں واقعہ کربلا میں آپ کا سن مبارک تین سال کا تھا۔ اس واقعہ کے بعد آپ ۳۵ سال اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ رہے اور علوم دین ان سے حاصل کرتے رہے۔

آپ کی جلالت قدر و رفعت شان کے متعلق صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے آپ کو سلام کہا چنانچہ آنحضرتؐ کے مقدس صحابی جناب جابر بن عبداللہ انصاری ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور کہنے لگے۔ ایک روز میں رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر تھا آپ اس وقت امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے تھے اور پیار سے ان کے لبوں کو بوسہ دے رہے تھے مجھ سے فرمانے لگے اے جابر میرے فرزند حسین کا ایک فرزند ہوگا جس کا نام علی ہوگا۔ روز قیامت ایک منادی

خدا کرے گا کہاں ہیں علی ابن الحسین وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور قرب الٰہی میں جگہ پائیں گے۔ ان کا ایک فرزند ہوگا، جس کا نام محمد ہوگا۔ اے جابر جب تم ان سے ملنا تو میرا اسلام پہنچا دینا۔

حضرت جابر آخر عمر میں جب کہ آنکھوں سے کم دکھائی دیتا تھا سر پر سیاہ عمامہ باندھے مسجد رسولؐ میں بیٹھے رہتے تھے اور یا باقر یا باقر ان کی زبان پر جاری رہتا۔ لوگ یہ سن کر کہتے تھے جابر دیوانہ ہوگئے ہیں۔ جب اس نام کا کوئی شخص ہے ہی نہیں تو پکارنا کھلی دیوانگی ہے۔ جابر فرماتے تھے خدا کی قسم یہ نہ جنون ہے نہ بکواس بلکہ اصلیت یہ ہے کہ میں نے جناب رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ اے جابر! تم میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کو پاؤ گے جس کا نام میرا سا ہوگا اور عادتیں بھی میری سی جب تم ان سے ملنا تو میرا اسلام کہہ دینا پس میں اسی کا نام لے کر خوش ہوا کرتا ہوں۔ (بروایت امام طبرانی۔ امام ابن مدائنی صواعق محرقہ)

جناب جابر کیسے خوش نصیب تھے کہ پانچ اماموں کا زمانہ دیکھا اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی فیض حاصل کیا ایک روز جبکہ امام محمد باقر علیہ السلام بہت کم سن تھے جناب جابر ان کے پاس سے گزرے کہنے لگے صاحبزادے! ذرا میرے قریب آؤ جب وہ تشریف لائے تو کہا ذرا پیچھے ہو جاؤ۔ جب آپ پیچھے ہٹے تو جابر نے کہا۔ واللہ یہی چال ڈھال پیغمبر خدا کی تھی۔ پھر پوچھا صاحبزادے تمہارا نام کیا ہے؟ فرمایا محمد، آپ نے پوچھا آپ کن کے صاحبزادے ہیں۔ فرمایا علی بن الحسینؑ کا بیٹا ہوں جابر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسولؐ خدا نے آپ کو سلام کہا ہے اس کے بعد جب امام محمد باقر علیہ السلام گھر میں آئے تو امام زین العابدینؑ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم گھر سے زیادہ باہر نہ نکلا کرو کیونکہ ان فضائل کو سن کر لوگ تم سے حسد کریں گے اور تمہاری ایذا کا باعث بنیں گے۔ جناب جابر کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں روز حاضر ہوتے تھے اور جب تک شرف ملاقات حاصل نہ کر لیتے تھے واپس نہ جاتے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام باوجودیکہ کمسن تھے مگر چونکہ ان کا سینہ علوم ربانی سے اور رموز یزدانی سے پُر تھا اس لیے جناب جابر کو کچھ نہ کچھ تعلیم فرماتے رہتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی تمام عمر یا تو عبادت الٰہی میں گزری یا علوم دین کی تعلیم دینے میں جن لوگوں کی قسمت میں یہ دولت تھی وہ بڑے شوق سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں عطا، ابن جریح ابو حنیفہ، امام زہری، امام اوزاعی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مذہب اہل سنت کے بڑے معتبر و معتمد پیشوا کہلاتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو سیاسی معاملات سے کبھی کوئی تعلق ہی نہ رہا۔ آپ سلطنت کے جھگڑوں سے ہمیشہ الگ رہے۔ آپ کے زمانہ میں سلطنت بنی امیہ کو عروج حاصل تھا اور ان کی شوکت و اقبال کے جھنڈے

گئے تھے لیکن حضرت کو ان سے جھجک پیدا نہ ہوئی جو بات حق ہوتی تھی آپ اسی پر قائم رہتے تھے آپ پورے اطمینان سے امورِ دین کی تعلیم دینے اور ان کے جاری کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ البتہ اگر بادشاہِ وقت کو کسی مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو امرِ حق کے اظہار سے روگردانی نہ فرماتے تھے۔

ایک بار قیصر روم نے جو کٹر عیسائی تھا عبدالملک بن مروان بادشاہ شام کو لکھ کر بھیجا کہ اس مرتبہ ہمارے ملک میں جو سکہ ڈھالا جائے گا اس پر کچھ ایسے کلمات تحریر ہوں گے جو عقائدِ اسلامی کے خلاف ہوں گے اس نے یہ دباؤ اس لیے دیا تھا کہ اس وقت تک اسلامی سلطنت میں اپنا ذاتی سکہ نہیں تھا بلکہ رومی سکہ چلتا تھا۔

عبدالملک نے ملک کے تمام عقلاء کو جمع کیا اور اس بارے میں مشورہ لیا امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی مدعو کیا گیا سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ آئندہ سے اسلامی سلطنت میں اسلامی سکہ ہونا چاہیے اور عیسائی سکہ قطعاً بند کر دینا چاہیے تو اب یہ معاملہ زیرِ بحث ہوا کہ اسلامی دینار پر لکھا کیا جائے امام علیہ السلام نے رائے دی کہ ایک طرف تو لا الہ الا اللہ ہو اور دوسری طرف محمد رسول اللہؐ سب نے رائے کو پسند کیا اور پھر اسلامی ٹکسال سے جو سکہ نکلا اس پر یہی عبارت تحریر تھی۔

جب عبدالملک کا بیٹا ہشام بادشاہ ہوا تو لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ شام و عراق سے آنے والے حاجیوں کو مکہ کے راستے میں ایک منزل پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے اکثر لوگ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں لہٰذا وہاں ایک کنواں کھدوایا جائے۔ ہشام نے یہ درخواست منظور کرلی اور کنواں کھدوانے کا انتظام ہونے لگا لیکن زمین ایسی سخت تھی کہ دن بھر کھدائی ہوتی رہی مگر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہ کھد سکتی تھی۔ خدا خدا کر کے لگاتار کوشش کے بعد پانی کی سطح تک پہنچے لیکن قدرتِ خدا دیکھو بجائے پانی کے وہاں سے ایسی گرم اور جھلس دینے والی ہوا نکلی کہ جتنے مزدور کام کر رہے تھے سب ہلاک ہوگئے ان کی تحقیقِ حال کو جو نیچے اترجاتا تھا مرجاتا تھا جب یہ خبر شام میں پہنچی اور ہشام نے سنا تو سخت متفکر ہوا ارکانِ سلطنت سے مشورہ کیا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہشام سخت متردد ہوا کہ اب کیا کرے بہت سارو پیہ ضائع ہو چکا تھا اور بہت سے آدمی ہلاک ہو چکے تھے اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو شکایت بدستور باقی رہے گی اور اگر دوسری جگہ کھدوایا جائے تو پھر اتنا ہی روپیہ درکار ہوگا اور نہ معلوم وہاں کیا صورت پیش آئے غرض کہ اس کی جان عجیب خلجان میں تھی حج کا زمانہ قریب آرہا تھا اسی تردد میں دمشق سے مکہ آیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی رائے لی آپ نے کل ماجرا سن کر فرمایا یہ سر خدا ہے میں اس جگہ کو پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب کچھ کہوں چنانچہ حضرت وہاں تشریف

ے گئے" اور اس جگہ کو دیکھ کر فرمایا یہ اہل احقاف کے رہنے کی جگہ ہے اور یہ وہ گروہ ہے جس پر گزشتہ زمانہ میں عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ان کی آبادی تھی یہیں وہ عذاب خدا میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے اس عذاب کا اثر اب تک باقی ہے یہ گرم ہوا جو لوگوں کی ہلاکت کا باعث بنی ہے وہی ریح عقیم ہے جو خدا کی طرف سے اس بدکردار قوم کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ان پر مسلط کی گئی جس کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے اب بہتر ہے کہ اس کنوئیں کی کھدائی کا کام بند کر دیا جائے اور یہاں سے کچھ فاصلے پر دوسرا کنواں کھدوایا جائے انشاءاللہ وہاں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی اور آسانی سے پانی نکل آئے گا۔ چنانچہ حضرت کی رائے پر عمل کیا گیا اور کنواں وہاں بن گیا۔

اسلامی دنیا میں عبدالملک بن ہشام اور ولید کا زمانہ بڑا تحقیقاتی زمانہ سمجھا جاتا ہے ان کے درباروں میں بڑے بڑے محدثین و مفسرین اور علماء و فضلا جمع تھے مگر کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہ ریح عقیم کو سمجھا اور نہ اہل احقاف کے بارے میں بتا سکا کیا انہوں نے سورہ احقاف کو نہ پڑھا تھا کیا ریح عقیم کا لفظ قرآن میں ان کی نظر سے نہ گزرا تھا پڑھا اور دیکھا سب کچھ تھا مگر سمجھتا کون۔ صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ احقاف ایک گروہ تھا اور ریح عقیم ایک گرم ہوا تھی اس کی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں آباد تھے اور کس گناہ پر یہ عذاب تھا۔ یہ علم سوائے خاصان خدا کے اور کس کو ہو سکتا ہے ایسی مشکلات کو اہل بیت رسولؐ ہی نے حل کیا ہے۔

ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں روز حج ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنا نبی و رسولؐ بنایا اور ہم کو حضرت کے سبب سے گرامی قرار دیا۔ پس ہم خدا کے پسندیدہ اور منتخب بندے ہیں اور روئے زمین پر اس کے خلیفہ ہیں جو شخص ہماری اطاعت کرے گا وہ سعید ہے اور جو مخالفت کرے گا وہ شقی اور بدبخت ہے۔ یہ کلمات کسی نے ہشام تک پہنچا دیئے اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے کو ہمارے پاس دمشق بھیج دے چنانچہ اس نے تعمیل حکم کی اور دونوں کو دمشق روانہ کر دیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جب ہم دمشق پہنچے تین روز تک ہشام نے ہم کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی، چوتھے دن بلایا وہ تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور مسلح سپاہی اس کے دائیں بائیں کھڑے ہیں محل کے اندر ہی ایک تیر اندازی کا تودہ بنا ہوا ہے جس پر اس کے ارکان سلطنت باری باری تیر اندازی کر رہے

ہیں میرے پدر بزرگوار آگے تھے اور میں پیچھے اتنے میں ہشام نے ان سے کہا آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ تیر لگائیں۔ حضرت نے فرمایا میں ضعیف ہو گیا ہوں اب مجھ سے تیر اندازی نہیں کی جاتی اس نے اصرار کیا اور سرداران بنی امیہ میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا کہ اپنا تیر کمان ان کو دے دے۔ حضرت نے مجبوراً لے لیا اور تیر کو کمان میں جوڑ کر بزور امامت نشانہ پر لگایا۔ تیر سیدھا بیچ میں جاکر بیٹھا پھر دوسرا تیر جوڑ کر پہلے تیر کے پیکان پر مارا اس کے بعد حضرت نے یکے بعد دیگرے نو تیر مارے ہر تیر اپنے تیر سے پہلے تیر پر پڑتا تھا اور اس کو شق کر دیتا تھا۔ ہشام نے اپنے دانتوں میں انگلی دے لی اور کہنے لگا اے ابو جعفر کیا خوب نشانہ پر تیر لگاتے ہیں اس فن میں آپ تمام عرب و عجم سے زیادہ ماہر معلوم ہوتے ہیں پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں اب ضعیف ہو گیا ہوں اور قدرت نہیں رکھتا۔ حضرت نے فرمایا دنیا ہم کو ذلیل و خوار کرنا چاہتی ہے مگر خدا ہمارے وقار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں میرے پدر بزرگوار کچھ دیر وہاں کھڑے رہے اس کے بعد آپ کو طیش آیا آپ کا معمول تھا کہ زیادہ غصہ کی حالت میں آپ آسمان کو دیکھنے لگتے تھے اور غضب کے آثار چہرہ پر نمایاں ہو جاتے تھے۔ ہشام تاڑ گیا اس نے اپنی داہنی جانب تخت پر جگہ دی اور مجھے بائیں جانب بٹھایا پھر حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر تمام قبیلہ قریش اس بات پر فخر کرے تو بجا ہے کہ آپ جیسا بزرگ ان میں موجود ہے۔ مجھے یہ تو بتائیے کہ آپ نے تیر اندازی کی تعلیم کس سے حاصل کی۔ فرمایا میں نے بچپن میں چند روز مشق کی تھی جب سے آج تک کمان ہاتھ میں لینے کا اتفاق نہیں ہوا اس وقت تم نے اصرار کیا تو مجبوراً ایسا کرنا پڑا اس نے کہا آپ کے صاحبزادے بھی اس فن میں ایسے ہی کامل ہیں فرمایا ہم اہلبیت رسالت کے علم و کمال کا قیاس دوسروں پر نہیں ہو سکتا ہم علم کو سینہ بسینہ پاتے ہیں دنیا کبھی ہمارے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی ہم ہر امر میں کامل ہیں اور دوسرے لوگ ہمارے مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

ہشام کو حضرت کا یہ فرمانا ناگوار ہوا۔ غصہ اس کے چہرہ سے ظاہر ہونے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا ہمارا آپ کا نسب ایک نہیں فرمایا ایسا ہی ہے مگر خدا نے ہم کو اپنے پوشیدہ اسرار سے آگاہ کر دیا ہے اور اپنے علم کے ساتھ مخصوص کیا ہے ہمارے سوا یہ مرتبہ کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ اس نے کہا حضرت رسول خدا تو تمام دنیا میں اولاد عبد مناف کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجے گئے پھر یہ میراث آپ ہی سے کیوں مخصوص ہوئی۔ جب سب بندے اللہ کے ہیں تو میراث علم کا آپ ہی سے مخصوص ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ پیغمبر تو ہیں نہیں کہ یہ چیز آپ سے

مخصوص ہو جاتی فرمایا خدا نے اس مرتبہ میں ہم کو مخصوص فرمایا ہے جس کی بناء پر رسولؐ کو وحی ہوتی تھی۔ خدا نے اپنے پیغمبر کو علم سے مخصوص کیا اور انہوں نے اسرار الٰہیہ سے اپنے بھائی اور وصی حضرت علی ابن ابیطالب کو مخصوص کیا باقی تمام صحابہ سے وہ اسرار پوشیدہ رکھے۔ اس وجہ سے حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ حضرتؐ نے مجھے ایک ہزار باب علم کے تعلیم فرمائے اور ہر باب سے ہزار باب مجھ پر کھل گئے پس جس طرح تم لوگ اپنا بھید خاص خاص لوگوں سے کہتے ہو اور غیروں سے چھپاتے ہو اسی طرح ہمارے نبی نے اپنے بھیدوں کو علیؑ سے مخصوص کیا اور دوسروں کو ان کے لائق نہ جانا۔ اسی طرح علی علیہ السلام نے اپنے اہل بیت میں سے کسی خاص شخص کو اپنا محرم قرار دیا اور اس کو آپ سے یہ علم و اسرار میراث میں پہنچے، ہشام نے کہا علی علیہ السلام تو غیب کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ خدا نے علم غیب میں کسی کو اپنا شریک نہیں کیا پس ان کا یہ دعویٰ کیسے صحیح تھا فرمایا خدا نے اپنے پیغمبر پر قرآن نازل فرمایا اور اس میں وہ سب درج ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (سورہ النحل ۸۹/۱۶) اور دوسری جگہ فرمایا ہے كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورہ یٰسین ۱۲/۳۶) پس جو کتاب مبین میں ہے وہ امام مبین میں ہے اور حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ امام مبین علی ابن ابیطالب ہیں اس کے علاوہ خدا نے اپنے رسولؐ پر وحی کی تھی کہ جس غیب پر ہم نے تمہیں آگاہ کیا تھا تم اس سے علی کو آگاہ کرو۔ حضرت علیؑ کو بہت سی خصوصیات ایسی حاصل تھیں جو نہ اصحاب کو حاصل تھیں نہ اولاد عبد مناف کو نہ آپ کی امت کو مثلاً آنحضرتؐ نے جمع قرآن کا حکم حضرت علیؑ کو خصوصیت سے دیا تھا اپنے غسل و کفن و دفن کو انہی سے مخصوص کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا علیؑ مجھ سے اور میں علیؑ سے ہوں اور کسی کے لیے ایسا نہیں کہا اپنے قرض کا ادا کرنا اور وعدوں کا پورا کرنا علیؑ سے مخصوص کیا تھا نہ کہ اصحاب سے علیؑ ہی کے لیے فرمایا تھا کہ جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا ہے علیؑ تاویل پر کریں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ علیؑ کے سوا کسی کو تاویل قرآن جائز ہی نہیں یہ بھی فرمایا کہ علیؑ سے بہتر قضا یا فیصل کرنے والا از روئے قرآن کوئی دوسرا نہیں پس جب یہ سب باتیں بلا شرکت غیرے ان سے مخصوص تھیں تو غیب دانی پر کیوں تعجب ہے۔ ہشام یہ سن کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے فرمایا بس میری یہی خواہش ہے کہ مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے۔ چنانچہ اس نے اجازت دیدی۔

جب حضرت دمشق سے روانہ ہوئے تو پہلی ہی منزل میں ایک جگہ بہت سے لوگ نظر آئے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ نصرانی راہبوں کی جماعت ہے جو اپنے ایک بڑے عالم کی زیارت کے لیے جمع ہوئی ہے۔ یہ شخص سال میں ایک بار عبادت خانہ سے نکل کر اس مقام پر آیا کرتا تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی اس کے دیکھنے کا شوق ہوا جب وہ آیا تو ایک پر تکلف مسند پر بیٹھ گیا اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی سارے مجمع میں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام اجنبی نظر آئے راہب نے امام علیہ السلام سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

راہب: آپ ہم لوگوں میں سے ہیں یا امت مرحومہ سے

امام: میں اُمّت محمدیہ میں سے ہوں۔

راہب: جاہلوں میں سے یا عالموں میں سے۔

امام: جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔

راہب: آپ مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے آئے ہیں۔

امام: نہیں۔

راہب: اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ پوچھوں

امام: ضرور۔

راہب: وہ کون سا وقت ہے جو نہ دن میں شامل ہے نہ رات میں۔

امام: وہ سورج نکلنے سے پہلے کا وقت ہے جو اوقات بہشت میں سے ہے یہ وقت ہے کہ بیمار کو ہوش آجاتا ہے درد کو سکون ہو جاتا ہے جسے تمام رات نیند نہیں آتی سو جاتا ہے۔

راہب: مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بہشت والوں کو نہ پاخانہ کی احتیاج ہو گی نہ پیشاب کی کیا دنیا کی کوئی نظیر ہے۔

امام: جو بچے شکم مادر میں رہتے ہیں ان کی خوراک کا فضلہ نہیں بنتا جو پیتے ہیں وہ بصورت پیشاب خارج نہیں ہوتا۔

راہب: مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بہشت کے میوے کھانے سے کم نہیں ہوتے دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہے۔

امام: ایک چراغ سے ہزار چراغ روشن کر لیے جاتے ہیں اور اس کے نور میں کمی نہیں آتی۔

راہب: وہ کون سے دو بھائی ہیں کہ ساتھ ساتھ پیدا ہوئے اور ساتھ ساتھ مرے مگر ایک کی عمر پچاس برس کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو برس کی۔

امام: وہ دو بھائی عزیز اور عزیر پیغمبر ہیں یہ دونوں ایک روز پیدا ہوئے اور ایک ہی دن رحلت کی پیدائش کے بعد تیس برس تک ساتھ رہے پھر خدا نے عزیز کو مار ڈالا اور سو برس کے بعد پھر زندہ فرمایا اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ بیس سال اور زندہ رہے پس عزیز دنیا میں پچاس برس رہے اور عزیر ڈیڑھ سو برس۔

یہ سُن کر راہب کے ہوش اُڑ گئے اور قریب آکر پوچھنے لگا آپ کا نام کیا ہے فرمایا محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ اس نے کہا محمد رسول اللہ آپ ہی ہیں فرمایا نہیں وہ میرے جد تھے۔ راہب نے کہا کیا آپ ایلیا کے صاحبزادے ہیں فرمایا ہاں راہب

نے کہا آپ شبر ہیں یا شبیر ہیں فرمایا میں شبیر کا بیٹا ہوں۔ یہ سُن کر وہ راہب خوش ہوا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی مراد پالی اور اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

نصرانی راہب کے مسلمان ہونے کا حال جب شام کے عیسائیوں کو معلوم ہوا تو ان میں کھلبلی مچی۔ ان کا ایک وفد ہشام کے پاس گیا اور امام محمد باقر علیہ السلام کی شکایت کی ہشام کو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس واقعہ سے خوش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس کو اہلبیت رسولؐ سے دلی بغض تھا اور ستانے کی راہیں ڈھونڈھ رہا تھا۔ فوراً اس نے ناقہ سواروں کو دوڑایا کہ جہاں کہیں راہ میں مل جائیں ان کو واپس دمشق لے آئیں۔ الغرض حضرت کو واپس دمشق جانا پڑا ہشام نے حیلوں سے آپ کو دمشق میں نظر بند کرنا چاہا کہنے لگا میں چاہتا ہوں آپ جیسا بزرگ میرے پاس دمشق میں رہے فرمایا میں کیسے یہاں رہ سکتا ہوں میرے اہل و عیال مدینہ میں ہیں اس نے کہا انہیں بھی بلا لیجئے۔ فرمایا مجھے حرم خدا اور رسولؐ کو چھوڑنا گوارا نہیں اس نے کہا یہاں آپ کو کسی قسم کی تکالیف نہ ہوں گی۔

آپ نے فرمایا آخر میرے یہاں رہنے پر کیوں زور دیا جا رہا ہے۔ اس نے کہا تاکہ آپ کے علم سے فیض پہنچے فرمایا یہ بات وہاں رہنے سے بھی ممکن ہو گی اگر میں یہاں رہا تو اہل مدینہ و مکہ میرے علمی فیض سے محروم ہو جائیں گے اس نے کہا میں آپ کو مجبور تو نہیں کرتا مگر دلی خواہش یہی ہے الغرض جب ہشام نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت وہاں مجبوراً رک گئے لیکن ہشام کا مقصد حاصل نہ ہوا روکا تو اس غرض سے تھا کہ یہ نظر بند رہ کر لوگوں پر اپنا اثر نہ ڈال سکیں گے لیکن معاملہ کچھ اور ہو گیا۔ حضرت کے زمانہ قیام میں اہل شام کی رجوع آپ کی طرف بہت بڑھ گئی۔ لوگوں کے گروہ کے گروہ صبح شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہشام نے جب یہ حال دیکھا تو مجبوراً آپ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔

جب حضرت شام سے روانہ ہوئے تو ہشام نے کچھ لوگ دوڑائے کہ وہ راہ کی تمام بستیوں میں کہتے جائیں کہ ان کو کوئی گھر میں جگہ نہ دے کیونکہ یہ اولاد ابو تراب سے ہیں اور بڑے جادوگر ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم مدائن پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ہم سے پوری طرح تنفر ظاہر کیا۔ جس محلہ میں ہم پہنچتے تھے لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے تھے اور کھانا پانی بطور مہمان تو دینا درکنار اگر بقیمت خریدنا چاہتے تب بھی نہ دیتے یہاں تک کہ ہم کو کسی جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی بلکہ غصہ میں بھر کر حضرت علیؑ پر لعن کرنے لگے۔

یہ حال دیکھ کر میرے پدر بزرگوار نے کہا ہشام کے آدمیوں نے جو تم سے کہا ہے اگر ہم ویسے ہی ہیں اور تم ہم کو درحقیقت ساحر جانتے ہو تب بھی تمہارے لیے کوئی حرج نہیں دین اسلام میں تو اہل ذمہ اور اہل جزیہ سے بھی لین دین کے معاملات جائز ہیں انہوں نے کہا ہم تم کو ان سے بھی بدتر جانتے ہیں یہ سن کر حضرت کو غصہ آگیا شہر کے قریب ایک پہاڑ تھا آپ اس پر تشریف لائے اور باآواز بلند وہ آیت جو حضرت شعیبؑ کے حال میں ہے تلاوت فرمائی بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (سورہ ہود ۸۶/۱۱) پھر ارشاد فرمایا اے اہل مدائن آگاہ ہو کہ ہم لوگ بقیۃ اللہ ہیں۔

آپ کی اس آواز کو بقدرت خدا تمام اہل شہر نے سُنا، اور ان پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اب جوان کی نظر حضرت کے چہرے پر پڑی تو بقدرت خدا ان کے دل خوف سے تھر تھر کانپنے لگے ایک بوڑھے آدمی نے اہل شہر کو پکار کر کہا۔ لوگو! قہر خدا سے ڈرو یہ شخص یہاں پر اس جگہ کھڑا ہے جہاں حضرت شعیب نے کھڑے ہو کر اس طرح اہل شہر کو نفرین کی تھی اور ان سب پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔ اگر ہم لوگ ان پر اپنے دروازے نہ کھولیں گے تو ضرور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں گے پیر مرد کی یہ آواز سن کر وہ لوگ اور زیادہ ڈر گئے اور سبھوں نے اپنے اپنے دروازے کھول دیئے جب شہر کا دروازہ کھل گیا تو آپ شہر کے اندر داخل ہوئے اور پھر وہاں سے کوچ کر کے مدینہ آگئے۔

یہ تھا اہل بیت علیہ السلام کا روحانی اقتدار دنیا کی کون سی طاقت اس کو مٹا سکتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مجلسِ چہار دہم

در حال وفات امام محمدؐ باقر علیہ السلام

تاریخ رحلت ذی الحجہ ۱۱۴ھ بمقام مدینہ منورہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ النُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَهْلِ السَّمَآءِ وَاَهْلُ بَيْتِيْ لِاَهْلِ الْاَرْضِ

یعنی ستارے جس طرح اہل آسمان کے لیے باعثِ امان ہیں اسی طرح اہلبیت اہل زمین کے لیے امان ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل زمین کی امان کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ دین و دنیا دونوں میں یہ حضرات ذریعہ نجات ہیں اگر یہ نہ ہوں تو اہل دنیا دینی حقائق کو اپنی خود غرضیوں سے جو مسخ کرتے رہتے ہیں ان کے اصلی خدوخال کا پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد ہمارے آئمہ کرام برابر حفاظت دین میں کوشاں رہے اور رسول کے علم و عمل کی صحیح صورتیں ہر زمانہ میں ابنائے روزگار کے سامنے پیش کرتے رہے اگرچہ دنیا ہمیشہ ان کی مخالف رہی اور ان کے دوستوں کی نسبت ان کے دشمن بہت زیادہ رہے اور ان کی صحیح تعلیم کی طرف عام لوگوں کو متوجہ نہ ہونے دیا تاہم ان کا جو فریضہ تھا وہ ہر حالت میں ادا کرتے رہے اگرچہ اس امر حق کی تبلیغ میں ان کو سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر وہ کبھی گھبرائے نہیں اور خدا کی یہ حجت لوگوں پر تمام کرتے رہے امام منصوص من اللہ ہر زمانہ میں لوگوں کو ہدایت کے لیے موجود رہا ورنہ لوگ یہ کہتے کہ چونکہ ہمارے زمانہ میں کوئی امام معصوم موجود نہ تھا لہذا ہم کو گنہگاروں کو مجبوراً پیروی کرنا پڑا اور ایسی صورت میں جو گناہ ہم سے سرزد ہوئے وہ ہرگز قابلِ مواخذہ ہونے چاہئیں۔

باوجودیکہ ہر زمانہ میں ان حضرات کی ہر طرف سے بے حد روک ٹوک ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس پر بھی شمع امامت کے بے شمار پروانے جمع ہو ہی جاتے تھے اور سلاطین کو یہ خوف پیدا ہونے لگتا تھا کہ اگر یہ جمعیت زیادہ بڑھ گئی تو ایسا نہ ہو ہماری پُرجور سلطنت پر زوال آجائے۔ اس خوف سے ہمیشہ سلاطین جور نے ان حضرات کو مقید رکھا طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں لیکن ان کا روحانی اقتدار جس کی بقا کا ضامن خدا تھا کہاں کم ہونے والا تھا چاند پر خاک ڈالنے سے وہ اٹتا نہیں۔

ہمارے امام محمد باقر علیہ السلام کو ہشام بن عبدالملک بادشاہ شام نے طرح طرح سے پریشان کیا اور ان کے روحانی اقتدار کو ختم کرنے کی کون سی کوشش تھی جو نہ کی لیکن جو لوگ قدرشناس تھے وہ حضرت کے پروانے ہی بنے رہے دنیا والے لاکھ کوشش کرتے رہے تب بھی ناممکن تھا کہ آئمہ اہل بیت علیہم کے سے کمالات نفسانی ان لوگوں میں پیدا ہو جاتے ان حضرات کے فضائل انہی سے مخصوص تھے۔

یہ مجلس چونکہ امام محمد باقر علیہ السلام کے ذکر سے مخصوص ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ آج کی مجلس میں صرف اپنے پانچویں امام کے ہی فضائل بیان کردوں۔

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی طرح عبادت کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اکثر راتیں آپ کی بیداری اور ذکر الٰہی میں گزر جاتی تھیں۔ دن میں بھی آپ کا زیادہ وقت ذکر الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ یہی حال روزہ کا تھا اکثر ایام میں آپ روزے سے ہی رہتے تھے محراب عبادت میں کھڑے ہوتے تو خوفِ خدا سے بید کی طرح کانپتے جب تک کسی مجلس میں بیٹھتے ذکرِ الٰہی زبان پر جاری رہتا ایک بار کسی نے عرض کی آپ اتنی دیر عبادت کیوں کرتے ہیں یہ سن کر آپ رونے لگے فرمایا اُف تم اس کو بکثرت عبادت کرنا کہتے ہو حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ بلحاظ معبود کی جلالت شان کے یہ کچھ بھی نہیں۔

حضرت نہایت رحم دل اور غریبوں پر انتہائی شفقت فرمانے والے تھے آپ کا معمول تھا مسکینوں بیوؤں اور یتیموں کی احوال پُرسی کو خود بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے اور ان کی جو ضرورت ہوتی اس کو پورا کرتے اپنے آباؤ اجداد کی طرح خود فاقہ پر فاقہ کر لیتے تھے لیکن کسی مسکین و محتاج کا بھوکا رہنا گوارا نہ تھا موقوفہ زمینوں اور باغوں سے جو روپیہ آتا تھا اس میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف نہ فرماتے تھے بلکہ فقراء مساکین کی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے۔

حضرت نہایت متواضع اور منکسر طبیعت تھے بالخصوص غربا کے ساتھ جب فقرائے مدینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے بلکہ اپنی عبا کا دامن بچھا کر ان کو بٹھاتے تھے، بڑی دلجوئی سے ان کا حال پوچھتے تھے اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے

تھے، راہ میں اگر کوئی حاجت مند مل جاتا تھا اور آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا تو اس کی بات سننے کے لیے فوراً کھڑے ہو جاتے تھے، اور بڑی توجہ سے اس کا درد دل سنتے تھے دنیوی زیب و زینت سے آپ کو سخت تنفر تھا۔

آپ نے مدت العمر زاہدانہ زندگی بسر کی مال دنیا کی آپ کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی ہمیشہ پیوند دار لباس پہنتے تھے ایک بوریئے پر بیٹھ کر لوگوں کو تعلیم و تلقین فرمایا کرتے تھے اکثر لوگ آپ کی خدمت میں گرانقدر تحفے بھیجتے تھے لیکن آپ کبھی خود ان سے فائدہ حاصل نہ کرتے تھے بلکہ دوسروں کو تقسیم کر دیتے تھے۔

آپ کے صبر و ضبط کی انتہا نہ تھی غیروں کا کیا ذکر خود آپ کے بعض ناقبت اندیش عزیز آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور آپ کی تذلیل کے درپے رہتے تھے مگر آپ نے ان کے مقابل ہمیشہ صبر سے کام لیا شکر کی یہ حالت تھی کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ ہر نعمت پر شکر خدا تھا ہر حالت پر شکر خدا تھا۔

غلام نوازی کا یہ عالم تھا کہ ان غلاموں کی قسمت جاگ جاتی تھی جو اہل بیت رسولؐ کی غلامی میں آجاتے تھے امام محمد باقر علیہ السلام اپنے غلاموں پر حد درجہ شفیق تھے۔ غلام اس تمنا میں رہتے تھے کہ حضرت ہم سے اپنی خدمت کرائیں لیکن آپ حتیٰ الامکان اپنے تمام کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے کہ پہلے کھانا غلاموں اور کنیزوں کو کھلا دیتے تھے تب آپ نوش فرماتے تھے اچھا کھانا ان کو دیتے تھے اور معمولی کھانا آپ کھاتے تھے غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے ذرا سا بہانہ کافی ہوتا تھا کبھی آپ نے کسی غلام سے بہ سختی کلام نہ کیا کبھی اپنے ہاتھ سے مارا نہیں

حضرت کو صلہ رحم کا بہت زیادہ خیال تھا۔ دور سے دور کے عزیزوں سے بھی آپ اس طرح ملتے تھے جیسے بہت ہی قریبی عزیز سے ملتے ہیں۔ ان کی ہر ضرورت کو بشرط امکان پورا کرتے تھے۔ بیمار عزیزوں کی تیمارداری میں راتیں جاگ کر گزار دیتے تھے ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم جانتے تھے۔

علم و فضل کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ جتنے علوم دنیا میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے وہ اولاد امام حسنؑ اور اولاد امام حسین علیہم السلام میں کسی اور سے نہیں ہوئے اسی وجہ سے حضرت کا لقب باقر ہے یعنی علم کے پھیلانے والے۔ علم تفسیر، علم کلام، احکام شرع اور علم فقہ وغیرہ آپ سے بہت رواج پایا۔ محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں رہ کر تیس ہزار حدیثیں یاد کیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری جو حضرت رسولؐ خدا کے صحابہ میں ایک خاص مرتبہ رکھتے تھے برابر حضرت کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور مسائل دین پوچھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عمر بن عبید نے جو فرقہ معتزلہ کا ایک امام مانا جاتا تھا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (سورہ

الانبیاء ۳۰/۲۱) (کیا کفر کرنے والے اس بات کو نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین دونوں پہلے بستہ تھے ہم نے ان کو شگافتہ کیا) آپ نے فرمایا جب آسمان بند تھا کوئی قطرہ آسمان سے زمین پر نہیں برستا تھا اور زمین بستہ تھی یعنی کسی قسم کی گھاس اس سے نہ اگتی تھی جب خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی تو زمین شگافتہ ہوئی۔ نہریں اس میں جاری ہوئیں درخت پھولے، پھل نکلے آسمان سے پانی برسا ایسں رتق و فتق سے یہی مراد ہے۔

ایک بار طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ بنی آدم کا ۳/ا حصہ کب ہلاک ہوا فرمایا ایسا تو کبھی نہیں بلکہ تم کو یہ کہنا چاہیے کہ تمام انسانوں کا چوتھا حصہ کب ہلاک ہوا۔ فرمایا اس روز ہوا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس وقت چار آدمی تھے آدم، حوا، ہابیل کے قتل ہونے سے ایک چوتھائی کم ہو گئی۔

طاؤس یمانی نے پوچھا انسان پھر کس کی نسل سے پیدا ہوئے۔ قاتل کی نسل سے یا مقتول کی۔ فرمایا ان میں سے ایک بھی نہیں بلکہ حضرت آدمؑ کے فرزند اور وصی جناب شیث سے نسل انسان چلی۔

طاؤس یمانی نے پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو تھوڑی تو حلال تھی اور بہت حرام۔ فرمایا وہ نہر طالوت تھی جس کا زیادہ پانی حرام تھا اور ایک چلو پانی حلال۔

پھر پوچھا وہ کون سا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا فرمایا وہ صوم صمت تھا جو حضرت مریم نے رکھا تھا یعنی انہوں نے اس روزہ میں کسی سے کلام نہیں کیا تھا۔

انہوں نے پوچھا وہ کون سی شے ہے جو کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی فرمایا عمر ہے پوچھا وہ کون سی شے ہے جو بڑھتی ہے گھٹتی نہیں فرمایا سمندر ہے۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچی گواہی دی اور خدا نے اس کو جھوٹا سمجھا فرمایا وہ منافقوں کی گواہی ہے جو انہوں نے حضرت رسولؐ خدا کی رسالت کے متعلق دی مگر خدا نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ یعنی رسولؐ کی رسالت تو سچی تھی مگر منافقوں کا یہ کہنا اس لیے جھوٹا تھا کہ وہ دل سے نہیں مانتے تھے صرف زبان سے کہتے تھے۔

ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مال سے ایک ہزار درہم خانہ کعبہ کے لیے بھیج دینا۔ مرنے کے بعد اس کا وصی یہ رقم لے کر مکہ آیا مگر حیران تھا کہ اس کو کیونکر صرف کرے لوگ ابن شیبہ کے پاس لے آئے اس نے کہا تم یہ روپیہ ہمیں دے دو تم بری الذمہ ہو جاؤ گے۔ وہ اس پر راضی نہ ہوا اور امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسئلہ کا جواب پوچھا فرمایا خدا ان روپوں کا محتاج نہیں بلکہ ایسے حاجی تلاش کر جن کے پاس زاد راہ یا سواری نہ ہو اور وہ اپنے گھر تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ روپیہ ان کو دینا چاہیے۔

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا سچا مسلمان کون ہے فرمایا جس کی زبان سے مومنین محفوظ ہیں

اس نے پوچھا کون سی عادات بہترین عادات ہے فرمایا صبر۔ اس نے پوچھا انسانوں میں بہترین انسان کون ہے فرمایا جو خلق میں سب سے اچھا ہو اس نے پوچھا کون سی نماز سب سے بہتر ہے۔ فرمایا جس کا قنوت طولانی ہو اس نے پوچھا کون سا صدقہ زیادہ بہتر ہے فرمایا حرام چیزوں سے دور رہنا۔ اس نے پوچھا بادشاہوں کی مصاحبت کیسی ہے فرمایا اس سے تین آثار پیدا ہوتے ہیں اوّل محبت دنیا بڑھ جاتی ہے دوسرے آدمی موت کو بھول جاتا ہے تیسرے تقدیر الٰہی پر کم راضی ہوتا ہے اس نے پوچھا کیا دنیا کو ترک کر دینا چاہیے فرمایا ترک دنیا کر دینے کی چیز نہیں بلکہ گناہوں کو ترک کرنا چاہیے ترک دنیا رہبانیت ہے اور ترک گناہ حقانیت ان جوابات سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی نگاہ کتنی حقیقت رس تھی۔

شواہد النبوۃ میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں گیا، اور عرض کی اس وقت مجھے ایک ضرورت لاحق ہے حضورؑ کچھ عنایت فرمادیں۔ فرمایا اے جابر اس وقت میرا ہاتھ بالکل خالی ہے اسی اثنا میں ایک شخص وارد ہوا اور عرض کی اجازت ہو تو ایک قصیدہ آپ کے حضورؑ میں پڑھوں آپ نے اجازت دی جب وہ پڑھ چکا تو غلام سے فرمایا حجرہ کے اندر سے روپیہ کی تھیلی اٹھا لاؤ اس کو دیدو۔ جب اس شاعر نے یہ سخاوت دیکھی تو عرض کی یا بن رسول اللہ اگر اجازت ہو تو اپنا دوسرا قصیدہ بھی پڑھوں فرمایا پڑھ چنانچہ اس نے پڑھا آپ نے پھر ایک تھیلی روپیوں سے بھری ہوئی عطا فرمائی۔ اب اس کی طمع اور بڑھی اور تیسرا قصیدہ سنانے کی اجازت مانگی حضرت نے پھر اجازت دی اور ایک کیسہ زر اور عطا فرمایا۔ یہ بے مثل سخاوت دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے عرض کرنے لگا مولا مجھے اس مال کی حاجت نہیں میں نے حضورؑ کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے محض نجات آخرت کے لیے لکھا ہے نہ کہ طمع سے۔ مال دنیا میری نظر میں ہیچ ہے اور جو حقوق آپ کے خدا کے میرے اوپر ہیں ان کا پورا کرنا میں اپنے امکان سے باہر سمجھتا ہوں میں نے حضورؑ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو راہ آخرت کا توشہ سمجھا ہے یہ سن کر حضرت نے اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

جابر کہتے ہیں میں نے عرض کی مولا ابھی تو آپ یہ فرماتے تھے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں پھر اتنی بڑی رقم کہاں سے آگئی فرمایا ذرا حجرہ کے اندر جا کر دیکھو کیا نظر آتا ہے میں ارشاد امام کی بموجب اندر گیا تو وہاں درہم و دینار کا کوئی نشان نہ پایا حجرہ خالی پڑا تھا واپس آکر عرض کی وہاں تو از قسم مال کچھ نہیں نظر آیا۔ فرمایا اے جابر جو کچھ ہمارے پاس ہے تم پر ظاہر ہے مگر اسرار باطن جو بحکم خدا ہم پر ظاہر ہیں وہ ہر ایک سے بیان نہیں کیے جا سکتے وہ ہمیشہ پوشیدہ رہتے ہیں تم کو ان کے معلوم کرنے پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ تمہاری حاجت برآری کا یہ وقت نہیں ہے۔ جابر کہتے ہیں میں گھر واپس آیا تو معلوم ہوا جس شخص پر میرے بیس روپے قرض تھے وہ دے گیا ہے اب میں مصلحت امام کو سمجھا کہ شاعر کو دینے میں مصلحت تھی اور مجھے نہ دینے میں۔

ابوبصیر کہتے ہیں میں ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یابن رسول اللہ آپ جملہ علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ فرمایا ہاں بفضل خدا میں نے اپنے باپ کی میراث پائی ہے میں نے عرض کی حضورؐ کی دعا سے مردہ زندہ ہو سکتا ہے۔ اندھا بینا اور مریض اچھا ہو سکتا ہے فرمایا فضلِ خدا سے سب کچھ ممکن ہے۔ میں نے عرض کی مولا غلام نابینا ہے اور دنیا کو پھر ایک بار دیکھنے کا مشتاق ہے فرمایا اے ابوبصیر قریب آؤ میں آگے بڑھا آپ نے میری آنکھیں کھول کر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا "کافی" اور میرے چہرے پر پھونک دیا۔ میں فوراً بینا ہو گیا ہر شے کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمہاری آنکھیں اسی طرح کھلی رہیں لیکن اس صورت میں تم کو پیش خدا حساب کے لیے زیادہ کھڑے رہنا پڑے گا جس خدا نے تمہاری بینائی لی ہے اس کی مصلحت یہی ہے کہ تم نابینا ہو تاکہ روزِ قیامت تم کو اس کا اجر دے پس بتاؤ کون سی صورت منظور ہے۔ میں نے عرض کی مجھے نابینا رہنا ہی منظور ہے۔ حضرت نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں سے ہٹا لیا اور پھر میں ویسا کا ویسا ہی ہو گیا۔ زید بن حازم سے مروی ہے کہ ایک روز میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے بھائی زید ہماری طرف سے گزرے ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ عنقریب خروج کی نیت سے کوفہ جائیں گے اور وہاں مارے جائیں گے اور ان کا سر شہر میں پھرایا جائے گا چند روز بعد ایسا ہی ہوا کہ زید نے خروج کیا اور مارے گئے اور ان کا سر تشہیر کیا گیا۔

ہشام بن عبدالملک کا قصر تعمیر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا واللہ یہ مکان گرایا جائے گا اور اس کی بنیادیں تک اکھاڑ دی جائیں گی۔ لوگوں کو یہ سن کر تعجب ہوا لیکن جب ولید بادشاہ ہوا تو اس نے اس مکان کو بیخ و بنیاد سے منہدم کرا دیا۔

فیض بن منظر کہتا ہے کہ میں ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ مسئلہ پوچھنے گیا کہ سفر میں جبکہ سواری سے اترنا ممکن نہ ہو۔ نماز کس طرف رخ کر کے پڑھنا چاہیے ابھی میں نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا تھا کہ آپ نے خود ہی فرمایا حضرت رسولؐ خدا بحالت سفر جبکہ سواری سے اترنا ممکن نہ ہوتا تھا اسی طرف کو نماز پڑھتے تھے جس طرف کو وہ چلتی تھی۔ میں نے عرض کی یہ حکم قرآن میں کہاں ہے آپ نے فرمایا فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورہ البقرہ ۲/۱۱۵) جدھر کو تم رخ کرو اسی طرف اللہ کی ذات ہے۔

راوی کہتا ہے کہ مجھ کو امام محمد باقر علیہ السلام کی قدم بوسی کا اشتیاق تھا۔ مدینہ کو اسی غرض سے روانہ ہوا وہاں پہنچا تو سردی اور بارش سے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ حضرت کے دروازے پر پہنچ کر متردد تھا کہ آواز دوں یا نہ دوں۔ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ حضرت نے کنیز کو آواز دے کر کہا کہ دروازہ کھول دو فلاں شخص آیا ہے اور اس کو سردی

اور بارش سے بہت سخت تکلیف پہنچ رہی ہے۔

عبداللہ حضرمی کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ مومن کا حق خدا پر کیا ہے۔ فرمایا اگر اس درخت سے (ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے) کہہ دے تو میرے پاس چلا آ تو وہ چلا آئے گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس درخت کو اپنی جگہ سے جنبش ہوئی اور آگے بڑھنے لگا حضرت نے اسے روکا وہ اپنی جگہ پر جم گیا۔

ایک شخص نے حضرت سے پوچھا روح میں وزن ہے یا نہیں۔ اگر وزن نہیں تو صاحب جسم نہیں اور جب جسم نہیں تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا روح ایسی لطیف مخلوق ہے کہ اس میں نہ کوئی سنگینی محسوس ہوتی ہے نہ سبکی خلاق عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک لطیف شے کو ایک قالب کثیف میں پوشیدہ کر دیا ہے جیسے مشک میں بو مشک چاہے کتنی ہی بو دے بو کی کثرت سے وزن میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اگر بو جاتی رہے تو وزن میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی جس طرح بو ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا سکتی ہے روح بھی جا سکتی ہے۔

کسی نے پوچھا احادیث میں اہل علم کے بڑے درجات بیان کئے گئے ہیں۔ وہ کون سے عالم ہو سکتے ہیں یا جن کے درجات ہیں ان کی شناخت کیا ہے۔ فرمایا جو علم کو زندہ رکھتے ہیں۔ اس نے پوچھا علم کے زندہ رکھنے سے حضور کی کیا مراد ہے فرمایا فکر آخرت اور خوف خدا کرنا۔

ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مسجد رسولؐ میں بیان فرما رہے تھے کہ ہمارے جد نامدار حضرت رسول خداؐ نے تین چیزوں کی سخت ممانعت فرمائی ہے اول زیادہ گفتگو اور وہ بکواس جو حاضر یا غیب کے بارے میں ہو۔ دوسرے مال کا ناجائز امور میں صرف کرنا۔ تیسرے کثرت سوال۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کیا قرآن حکیم میں ان چیزوں کا ذکر ہے فرمایا کیا چیز ہے کہ قرآن میں نہیں ہے۔ پہلے امر کے متعلق آیت موجود ہے۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (سورہ النساء ۴/۱۱۴) زیادہ بات چیت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں البتہ بات چیت صدقہ، نیکی یا لوگوں کی باہمی مصالحت کے متعلق ہو اور تلف مال کے متعلق یہ ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (سورہ النساء ۴/۵) یعنی جو مال اللہ نے تمہارے پاس رکھا ہے اسے بیوقوفوں کے حوالے نہ کرو تاکہ وہ برباد کر ڈالیں اور کثرت سوال کے متعلق یہ آیت ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (سورہ المائدہ ۵/۱۰۴) ایسی چیزوں کے متعلق سوال مت کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگے۔

کسی نے پوچھا حضور اجل محتوم و اجل موقوف سے کیا مراد ہے۔ فرمایا ایک موت تو وہ ہے جو بعض لوگوں کو (مراد امام زمانہ) شب قدر میں معلوم ہوتی ہے اور دوسری وہ ہے جس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا

عمر بن عبد العزیز نے جو خاندان بنی امیہ کا نہایت نیک دل اور پاک نفس بادشاہ تھا سنہ ہجری میں حاکم مدینہ کو لکھا کہ حضرت عمر و حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کے اوقاف کی فہرست مرتب کر کے بھیجدو اس نے زید بن الحسن کو جو اس وقت تمام بنی ہاشم میں باعتبار سن بزرگ تھے بلا کر فہرست طلب کی۔ زید چونکہ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس بنا پر مخالفت رکھتے تھے کہ وہ خود امام بننا چاہتے تھے۔ لہذا انہوں نے حاکم مدینہ سے جا کر کہا اے صاحب میرے پاس کیا ہے جو کچھ ہمارا خاندانی وقف ہے وہ امام محمد باقر علیہ السلام کے قبضہ میں ہے تب حاکم مدینہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے فہرست مانگی۔ زید کی اس مخالفت کا حال جب حاکم مدینہ کو معلوم ہوا تو اس نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ سلاطین ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانا چاہا ہی کرتے ہیں لہذا ہشام اس خبر سے بہت ہی خوش ہوا وہ امام محمد باقر علیہ السلام کا سخت دشمن بنا ہوا ہی تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح موقع پا کر آپ کو قتل کرا دے زید کی مخالفت اس کے لیے ایک اچھا حیلہ بن گئی اس نے فوراً زید کو دمشق بلا لیا اور ان کی بڑی خاطر و مدارات کی وہ اصلی معاملہ کو سمجھے نہیں اور مخالفت کی بنا پر ہشام کو امام علیہ السلام کے خلاف بہت کچھ بھڑکایا۔ کہا وہ تمام بنی ہاشم کے اوقاف کے بھی مالک بنے بیٹھے ہیں اور تبرکات رسولؐ کے بھی وہ لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں یہ سن کر ہشام بہت ہی برافروختہ ہوا حاکم مدینہ کو لکھا کہ فوراً امام محمد باقر علیہ السلام کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دے جب یہ خط پہنچا تو حاکم مدینہ بہت گھبرایا اور ایک خط میں ہشام کو لکھا لتعمیل حکم میں کوئی عذر نہیں لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے متعلق کسی نے بادشاہ کو غلط خبریں پہنچائی ہیں وہ بڑے متقی و پرہیزگار انسان ہیں جب محراب عبادت میں تلاوت کلام پاک کرتے ہیں تو لحن داؤد کا سماں بندھتا ہے آدمیوں کا ذکر کیا جانور تک وجد کرنے لگتے ہیں۔ وہ نہایت نیک دل تواضع پسند اور صلح کُن انسان ہیں کسی طرح مناسب نہیں کہ خلیفہ ان کے خلاف کارروائی کر کے ان کو ذلیل کرے مجھے خوف ہے کہ ایسا کرنے سے بادشاہ کی عمر و دولت کو نقصان پہنچ جائے گا اس خط کا ہشام پر اثر ہوا اور وہ کھُلم کھُلا حضرت کے قتل سے باز رہا مگر در پردہ کوشش میں لگا رہا۔

زید تو حضرت کو نقصان پہنچانے کی فکر میں تھے ہی انہوں نے کہا بادشاہ کو چاہیے کہ تمام تبرکات ان سے منگا لے سمجھے تھے کہ حضرت نہ دیں گے تو بادشاہ بہ جبر لے لے گا اور ذلیل کرے گا۔ چنانچہ ہشام نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ سب تبرکات امام محمد باقر علیہ السلام سے لے کر دمشق بھیج دے۔ اس نے امام محمد باقر علیہ السلام کو بلا کر کہا بادشاہ کا یہ حکم ہے فرمایا یہ مال دنیا نہیں کہ بادشاہ اس سے اپنا خزانہ پُر کرے یہ خاصانِ الٰہی کے تبرکات ہیں ان کا مستحق ہم سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا لیکن میں اپنی طرف سے کوئی جھگڑا اٹھانا

نہیں جانتا یہ فرما کر آپ نے وہ تبرکات اس کے سپرد کر دیئے۔
جب ہشام کا مطلب اس پر بھی پورا نہ ہوا تو اس نے ایک اور چال چلی ایک زین میں حد درجہ قاتل زہر جذب کرایا اور زید سے کہا کہ تم اس زین کو امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو چونکہ آپ نے تبرکات رسولؐ واپس کر کے بادشاہ کو حد درجہ خوش کیا ہے لہذا آپ کا بادشاہ بیحد شکر گزار ہے اور بطور تحفہ آپ کو اس نے یہ زین بھیجی ہے جو نہایت قیمتی ہے اس کی خواہش ہے کہ آپ اس کو استعمال میں لا کر شکر گزار فرمائیں زید وہ زین لے کر مدینہ پہنچے اور امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا میں ہشام کو بھی جانتا ہوں اور اس زین کو بھی۔ ہشام کے نزدیک میں ضرور کسی مصلحت سے اس تحفہ کا مستحق قرار پایا ہوں۔

زید نے کہا بہر حال لیجئے یا نہ لیجئے آپ کو اختیار ہے میں تو یہاں تک پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔
اس زین کے ساتھ ہشام نے ایک خط بھی حاکم مدینہ کو لکھ دیا تھا کہ اگر امام محمد باقرؑ اس زین کو استعمال نہ کریں تو ان کو اس الزام میں گرفتار کر لینا کہ وہ شاہی عطیہ کی توہین کرنے والے ہیں۔
بہر حال امام علیہ السلام نے وہ زین زید سے لے لیا اور ایک گوشہ میں رکھنے کا حکم دے دیا چند روز کے بعد حاکم مدینہ نے آپ کو بلایا اور کہا آپ کو خلیفہ وقت نے جو زین بھیجا تھا سنتا ہوں کہ آپ نے اس کو بیچ ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا بالکل غلط یہ خبر کس نے دی ہے۔ اس نے کہا پھر وہ کہاں ہے فرمایا میرے گھر میں موجود ہے وہ بولا بادشاہ نے اس لیے نہیں بھیجی ہے کہ آپ اس کو گھر میں رکھ کر خراب کر دیں بلکہ اس لیے دی ہے کہ آپ اس پر سواری کریں اور لوگ آپ کے گھوڑے کو دیکھ کر معلوم کریں کہ کس کا عطیہ ہے اور جب پتہ چلے کہ بادشاہ نے بخشش کی ہے تو وہ بادشاہ کی سخاوت اور قدردانی سے خوش ہوں آپ نے فرمایا جو مشیت ایزدی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی اچھا میں کل استعمال کروں گا۔
یہ فرما کر آپ بیت الشرف کو واپس آئے اور مصلیٰ بچھا کر دیر تک بارگاہ باری میں مناجات کرتے رہے دوسرے دن حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ گھوڑے پر زین کسے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حضرت گھوڑے پر سوار ہونے کو چلے تو ایک مایوسانہ نگاہ اپنی اولاد پر ڈالی اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے میں نے حضرت کی رکاب پکڑی اور آپ سوار ہوئے۔ اس زین میں وہ قیامت کا زہر تھا کہ تھوڑی ہی دور حضرت تشریف لے گئے تھے کہ اس کا زہر تمام جسم میں دوڑ گیا۔ جب آپ واپس ہوئے تو میں نے دیکھا کہ انتہائی اضمحلال اور بے چینی آپ کے چہرے سے نمایاں تھی۔ یہاں تک کہ آپ گھوڑے سے اترنے کی قوت بھی اپنے میں نہ پاتے تھے چند بنی ہاشم نے آپ کو گھوڑے سے اتارا اور گھر میں لے کر آئے موت کے آثار نمایاں ہونے لگے تین شب و روز حضرت نے انتہائی

لے چینی میں گزارے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مرنے سے چند گھنٹے پیشتر حضرت نے مجھے بلایا اور سینے سے لگا کر فرمانے لگے بیٹا دشمنوں نے نہ چاہا کہ میں اس دار فنا میں کچھ روز اور زندہ رہوں۔ اب وہ وقت قریب ہے کہ میں تم سب سے رخصت ہو جاؤں۔ ابھی ابھی میں ذرا دیر کے لیے سو گیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پدر بزرگوار امام زین العابدینؑ مجھے چھاتی سے لپٹائے فرما رہے ہیں۔ بیٹا وہ وقت قریب ہے کہ تم ہمارے پاس جنت میں آ جاؤ۔ لہٰذا مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں بہت جلد مر جاؤں گا تم جا کر مدینہ کے کچھ ذی اثر لوگوں کو بلا لاؤ تاکہ میں ان کے سامنے تم سے کچھ وصیتیں کروں۔ جب وہ لوگ آ گئے تو امام علیہ السلام نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا بیٹا میری وصیت ہے کہ مجھے تم ہی غسل دینا تم ہی کفن پہنانا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ میرا کفن تین کپڑوں سے ہونا چاہیے ان میں ایک تو وہ چادر ہو جس کو میں نماز پڑھنے کی حالت میں اوڑھ لیتا تھا دوسرے وہ پیراہن جسے میں اکثر پہنا کرتا تھا تیسرے وہ عمامہ جس کو میں سر پر روز باندھا کرتا تھا تیسری وصیت یہ ہے کہ میری قبر چار انگل سے زیادہ بلند نہ کرنا اور میری قبر پر پانی چھڑکنا اس کے بعد اہل مدینہ کو رخصت کیا میں نے عرض کی میں تو حضورؑ کی ہر وصیت کو پورا کرتا پھر اہل مدینہ کو گواہ کرنے کی کیا ضرورت تھی فرمایا اس لیے کہ لوگ جان لیں کہ میرے بعد تم میرے وصی و جانشین ہو اور امر امامت کے لیے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو اس کے بعد مجھ سے فرمایا بیٹا! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اصحاب کے ساتھ بہترین سلوک کرنا اور میرے مال سے کچھ روپیہ میرے رونے والوں کے لیے وقف کر دینا وہ اس سال ایک مقام منیٰ میں موسم حج کے موقع پر میرے اوپر گریہ کریں اور میری مظلومیت کا اعلان کرتے رہیں۔

اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گریہ ہی وہ چیز ہے جس سے ہمارے مظلوم اماموں کی مظلومیت کا اعلان دنیا والوں پر ہوا ورنہ بادشاہان جور اپنے مظالم کو ایسا چھپاتے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ کسی مجلس میں اپنی گریہ کو ترک نہیں کرتے اور ایسی مجلس کو ناتمام جانتے ہیں جس میں گریہ نہ ہو۔ ہمارے مظلوم آقا نے اسی وجہ سے فرمایا تھا اَنَا قَتِيْلُ الْعَبْرَةِ ۔ یعنی میں ایسا مظلوم شہید ہوں کہ جب میرا ذکر آئے گا میرے دوست ضرور مجھ پر گریہ کریں گے۔ منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک صاحبزادی تھیں جن سے حضرت کو بہت زیادہ اُنس تھا آپ نے مرنے سے پہلے ان کو بلا کر چھاتی سے لگایا منہ چوما اور فرمایا بیٹی اب تیرا باپ تجھ سے جدا ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا اپنی اس بہن کو میرے بعد کوئی تکلیف نہ ہونے دینا اس کے بعد حضرت نے رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے آہ آہ اس وقت مجھے ایک اور بچی یاد آ گئی جو وقت رخصت اپنے باپ سے کربلا میں لپٹی ہوئی رو رو کر کہہ رہی تھی بابا آپ تو مرنے کو جاتے ہیں میں رات کو کس کے سینے پر سوؤں گی ممکن تھا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرح آپ بھی اپنے صاحبزادے امام زین العابدین علیہ السلام کو یہ وصیت فرماتے کہ بیٹا ہمارے بعد اپنی اس

بہن کو کوئی تکلیف نہ ہونے دیتا مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ امام زین العابدینؑ کو اتنا موقعہ ہی نہ ملے گا کہ اس بچی کی ناز برداری کر سکیں جس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی جن کو اشقیائے اُمت اونٹوں کی مہار ہاتھ میں دے کر پیادہ چلائیں گے وہ اس بچی کی خبر گیری کیونکر کر سکے گا۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ،
وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

زہر دغا سے آہ لعینوں نے بیخطا مارا امام کو
اہل حرم میں آج ہے پھر نوحہ و بکا مارا امام کو!

آئی خزاں ریاض امامت میں آج پھر ہر دل ہے مضطرب
سیدانیوں کے سر کھلے آتی ہے یہ صدا مارا امام کو

جنت میں آہ عابد مضطر ہیں نوحہ خواں بیٹے کی موت پر
آتی ہے قبر فاطمہ زہرا سے یہ صدا! مارا امام کو

یہ پانچواں امام سدھارا جہان سے فریاد یا علیؑ
ماتم نہ کیسے آل محمد میں ہو بپا مارا امام کو

ماتم سرا بنا ہے مدینہ رسولؐ کا سر پیٹو مومنو
ارض و سما سے آتی ہے رہ رہ کے صدا مارا امام کو

زہر بلا ہل اور محمد کا جانشیں سوچیں تو اہل کیں
یہ ظلم اور جان نبی وامصیبتا مارا امام کو

مجلسِ پانزدہم

در حالِ ولادت امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ

قصیدہ

(از جناب سلیم جرولی مرحوم)

کوئی ہادی ہو نہ جب تک ختم حجت کیلئے
ظلم ہے تعزیر کی تکلیف خلقت کے لیے

تھا کلام اللہ ناکافی ہدایت کے لیے
کوئی صادق چاہیے اس کی صداقت کے لیے

ہر زمانہ میں کوئی کرتا رہے تصدیقِ حق
شاہد عادل کی حاجت ہے شہادت کے لیے

آئے ختم المرسلین تبلیغ دیں کے واسطے
کون تھا بعد آپ کے حفظ شریعت کے لیے

آیہ قرآں تھی مبہم اور حدیثیں مشتبہ
آئے صادق انکشاف راز قدرت کے لیے

کر دیا تعلیم قانون اصول جعفری
منتظم درکار تھا تنظیم ملت کے لیے

عہد صادق میں دُرِ معنی قرآں مل گئے
سچے موتی چاہیئے تھے دیں کی زینت کے لیے

صبح کاذب تھی اگر عباسیوں کی سلطنت
صبح صادق جلوہ گر تھی رفع ظلمت کے لیے
شعبدے باطل ہوئے اعجاز صادق دیکھ کر
معجزے ان کو ملے تصدیق دعوت کے لیے
بہر ایذا جب بلایا آپ کو منصور نے
اژدھا پیدا ہوا شہ کی حفاظت کے لیے
خوف سے مرعوب ہونا تھا امامت سے بعید
شیر کا دل دے دیا خالق نے جرأت کے لیے
طاعت معبود سے ہوتی نہ تھی سیری کبھی
کم تھیں راتیں آپ کی طول عبادت کے لیے
مانگنے والوں کو دنیا کی عطا عقبیٰ بھی دی
دولت کونین حاضر تھی سخاوت کے لیے
فیض سے محروم یثرب میں نہ رہتا تھا کوئی
وقف تھے باغات خرما عام دعوت کے لیے
سرد ہوا اک لحظہ بھی حضرت کا مطبخ کیا مجال
خود سدا سرگرم رہتے تھے ضیافت کے لیے
سترہ ماہ ربیع الاوّلیں روز سعید
عید مولود نبی پائی ولادت کے لیے
ایک شب میں ہو گئے دو ماہ کامل جلوہ گر
اک نبوت کے لیے اور اک امامت کے لیے

ہے کہاں ممکن ادا ہو حق مدحت اے سلیم
نظم ہو یا نثر حاضر ہوں خدمت کے لیے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سورہ التوبۃ ۱۱۹/۹)

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک صادق کا وجود ضروری ہے تاکہ لوگ اس کے ساتھ ہو کر سعادت دارین حاصل کریں۔ ایسا تو دنیا میں کوئی مسلمان نظر نہ آئے گا جو جزوی صداقت سے خالی ہو کوئی نہ کوئی بات تو اس کی ضرور سچی ہو گی اور کچھ نہیں تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ جب وہ زبان سے کہے گا تو بھی سچا ہو گا لیکن ایسی جزوی صداقت پیش رو صادقین بننے کے لیے کافی نہیں بلکہ وہ صادق ایسا ہونا چاہیے جو کبھی جھوٹ بولتا ہی نہ ہو اور ایسا صادق نہیں ہو سکتا مگر وہی جو معصوم ہو پس ضرورت ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا وجود پایا جائے تاکہ لوگ پورے یقین اور اطمینان کے ساتھ اس کے ہر قول و فعل پر عمل کر سکیں ایسے ہی شخص کو ہم حجت خدا اور امام منصوص من اللہ کہتے ہیں۔

حضرت رسول خدا نے اپنے بعد جو بارہ وصیا مقرر کیے وہ سب صادق تھے ان کا ہر قول و فعل سچا تھا پس ہر مسلمان کو ان کی پیروی لازم ہے۔

میں آج کی مجلس میں اس اپنے معصوم امام کے فضائل بیان کرنا چاہتا ہوں جن کا لقب صادق اور نامی جعفر بن محمد ہے آپ کی ولادت باسعادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ ہے بمقام مدینہ ہوئی آپ حضرت محمد باقر علیہ السلام کے فرزند ہیں آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد ابی بکر تھیں جناب قاسم کا شمار مدینہ کے سات فقیہوں میں سے ہے جناب اُم فروہ بڑی پاک سیرت کامل الایمان اور معرفت والی تھیں احکام شرع سے خوب واقف تھیں۔

منقول ہے کہ ایک بار آپ حجر اسود کے پاس پہنچیں تو بائیں ہاتھ سے بوسہ دینے کی رسم ادا کی کسی نے بڑھ کر ٹوکا یہ خلاف سنت ہے۔ فرمایا ہم کو تمہارے علم کی ضرورت نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت کے وقت عبد الملک بن مروان بادشاہ تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بلحاظ اخلاق و عادات اپنے اسلاف کا بہترین نمونہ تھے اور جملہ فضائل و کمالات روحانی سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

حضرت کو مہمان نوازی کا بڑا شوق تھا آپ مہمانوں کی خاطر و مدارات اس قدر فرماتے تھے کہ لوگ حیرت میں آجاتے تھے آپ کا دستر خوان کبھی مسکینوں اور مسافروں سے خالی نہ رہتا تھا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح بغیر مہمان کے تنہا کھانا نہ کھاتے تھے اکثر فرمایا کرتے تھے ایک لقمہ جو برادر مومن تیرے ساتھ کھائے میرے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے طرح طرح کے لذیذ کھانے موجود تھے اس کے بعد عمدہ اور تازہ خرمے آئے ہم نے وہ بھی کھائے۔ ایک شخص نے کہا یہ قسم قسم کی نعمتیں جو آپ اس وقت کھا رہے ہو روز قیامت اس کا حساب دینا پڑے گا۔ حضرت نے فرمایا خداوند عالم کی ذات اس سے کہیں بزرگ تر اور غنی ہے کہ جو طعام تمہارے حلق سے اترے اس کا حساب لے۔ اس نے کہا خدا تو قرآن میں فرماتا ہے کہ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (سورہ التکاثر ۸/۱۰۲) آپ نے فرمایا اس آیت میں مراد ہم اہل بیت ہیں۔ یعنی روز قیامت سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمت کی کہاں تک قدر کی اور ان کے ساتھ کیسے سلوک کیے۔ دیکھو اسی نعمت کا دوسرے مقام پر ذکر ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ المائدہ ۵/۳) اس نعمت سے بھی وجود امام ہی مراد ہے۔

حضرت اپنے مہمانوں کو بہتر سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور خود سرکہ سے روٹی نوش فرماتے تھے اور

فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کا کھانا یہی ہے اور ہم بھی یہی کھاتے ہیں ایک روز آپ مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے اور قسم قسم کے لذیذ کھانے مہمانوں کے لیے دسترخوان پر چنے ہوئے تھے کسی نے کہا آپ مہمان نوازی میں بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں ذرا دور اندیشی اور کفایت شعاری کی ضرورت ہے۔ فرمایا ہماری روزی خدا پر ہے جب خدا ہمارے رزق میں وسعت دیتا ہے تو ہم سیر چشمی سے اپنے مہمانوں کو کیوں نہ کھلائیں ہاں اگر وہاں سے تنگی ہو جائے گی تو لامحالہ ہم کو بھی کمی کرنا پڑے گی۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ مہمان نوازی کی بناء پر اہل و عیال کے خرچ میں تنگی ہونے لگتی تھی بعض اوقات اپنی اور اپنے اہل و عیال کی غذا مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اور خود فاقہ کر لیتے تھے۔

حضرت کی ملکیت میں ایک خرموں کا باغ تھا جسے عین الزیاد کہتے تھے۔ اس میں نہایت لذیذ خرمے ہر سال بکثرت پیدا ہوتے تھے اس کی سالانہ پیداوار کی قیمت کا تخمینہ پانچ ہزار روپیہ کیا جاتا تھا مگر کبھی اس کے محاصل کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور کبھی اس رقم کو اپنے ذاتی صرف میں نہ لاتے تھے۔ اس کی فصل کے تمام خرمے آپ لوگوں کو کھلا دیتے تھے جب اس عام دعوت سے کچھ بچ رہتے تھے تو فروخت کر دیتے تھے اور وہ رقم فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیتے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب اس باغ میں خرمے پک جاتے تو اس کی چار دیواری توڑ دینے کا حکم دیتے تاکہ ہر طرف سے لوگ آئیں اور شکم سیر ہو کر کھائیں۔

اضطراب و پریشانی کے عالم میں بھی آپ مہمان نوازی کے آداب کو فراموش نہ فرماتے۔ چنانچہ جب آپ کے جوان بیٹے حضرت اسمٰعیل کے مرنے کی خبر آئی تو آپ اس وقت مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ انتہائی صبر و ضبط سے کام لے کر اسی شگفتہ روئی اور دلجوئی کے ساتھ مہمانوں کے سامنے کھانا بڑھاتے رہے اور سیر ہو کر کھانے کی تاکید فرماتے رہے۔ کسی نے عرض کی فرزند رسولؐ آپ کو ایسی قیامت خیز خبر پہنچی ہے اور آپ کی حالت میں کوئی تغیر نہ آیا فرمایا ہم اور تم سب ایک دن فنا ہو جانے والے ہیں جو لوگ موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں ان پر کسی کی موت کی خبر سن کر نہ کوئی خاص حالت طاری ہوتی ہے اور نہ ان کے معمول میں فرق آتا ہے کیونکہ وہ حکم خدا کے تابع اور اس کی مرضی کے جویا ہوتے ہیں۔

حضرت کے خادم خاص معلے بیان کرتے ہیں کہ ایک اندھیری رات میں جبکہ پانی برس کر کھل چکا تھا میں گھر سے نکلا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ محلہ بنی ساعدہ کی طرف تنہا تشریف لے جا رہے ہیں میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چل کر کوئی شے حضرت کے پاس سے گری میں اٹھانے کے لیے آگے بڑھا دیکھا کہ بہت سی روٹیاں زمین پر پڑی ہیں ان کو اٹھا اٹھا کر دیتا جاتا تھا اور حضرت اس تھیلے میں جو آپ کے دست مبارک میں تھا بھرتے جاتے تھے۔ جب سب روٹیاں اٹھا چکا تو میں نے عرض کی لائیے اس تھیلے کو مجھے دے دیجئے

فرمایا نہیں اس کو تو میں خود ہی لے کر جاؤں گا محلہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر دیکھا وہاں کچھ لوگ پڑے سو رہے تھے۔ حضرت ایک ایک اور دو دو روٹیاں اور خرمے ان کے سرہانے رکھ کر آئے اور سارے تھیلے کو خالی کر دیا میں نے عرض کی حضور نے رات کو یہ تکلیف کیوں فرمائی فرمایا رات کا صدقہ آتش عذاب کو بجھاتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو مٹاتا ہے اور حساب و کتاب کو ہلکا کرتا ہے اور دن کی خیرات عمر و مال کو زیادہ کرتی ہے اسے معلّے! خیرات کو صرف انسانوں ہی تک محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ اس کے مستحق جانور بھی ہیں۔

ابو جعفر خثعمی کہتے ہیں کہ ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے ایک تھیلی میں کچھ روپئے رکھ کر دیئے کہ فلاں مقام پر جاکر فلاں مرد ہاشمی کو دے آؤ اور ایک فرضی نام لے کر کہا اگر وہ پوچھے کس نے بھیجے ہیں تو یہ نام بتا دینا۔ جب وہاں میں پہنچا اور وہ تھیلی اس کو دی تو وہ بہت شکر گزار ہوا اور ہزاروں دعائیں دے کر کہنے لگا۔ یہ خدا کا نیک بندہ ہمیشہ مجھے اتنا مال بھیجتا ہے کہ میرا سال بھر کا خرچ بخوبی چل جاتا ہے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام بکثرت مال کے ہمارے ساتھ کوئی سلوک نہیں کرتے۔

حضرت کو صلہ رحم کا بہت زیادہ خیال تھا۔ ہر عزیز کے ساتھ برابر اس کی لائق شان سلوک کیا کرتے تھے چنانچہ جب حضرت کی وفات کا قریب آیا تو آپ کے تمام اعزہ جمع تھے آپ ہر ایک کو کچھ مال دینے کی وصیت فرما رہے تھے منجملہ ان کے اپنے چچا زاد بھائی حسن افطس کو بھی ستر دینار دینے کا حکم فرمایا۔ ایک غلام نے عرض کی افطس کے متعلق آپ ایسا حکم دیتے ہیں حالانکہ یہ وہی شخص ہے جو آپ کے قتل کے ارادے سے خنجر لے کر چڑھ آیا تھا یہ سن کر آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا کیا تو مجھ کو صلہ رحم سے باز رکھنا چاہتا ہے اے شخص اپنے نیک عزیزوں کے ساتھ صلہ رحم کرنا تو بہت سے آدمیوں کا معمول ہے لیکن حسن جیسے احسان فراموش ظالم اور خون کے پیاسے کے ساتھ صلہ رحم کرنا ہم اہل بیت سے مخصوص ہے حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ عاق اور قاطع رحم بہشت کی بو نہ سونگھیں گے ایک بار ایک خارجی مدینہ میں آیا اور مسجد رسولؐ میں سو گیا جب بیدار ہوا تو اس کو وہم ہوا کہ ایک ہزار دینار کی تھیلی جو میرے پاس تھی یہاں سے کسی نے اٹھالی ہے ادھر ادھر دیکھنے لگا جب کسی کو نہ پایا تو امام جعفر صادق علیہ السلام پر جو اس وقت مسجد کے گوشے میں نماز پڑھ رہے تھے شبہ ہوا کہ اس کی تھیلی حضرت نے لی ہے بس وہ حضرت کے پیچھے پڑ گیا آپ خاموشی سے اس کا گستاخانہ کلام سنتے رہے پھر پوچھا اس تھیلی میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار یہ سن کر آپ بیت الشرف تشریف لائے اور ایک ہزار اشرفی لاکر اسے دیں جب وہ ان کو لے کر گھر پہنچا تو دیکھا اس کی تھیلی رکھی ہوئی ہے بہت نادم ہوا اور الٹے پاؤں واپس آیا اور معذرت کے بعد وہ اشرفیاں حضرت کو واپس کیں۔ حضرت نے فرمایا ہم جو دے دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے وہ شخص حضرت کی عالی ہمتی اور فیاضی دیکھ کر حیران ہو گیا اس نے باہر نکل کر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں کسی نے کہا یہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اس نے کہا میں نے جیسا سنا

تھا اس سے کہیں زیادہ پایا بے شک اہل بیت رسولؐ کے سوا کوئی بدی کا بدلہ اس طرح نیکی سے نہیں دے سکتا ہے۔

حضرت کے توکل کا یہ حال کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا غلّہ روز بروز گراں ہوتا جاتا تھا حضرت نے اپنے غلام معتب سے پوچھا ہمارے ہاں کس قدر غلّہ ہوگا اس نے کہا بہت کافی ہے، ہمیں قحط کا ڈر نہیں فرمایا اس کو فروخت کر ڈالو۔ اس نے کہا حضور اس وقت غلّہ بیچنا خلاف مصلحت ہے لوگ تو ذخیرہ کر رہے ہیں فرمایا کچھ پرواہ نہیں جو حال اوروں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا جب سارا غلّہ فروخت ہوگیا تو آپ نے فرمایا ہر روز اوروں کی طرح تم بھی خرید لایا کرو اور نصف گندم اور نصف جَو ملا کر روٹی پکایا کرو۔ تاکہ خلق اللہ کے ساتھ ہم بھی تکلیف اٹھاتے رہیں۔

ایک بار دو آدمیوں میں مال پر جھگڑا ہو رہا تھا مفضل جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے وکیل تھے اتفاقاً وہاں پہنچ گئے اور ان کا جھگڑا سننے لگے پھر ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور چار سو درہم پر فیصلہ فرما کر یہ رقم اپنے پاس سے دیدی اور جھگڑے کو ختم کر دیا۔ لوگوں نے اس پر بڑا تعجب کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ روپیہ اپنی جیب سے نہیں دیا ہے بلکہ یہ مال امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے آپ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب ہمارے شیعوں میں سے کسی کو نزاع کرتے دیکھو تو ہمارے مال میں سے دے کر اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا کرو۔

ایک بار حضرت کی خدمت میں دو غریب آدمی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مالدار بھی وہاں آیا اس نے ان غریبوں کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی اور ان کے برابر بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا اے شخص انہیں حقیر نہ سمجھ یہ خدا کی درگاہ کے امیر اور اس کے لشکر کے سردار ہیں اگر امراء ان کے سامنے ادب کے ساتھ بیٹھیں تو کوئی تعجب نہیں۔

ایک بار ایک سائل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا حضرت نے فرمایا کہ چار سو درہم اسے دے دو۔ وہ حضرت کو دعائیں دینے اور تعریفیں کرنے لگا آپ نے فرمایا اے شخص میں نے تیرے ساتھ نیکی اس لیے نہیں کی کہ تو مجھے شرمندہ کرے میں نے جو کچھ کیا ہے قربۃً الی اللہ کیا ہے۔ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا (سورہ الدھر ۹/۷۶)

ایک بار حضرت نے اپنے غلام کو مصر کی طرف تجارت کے لیے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جو جنس وہ لایا ہے اہل مصر اس کے بہت ضرورت مند ہیں پس اس نے معمول سے زیادہ منافع لینا شروع کر دیا۔ جب واپس آیا اور حضرت کے سامنے وہ سب منافع پیش کیا تو آپ نے تعجب سے پوچھا اتنی کثیر رقم کہاں سے آگئی

اس نے سب حال بیان کیا حضرت کو یہ سن کر غصہ آگیا فرمایا تونے بہت سنگدلی اور بے مردتی سے کام کیا۔ میں ایک حبہ بھی اس منافع سے نہ لوں گا۔ یاد رکھ تلوار کی دھار پر چلنا حلال روزی حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

ادائے حقوق میں اس قدر عجلت فرماتے تھے کہ ایک بار چند مزدور آپ کے باغ میں کام کر رہے تھے جب شام کو فارغ ہوئے تو آپ نے غلام معتب سے فرمایا ان کی اجرت ان کے بدن کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔

شکر گزاری کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی نعمت حاصل ہوتی تو بار بار سجدہ شکر ادا کرتے پھر جب اس کی یاد دل میں آتی پھر سجدہ شکر کرتے حضرت کو کبھی محنت کرنے سے عار نہ ہوتا تھا۔ سخت سے سخت مخصوص دن میں آپ بہت زیادہ محنت کرتے تھے۔ (ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں میں نے دیکھا آپ سخت گرمی میں اپنے باغ کو پانی دے رہے ہیں پسینہ میں تمام لباس شرابور ہو گیا ہے۔ میں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو اس کی خدمت کو میں انجام دوں فرمایا روزی کی طلب میں یہ محنت جیسی میں محنت کرتا ہوں عیب نہیں ہے۔

حضرت کا لباس اکثر اوقات موٹے کپڑے یا پیوند لگا ہوتا اور آپ کبھی سادہ کپڑا بہت دن کے بعد اتارتے تھے۔ کسی نے عرض کی مولا اس لباس کو تبدیل فرمالیجئے اور دوسرا لباس پہن لیجئے آپ نے فرمایا جب میری غرض اس سے پوری ہوتی ہے تو اس کو بدلنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی خدا کی بارگاہ کے فقیروں کا لباس ایسا ہی ہونا چاہیے۔

تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ کے عزیزوں میں سے کسی کا لڑکا مرگیا آپ اس کی ماتم پرسی کے لیے تشریف لے چلے راہ میں جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا آپ نے جوتا ہاتھ میں لے لیا اور برہنہ پا چلنے لگے کسی نے عرض کی سواری حاضر ہے سوار ہو جائیے۔ فرمایا نہیں صاحب مصیبت کے لیے صبر و قناعت سے بہتر کوئی چیز نہیں غرض کہ اسی طرح برہنہ پا تشریف لے گئے اور رسم تعزیت ادا کی۔

خیرات کی یہ صورت تھی کہ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام نہ جاتا حضرت فرمایا کرتے تھے جب میں تنگدست ہوتا ہوں تو خیرات دے کر خدا کے ساتھ تجارت کرتا ہوں یعنی تھوڑے دے کر زیادہ لیتا ہوں۔ ایک بار امام علیہ السلام نے اپنے فرزند سے فرمایا جو مال ہمارے پاس آیا تھا اس میں سے کتنا باقی ہے عرض کی چالیس دینار فرمایا راہِ خدا میں دیدو عرض کی پھر اپنے خرچ کے لیے باقی نہ بچے گا فرمایا کچھ پروا نہیں خدا اس کے عوض دس گنا دے گا۔ غرض حضرت کے حکم کے مطابق وہ دینار دے دیئے گئے

دس روز نہ گزرے تھے کہ ایک جگہ سے چار ہزار دینار آ گئے فرمایا اے فرزند تم نے دیکھ
لیں کس طرح دس دس ملے ۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ کی عبادت کی شان دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے
امام ابوحنیفہ نے جو آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو سکتہ سا ہو گیا جب آپ نماز سے فا
نے کہا کہ اے ابو عبداللہ آپ کی نماز کس قدر سخت عبادت ہے ۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم
سے زیادہ قرب خدا کا باعث ہے ۔

حضرت رکوع و سجود کو اتنا طول دیتے تھے کہ بعض اوقات ساٹھ بار سے زیادہ ذ
کہتا ہے میں ایک بار امام سے ایک مسئلہ پوچھنے گیا آپ مسجد رسولؐ میں پڑھ رہے ہوئے تھے
بیٹھ گیا کہ آپ نماز سے فارغ ہوں تو دریافت کروں آپ نے ذکر سجدہ کو اس قدر طول د
اکتا سا گیا سوچا کسی تدبیر سے اپنی موجودگی کا اظہار کر دوں ۔ ترکیب ذہن میں آئی کہ میں
ذکر سجدہ بلند آواز سے کروں شاید میری آواز سن کر حضرت اپنی نماز تمام کر دیں چنا
کی اور زور زور سے سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے لگا ۔ جب میں ایکسو ساٹھ
کر چکا تب مجھے محسوس ہوا کہ حضرت نے اپنی نماز تمام کر دی ہے ۔ میں نے بھی نماز
خدمت میں عرض کی اگر حضور کی یہی صورت ہے تو ہماری نمازیں تو اس کے مقا
شیعوں سے قلیل و کثیر سب قبول ہے ۔

ایک بار حضرت کوفہ کے باغوں سے گزر رہے تھے چلتے چلتے ایک خرمے
آپ نے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہوئے اور ذکر سجدہ کو اتنا طول دیا کہ راو
ذکر کو شمار ۔

حضرت غلاموں پر بڑے مہربان تھے ان کی خطاؤں سے ہمیشہ چشم پوشی
کام کو بھیجا جب واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اس کی تلاش کو نکلے دیکھا کہ ۔۔۔ ہے بجائے اس
کے خفا ہونے کے اس کو پنکھا جھلنے لگے ہوا لگی تو وہ خود ہی بیدار ہوا آپ نے نہایت نرمی سے فرمایا اے شخص
یہ تیری کیا عادت ہے کہ دن میں بھی تو سوتا ہے اور رات کو بھی خدا نے دن کام کے لیے بنایا ہے اور رات
سونے کے لیے ۔

مصیبت پر صبر کی صورت یہ تھی کہ اعمش سے منقول ہے کہ ایک روز میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی
خدمت میں گیا تا کہ آپ کے بیمار صاحبزادے کی عیادت کروں دیکھا کہ آپ دروازہ پر رنجیدہ کھڑے ہیں پھر آپ

اندر تشریف لے گئے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا جب حضرت واپس آئے تو حالت بدلی ہوئی تھی یعنی پہلے سے آثار ملال چہرہ پر نہ تھے مجھے گمان ہوا کہ شاید اب صاحبزادے کو آرام ہے۔ میں حضرت سے حال پوچھنے لگا آپ نے فرمایا اس نے قضا کی میں نے کہا حضور زندگی میں تو پریشان تھے لیکن مرنے کے بعد وہ ملال باقی نہ رہا فرمایا اہل بیت کا یہی قاعدہ ہے کہ نزولِ بلا سے پہلے پریشان ہوتے ہیں اور جب وہ بلا نازل ہو جاتی ہے تو قضائے الہی پر راضی ہو کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

حضرت عطر و خوشبو کو بہت دوست رکھتے تھے روزہ میں اس کا استعمال زیادہ فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے خوشبو روزہ دار کا تحفہ ہے کوئی پھول مل جاتا تو پہلے سونگھتے پھر آنکھوں سے لگا کر فرماتے جو شخص پھول سونگھ کر آنکھوں سے لگائے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجے خدا اُس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے قبلہ رو بیٹھتے تھے ایک بار داہنے پاؤں کو بائیں ران پر رکھے بیٹھے تھے کسی نے کہا ایسی نشست کو تو لوگ مکروہ بتاتے ہیں فرمایا مکروہ نہیں یہ مقولہ یہودیوں کا ہے البتہ چار زانو بیٹھنے سے خصوصاً تنگ جگہیں کراہت فرماتے تھے۔ حجرہ مبارک کے اندر جانب قبلہ آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی سات گز سے اُونچا مکان بنانے کو منع فرماتے تھے۔

حضرت نجومیوں کے خلاف تھے ایک بار آپ نے فرمایا کہ ایک قطعہ زمین میرے اور ایک نجومی کے درمیان مشترک تھا وہ تقسیم کے لیے ایک ایسا وقت تلاش کرتا تھا جو میرے لیے نحس ہو اور اس کے لیے سعد آخر اس کی خواہش کے مطابق ہم ایک وقت میں جمع ہوئے قرعہ ڈالا گیا اچھی زمین میرے حصہ میں آئی نجومی نے سر پیٹ لیا یہ کیا ہوا۔ نجوم کے قاعدے سے یہ وقت میرے لیے اچھا تھا اور آپ کے لیے بُرا مگر نتیجہ برعکس نکلا میں نے کہا سن حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی دن کی نحوست کو اپنے سے دُور رکھنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اس کی صبح کو خیرات کرے اور اگر رات کی نحوست سے بچنا چاہتا ہے تو سرِ شام کچھ تصدق کرے آج میں نے اسی حدیث پر عمل کیا اور صبح کو صدقہ دے کر یہاں آیا اور یہ تیرے نجوم سے بہتر ہے۔

اطاعت والدین کی تاکید آپ لوگوں کو بہت فرماتے تھے۔ زکریا بن نامے ایک عیسائی مسلمان ہو گیا ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا میرے ماں باپ اور تمام کنبے کے لوگ عیسائی ہیں میری ماں نابینا ہے انہی کے ساتھ رہتا ہوں انہی کے برتنوں میں کھاتا ہوں ان برتنوں میں شراب اور سور کا گوشت بھی کھاتے پیتے ہیں فرمایا کیا تیرے ماں باپ بھی ایسا کرتے ہیں اس نے کہا نہیں وہ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں جاتے فرمایا تو کچھ مضائقہ نہیں تجھے اپنی نابینا ماں کے ساتھ ہمیشہ نیکی کرنی

چاہیئے۔ وہ مرجائے تو ان لوگوں کے حوالے نہ کر دینا خود اس کی تجہیز و تکفین کرنا زکریا کہتا ہے اس کے بعد جب میں کوفہ آیا تو امام کی ہدایت کے مطابق اپنی ماں کی خدمت میں مصروف ہوا اپنے ہاتھ سے اسے کھلاتا پلاتا اس کے کپڑوں سے جوئیں چنتا۔ غرض ہر قسم کی خدمت انجام دیتا ایک دن اس نے کہا بیٹا پہلے تو نے کبھی میری خدمت اس طرح نہیں کی جب سے تو مسلمان ہوا ہے میری خدمت زیادہ کرنے لگا ہے یہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا ہمارے نبی کے بیٹے نے تمہاری خدمت کی خاص طور پر مجھے تاکید فرمائی ہے اس نے کہا تب تو یہ دین بہت اچھا ہے مجھے بھی اسی دین میں لے لے چنانچہ وہ اسی روز مسلمان ہوگئی ظہرین اور مغربین کی نماز بھی اس نے پڑھی۔ اسی رات کو وہ بیمار پڑی اور مرگئی میں نے خود اس کی تجہیز و تکفین کی اور سب مسلمانوں کے ساتھ اس کا جنازہ قبرستان میں لے جاکر دفن کر دیا۔

غلاموں کی آزادی کا طریقہ یہ تھا کہ جب حضرت کسی غلام کو آزاد کرتے تو اس کا آزادی نامہ لکھ دیتے حضرت کا علم اس پایہ کا تھا کہ اس کی شہرت سن سن کر لوگ دور دور سے آتے تھے کافروں مشرکوں ملحدوں اور زندیقوں سے آپ نے بہت مناظرے کیے اور مباحثے کیے اور ہمیشہ ان پر غالب رہے۔

جعد بن درہم نے جو اس زمانہ میں دہریوں کا سردار تھا کچھ مٹی اور پانی ایک پیالہ میں رکھ چھوڑا تھا چند روز بعد اس میں کیڑے پیدا ہوگئے اس نے کہنا شروع کیا میں ان کا خالق ہوں۔ ایک دن وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور یہی کہنے لگا۔ حضرت نے فرمایا تو ان کا خالق ہے تو اتنا ہی بتا دے کہ ان کی تعداد کیا ہے اس نے کہا یہ تو میں نہیں جانتا فرمایا یہی بتا دے کہ نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے ہیں اس نے کہا یہ بھی نہیں جانتا فرمایا اگر یہ نہیں جانتا تو کم از کم اتنا ہی کر کے دکھا دے کہ جو ایک سمت کو جا رہے ہیں حکم دے انہیں کہ وہ پلٹ کر دوسری سمت کو چلے جائیں اس نے کہا یہ بھی نہیں کرسکتا فرمایا جب تیرا ذرا بھی قابو ان پر نہیں تو پھر تو ان کا خالق کیسے ہوگیا۔

ابو شاکر دیصانی جو توحید خدا کا منکر تھا ایک مرتبہ ہشام صحابی امام جعفر صادقؑ سے کہنے لگا کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جو ہمارے عقیدے کے موافق ہے اور تمہارے عقیدے کے مخالف انہوں نے کہا بھلا وہ کون سی آیت ہے اس نے کہا وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (سورہ الزخرف ۸۴) یعنی خدا وہ ہے کہ آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دو خدا ہیں ایک زمین میں دوسرا آسمان میں ہشام نے چونکہ اس آیت پر غور نہیں کیا تھا خاموش رہے خدمت امام میں اس واقعہ کا ذکر کیا فرمایا یہ سوال کرنے والا بڑا خبیث معلوم ہوتا ہے اب تم سے ملے تو کہنا تیرا نام کیا ہے وہ بتائے گا پھر پوچھنا بصرہ میں تیرا نام کیا ہے وہ وہی بتائے گا تم کہنا بس ایسا ہی ہمارا خدا ہے کہ آسمان پر بھی

وشت دجبل میں وہی خدا ہے ہشام نے اس سے ایسا ہی کیا اس نے کہا یہ جواب تمہارا
پر لد کر آیا ہے۔

شاکر دیصانی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا خدا کے وجود کا ثبوت دیجئے
ں ایک لڑکا ایک مرغی کا انڈا ہاتھ میں لیے ہوئے ادھر آنکلا۔ حضرت نے اسے بلا لیا۔
ہاتھ سے لے کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور ابو شاکر سے فرمایا دیکھو یہ ایک مضبوط قلعہ ہے جس میں
س کے اوپر تو پتھر جیسی سخت جلد ہے اور اس کے نیچے ایک نرم اور باریک جھلی اس کے
ے دو دریا بہہ رہے ہیں لیکن نہ سفیدی زردی میں مل سکتی ہے اور نہ زردی سفیدی میں
ے والا اس کے اندر داخل ہوتا ہے اور نہ کوئی بگاڑنے والا اس سے باہر نکلتا ہے یہ بھی کسی کو
ے سے پیدا ہونے والا بچہ نر ہوگا یا مادہ۔ پھر دیکھو یہ دفعتاً شق ہو جاتا ہے اور ایک خوشنما پرندہ
ہ کیا تمہاری عقل اس کو مانتی ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی مدبر اور صانع کے خود بخود ہو رہا ہے
سر جھکا لیا اور کہنے لگا میں آج سے اپنے لغو خیالات سے توبہ کرتا ہوں اور دین اسلام قبول

ایک مصر کا دہریہ آپ کی خدمت میں آیا آپ نے اس کا نام پوچھا اس نے کہا عبدالملک فرمایا کنیت
کہا ابو عبداللہ۔ فرمایا جس ملک کا تو بندہ ہے وہ آیا ملوک آسمان سے ہے یا زمین سے اس
ے اس پر غور نہیں کیا فرمایا تو کبھی زمین کے نیچے گیا ہے اس نے کہا نہیں فرمایا تو کبھی آسمان پر چڑھا
رمایا تجھے معلوم ہے وہاں کیا ہے اس نے کہا نہیں۔ مشرق و مغرب کی تو نے سیر کی ہے کہا
ب تجھے نہ آسمان کا حال معلوم ہے نہ زمین کا تو پھر خدا کے وجود سے کیسے انکار کر رہا ہے ایک
بڑا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ ذرا تو غور کر یہ چاند سورج رات دن جو ہمیشہ ایک طریقہ پر
پنی رفتار میں مجبور و مضطر نہیں ہیں۔ اگر یہ مجبور نہ ہوتے تو ایک مرتبہ جا کر پھر واپس نہ آتے
، و زمین کے متعلق غور نہیں کرتا کیوں زمین پر آسمان کیوں نہیں آ رہتا کیوں زمین اس کے
ں جاتی کس نے انہیں مقام رکھا ہے جس نے ایسا کیا وہی قادر مطلق ہے ہمارا اور ان کا خدا ہے
ہ حیران ہو گیا اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

ایک بار کچھ عیسائی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت
محمد مصطفٰے رتبہ میں سب برابر ہیں کیونکہ ان تینوں کو ایک ایک کتاب اور ایک ہی شریعت ملی ہے فرمایا
غلط کہتے ہو حضرت محمد مصطفٰے کا رتبہ ان دونوں سے زیادہ ہے۔ کیونکہ جو علم ان کو دیا گیا ہے وہ موسیٰ عیسیٰ کو نہیں

دیا گیا۔ نصاریٰ نے کہا کیا آپ کے قرآن سے یہ ثابت ہے فرمایا بے شک سنو حضرت موسیٰ کے لیے فرمایا گیا ہے وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (سورہ الاعراف ۷/۱۴۵) میں نے تمام چیزوں میں سے تھوڑا تھوڑا اس کے لیے تختیوں میں لکھ دیا ہے) اور جناب عیسیٰ کے بارے میں فرماتا ہے۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ (سورہ النحل ۱۶/۳۹) جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے بعض کو میں بیان کروں گا) اور حضرت محمدؐ کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (سورہ النحل ۱۶/۸۹) ہم نے تیرے لیے ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر شے کی شرح اور بیان موجود ہے۔

عمرو بن عبید معتزلی جو فرقہ معتزلہ کا امام تھا ایک روز اپنے شاگردوں سے کہنے لگا میں آج امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسا سوال کروں گا جس کا جواب وہ فی البدیہہ نہ دے سکیں گے اور ان لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا چنانچہ وہ حضرت کی خدمت میں آیا اور سوال کرنے لگا آپ گناہانِ کبیرہ کو آیات قرآنی سے بیان فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا (۱) سب سے بڑا گناہ شرک ہے إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (سورہ المائدہ ۵/۷۲) (۲) خدا کی رحمت سے مایوس ہونا إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (سورہ یوسف ۱۲/۸۷) (خدا کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر) (۳) حقوق والدین وجبارا شقیا (نافرمان بیٹا جبار و شقی ہے) (۴) خون ناحق کرنا وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (سورہ النساء ۴/۹۳) (ہمیشہ جہنم میں رہنا ناحق قتل کرنے والے کی سزا ہے (۵) شوہردار عورت کو زنا کی تہمت لگانا إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورہ النور ۲۴/۲۳) (ان پر دنیا و آخرت پر لعنت ہے اور وہ دردناک عذاب میں رہیں گے (۶) مال یتیم کھانا إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (سورہ النساء ۴/۱۰) (وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے (۷) معرکہ جہاد سے بھاگنا وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورہ الانفال ۸/۱۶) جو اس روز ان کی جانب سے منہ پھیرے گا سوائے اس کے جو لڑائی کی ضرورت سے روگردانی کرے یا کسی دوسرے گروہ میں جگہ لینے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر خدا کا غضب ہے اور اس کی جگہ جہنم ہے جو بُرا ٹھکانہ ہے) سود کھانا الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ (سورہ البقرہ ۲/۲۷۵) (سود کھانے والے ایسے لوگ ہیں جنہیں شیطان نے مس کر کے مخبوط بنا رکھا ہے (۹) سحر کرنا وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (سورہ البقرہ ۲/۱۰۲) (انہوں نے وہ عمل کیا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے (۱۰) زنا کرنا

مجلس شانزدہم

در حال شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۵ / ماہ شوال ۱۴۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿﴾

(سورہ العصر ۱ تا ۳)

عصر کی قسم بے شک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اور حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں وہ ضرور خسارہ سے محفوظ ہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ایمان و عمل صالح کے انسانی زندگی باعث خسران میں ہے یہی وہ دونوں بازو ہیں جو کسی کو اعلیٰ مراتب تک پہنچاتے ہیں ورنہ اس کا مقام مرنے کے بعد اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ قرار پاتا ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ (سورہ والتین ۴/۹۵) (بے شک ہم نے انسان کو اچھے طریق کا پیدا کیا پھر ہم نے اس کو اَسۡفَلَ السافلین کی طرف دھکیل دیا سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے

رہیں اور جنہوں نے عمل صالح کیے ہیں جس طرح کوئی پرندہ بغیر دو بازوؤں کے اڑ نہیں سکتا اسی طرح کوئی انسان بغیر عمل صالح کے منازل قربت طے نہیں کر سکتا ان دونوں کا ساتھ ساتھ رہنا تکمیل انسانیت کے لیے ضروری اور لازمی ہے اگر ایمان ہو اور عمل صالح نہ ہو تو وہ ایمان بیکار اور اگر عمل صالح ہو اور ایمان نہ ہو تو وہ بیکار۔

ایمان کے مدارج و مراتب بے شمار ہیں انہی کے لحاظ سے افراد انسانی کے فضائل قرار پاتے ہیں اور انہی کے لحاظ سے عمل صالح کے مدارج و مراتب قائم ہوتے ہیں جس کا ایمان نسبتاً زیادہ قوی ہوگا اسی قدر اس کے اعمال صالحہ میں فوقیت و برتری کی شان زیادہ پیدا ہوگی اور انہی مدارج کے اعتبار سے اس کو قربت ایزدی حاصل ہوگی اور انبیاء و مرسلین کے درمیان جو فرق مراتب پایا جاتا ہے اس کی بنیاد یہی دو چیزیں ہیں خود خلاق عالم فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (سورہ البقرہ ۲/۲۵۲) یعنی مرسلین کو ہم نے بعض کو فضیلت دی ہے لیکن ایمان صالح کے مدارج کا فرق انبیاء و اولیا میں اس قدر باریک ہو جاتا ہے کہ عالم عقول اس کا ادراک نہیں کر سکتیں بلکہ خالق کائنات ہی جانتا ہے کہ کس کا ایمان کس درجہ پر ہے یہی دو چیزیں جب نقطہ کمال پر پہنچ جاتی ہیں تو پھر نفسانی انسان کے ارتقا کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے عروج کی منزل حدود عقل سے باہر ہو جاتی ہے عالم امکان کا سب سے مافوق نقطہ اس کے قدم کو بوسہ دینے کا مشتاق بن جاتا ہے اس ترقی کو قرآن مبین فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (سورہ النجم ۵۳/۹) کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے لیکن ہم اس منزل کے سمجھنے سے قاصر ہیں حدود امکان و واجب کے درمیان جو انتہائی خط ہے اور امتیازی نقطہ ہے جب اس پر صاحب معراج کے قدم پہنچیں گے تو یقیناً وجود نورانی عالم وجوب کی حدود میں داخل رہا ہوگا اور عالم وجوب میں حدود کا تعین ایک سر چکرا دینے والا خیال ہے۔

یہ تو عرش کی باتیں ہیں ہم تو فرش کے مدارج بھی سمجھنے سے قاصر ہیں ذرا کمال ایمان پر اس برگزیدۂ باری کے غور کرو جس کے متعلق جنگ خندق میں حبیب رب العالمین نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ۔ بَرَزَ الْإِيمَانُ كُلُّهُ إِلَى الْكُفْرِ كُلِّهِ یعنی امیرالمومنین علیہ السلام کل ایمان تھے کس کی طاقت ہے کہ ایمان کے اس نقطہ کمال کا اندازہ کر سکے اس کی منقبت میں زبان کھول سکے سوائے خدا کے اور رسول کے کون سمجھ سکتا ہے کہ کل ایمان کیسا ہوتا ہے اور اس منزل پر پہنچنے کے بعد ایک انسان کیا سے کیا ہو جاتا ہے اب اسی کل ایمان کے عمل صالح پر بھی ساتھ ساتھ ایک نظر ڈالتے چلیے دور کہیں نہ جائیے اس خندق کے میدان میں اس کی منقبت بھی زبان رسول سے سن لیجئے ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ۔ (روز خندق علیؑ کی ضربت جو عمرو بن عبدود کے سر پر پڑی تھی عبادت ثقلین سے

بہت سے ہے اب اندازہ کیجئے کہ علی علیہ السلام کے اعمال صالحہ اپنے کمال میں کس حد تک پہنچے ہوئے تھے جس شخص کا ایک عمل تمام جن و انس کی عبادت سے بڑھ گیا ہو اس کے مراتب کا کیا ٹھکانا ہے پھر یہ بھی غور کیجئے کہ علیؑ نے مدت العمر میں یہی ایک عمل تو نہ کیا تھا بلکہ اور بھی ہزارہا اعمال صالحہ بجالائے تھے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جہاد وغیرہ وغیرہ بس اسی پر قیاس ان سب اعمال کا کیجئے اور انصاف سے بتایئے کہ نفس کے ارتقائی منازل میں بعد رسولؐ ان کا ہمسر کون ہو سکتا ہے۔

آپ نے اجمالی اندازہ اس بات کا کر لیا ہو گا کہ انسانیت کے دونوں بازو ایمان اور عمل صالحہ مکمل صورت میں کہاں پائے جا رہے ہیں، ایمان والے دنیا میں بے شمار ہیں اور انہوں نے بڑے بڑے کمالات حاصل کیے ہیں لیکن مجسم ایمان اور کل ایمان تو علیؑ کے سوا دوسرا نظر ہی نہیں آتا اگر کوئی اور ہوتا تو اس کی ثنا بھی زبان رسولؐ ہی طرح ہوتی اعمال صالح کرنے والے بھی دنیا میں بے شمار ہیں مگر ایسا کوئی بھی نہیں ملتا جس کے ایک عمل میں اتنا وزن ہو کہ عبادت ثقلین بھی اس کی ہم پلہ نہ ہو سکے اور اگر کوئی ایسا ہوتا تو ضرور رسولؐ خدا ایسے ہی الفاظ میں اس کی بھی تعریف فرماتے کیونکہ یہ رسولؐ کی شان سے بعید تھا کہ وہ کسی کے فضائل کی پردہ پوشی کرتے۔

اصحاب رسول میں صرف ایک علیؑ ہی کی ذات آپ کو ایسی نظر آئے گی کہ انہوں نے جو عمل صالحہ بھی کیا اس کی سند تکمیل یا خدا سے لی یا رسولؐ سے شب ہجرت فرش رسولؐ پر سوئے خدا سے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي (سورہ البقرہ ۲/۲۰۷) کی سند حاصل کر لی نماز میں زکوٰۃ دی آیہ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ (سورہ المائدہ ۵/۵۵) کی سند لی تین دن روزے رکھے آیہ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (سورہ الدہر ۷۶/۷) نے نازل ہو کر اس عمل صالح کی مدح سرائی کر دی۔ رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی آیہ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ (سورہ الرعد ۱۳/۴۳) نے مہر تصدیق ثبت کر دی مباہلہ میں رسولؐ کے ساتھ نکلے آیہ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ (سورہ آل عمران ۳/۶۱) نے نازل ہو کر فضائل نفسانی کی قصیدہ خوانی کر دی لڑائی میں قدم جما کر رہے تو آیہ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿۴﴾ (سورہ الصف ۶۱/۴) نے بے مثل شجاعت کا اعلان کر دیا وغیرہ وغیرہ اہل انصاف غور فرمائیں مسلمانوں میں کون ایسا شخص تھا جو ان فضائل و کمالات نفسانی میں علی بن ابی طالب کا مقابلہ کر سکتا حق پوش دنیا کے پردہ ڈالنے سے کیا ہوتا ہے جب تک دنیا میں قرآن و حدیث کا وجود ہے یہ پائیدار نقوش اجاگر ہوتے ہی رہیں گے اور دنیا والے ان کو پڑھ کر اور سن کر درود و صلوٰۃ کے نعرے بلند کرتے ہی رہیں گے۔

صرف حضرت علیؑ ہی پر موقوف نہیں ہر زمانہ میں اہل بیت رسولؐ ہی سے ایک امام برحق ایسا رہا ہے جو اپنے زمانہ کے لوگوں کے لیے ایمان و عمل صالح کے بہترین نمونے پیش کرتا رہا ہے کسی زمانہ میں بھی یہ نہیں ہوا کہ ہمارے آئمہ سے بڑھ کر کسی نے اپنا ایمان اور عمل صالح دکھایا ہو اگرچہ ان کے دشمنوں نے ان کے مدارج گھٹانے

اور ان کے روحانی کمالات پر پردہ ڈالنے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن سچے اور جھوٹے موتی ملا دینے سے سچے موتیوں کی چمک ماری نہیں جاتی۔ منصور نے کتنا چاہا کہ امام جعفر صادقؑ کی وقعت لوگوں کی نظر میں کم کر دے لیکن جسے خدا عزت دینے والا ہو اس کو کون ذلیل کر سکتا ہے۔ منصور نے ابو حنیفہ کوفی کو امام اعظم کا خطاب دے کر امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلے پر کھڑا کیا لیکن چونکہ ایمان و عمل صالح کے دونوں بازو ان بزرگ کے کمزور تھے لہذا منصور کو مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی امام جعفر صادق امام جعفر صادق ہی رہے امام ابو حنیفہ کے پاس جو کچھ علم و فضل تھا وہ اسی در کی ناصیہ فرسائی سے حاصل ہوا تھا امام محمد باقر علیہ السلام کی صحبت کے فیض نے ان کو ابو حنیفہ بنایا تھا۔

ایمان امام جعفر صادق علیہ السلام کا اندازہ کرنے کے لیے صرف اتنی سی بات لکھ دینی کافی ہے کہ منصور نے اپنی خلافت کو برحق تسلیم کرانے کے لیے امام علیہ السلام پر کیا کیا زور نہ ڈالے پہلے تو مال و زر کا لالچ دیا پھر اعلیٰ منصب پر فائز کرنے کا وعدہ کیا پھر قتل کی دھمکی دی لیکن یہ وہ ایمان نہ تھا جو اس قسم کی باتوں سے لرزش میں آجاتا۔ فولادی پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ممکن تھا لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کا سر باطل کی طرف جھکنا ممکن نہ تھا۔

آخر جب منصور نے اپنی مراد بر آتے نہ دیکھی بمقتضائے طبیعت حضرت کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو گیا نہ صرف آپ کا بلکہ تمام محبان اہل بیت کا جانی دشمن بن گیا حکومت کی طرف سے ایسے جاسوس مقرر تھے جو شیعوں کے حالات تفحص کرتے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی خبر منصور کو پہنچاتے تھے بلکہ جہاں کہیں ان کو پاتے تھے بے جرم و قصور گرفتار کر لیتے تھے یہ ایسا نازک زمانہ تھا کہ شیعیان علی بیچارے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آزادی سے آمد و رفت بھی نہ کر سکتے تھے حضرت کی کوئی حدیث نقل نہ کر سکتے تھے۔

منصور کی یہ دلی تمنا تھی کہ وہ امور دین میں بھی اپنا حکم چلائے اور امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی اقتدا کریں لیکن کسی طرح اس کی یہ مراد بر نہ آتی تھی آخر کار اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت کی موجودگی میں وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا وہ اکثر حضرت سے کہا کرتا تھا میرے لیے آپ کی ذات ہڈی کی مانند ہے جو گلے میں اٹک جاتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا رسانی کا سلسلہ منصور نے محمد نفس زکیہ کے شہید ہونے کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا اس نے آپ کو مدینہ سے ربذہ (وہ مقام ہے جہاں خلیفہ ثالث کے عہد میں حضرت ابوذر کو مدینہ سے جلا وطن کر کے نظر بند کیا گیا تھا) میں بلایا تاکہ سادات حسنی کی طرح آپ کو بھی نظر بند کر کے عراق کی طرف لے جائے اور عمر بھر قید رکھے چنانچہ اپنے ایک خیر خواہ خاص ابراہیم بن جبلہ کو اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مدینہ بھیجا

ابراہیم مدینہ آیا تو امام علیہ السلام اس وقت مسجد ابوذر غفاری میں مصروف نماز تھے۔ ابراہیم کی ہمت نہ پڑی کہ اس خاص حالت میں آپ کو گرفتار کرے تھوڑی دیر رُکا رہا۔ جب حضرت فارغ ہو چکے تو اس نے آپ کی آستین پکڑ کر کہا آپ کو منصور نے بلایا ہے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن اتنی اجازت دے کہ دو رکعت نماز اور پڑھ لوں۔ اس نے منظور کر لیا پس جب فارغ ہوئے تو فرمایا ہاں اب جس طرح تجھے حکم دیا ہے مجھے لے چل اس نے کہا ایسی گستاخی تو مجھ سے نہ ہو سکے گی چاہے منصور مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔ غرض ابراہیم حضرت کا ہاتھ پکڑے ہوئے منصور کے پاس لایا اس نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ ان کو زندان میں لے جاؤ اور نظر بند کر دو۔ حضرت نے فرمایا اے منصور اب میری عمر بہت زیادہ باقی نہیں ہے لہذا میرے اور تیرے درمیان جو معاملات ہیں وہ ختم ہو جانے چاہئیں۔ زندگی کے جو چند روز باقی ہیں وہ مجھے مدینہ رسولؐ میں بسر کرنے دے ورنہ روضۂ رسولؐ سے جدا ہو کر میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اس تقریر کا منصور پر اثر ہوا اور اس نے اپنا خیال ترک کر کے آپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

کچھ ہی روز بعد منصور کو پھر بے چینی ہوئی اور اس نے حضرت کو اس خیال سے عراق میں طلب کر لیا کہ اپنے پاس رکھ کر حضرت کا نگراں رہے مجبوراً حضرت کو ترک وطن کر کے عراق جانا پڑا۔ یہ وہی سفر تھا جس میں آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر منور کی زیارت فرمائی اور وہاں سے نجف اشرف تشریف لا کر عراق کے مخصوص شیعوں کو امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر منور کا صحیح مقام بتایا کیونکہ بنی اُمیہ کی مظالم کی وجہ سے اب تک حضرت کی اصلی قبر کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔

اسی سفر میں آپ مدینہ سے بغداد، بغداد سے بصرہ اور بصرے کوفہ تشریف لے گئے۔ لیکن منصور کے تبھوں نے آپ کو ایک پل بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا تاہم جہاں حضرت بیٹھتے تھے اس قدر کثرت سے لوگ آپ سے مسائل پوچھنے آتے تھے کہ آپ کو ضروری امور کے انجام دینے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی جب منصور نے یہ حال دیکھا تو اس کو یہ بد گمانی ہوئی کہ کہیں حضرت مجھ پر خروج نہ کر بیٹھیں۔ لہذا اس نے آپ کے قتل پر کمر باندھ لی۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ منصور نے ایک دن اپنے دربان ربیع نامی کو حکم دیا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلا کر باتوں میں لگاؤں گا تو تلوار لیے آمادہ رہنا جس وقت میرا ہاتھ ہل جائے اسی وقت قتل کر ڈالنا۔ ربیع بڑا نیک خوا اور خوش اعتقاد تھا اس نے امام علیہ السلام کی اجازت سے منصور کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ربیع کا بیان ہے منصور نے ایک چٹائی اور ایک تلوار منگائی اس کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو یہ دو چیزیں پہلے سے منگا رکھتا تھا اور مجرم کو اس چٹائی پر بٹھا کر اپنے سامنے قتل کراتا تھا

جب وہ یہ سامان منگا چکا تو اس نے امام علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ ربیع کہتا ہے کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا اگر مجھے قتل کا حکم دیا گیا تو اسی تلوار سے میں اس کا سر اڑا دوں گا بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا میں گیا اور امام علیہ السلام کو بلا لایا جونہی منصور کی نظر آپ کے چہرہ پر پڑی فوراً تخت سے اٹھا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو اپنے پہلو میں بٹھایا پھر کہنے لگا میں نے آپ کو اس غرض سے زحمت دی ہے کہ جتنا قرض آپ کے ذمہ ہو اس کو بیان فرما دیں تاکہ میں ادا کر دوں کیونکہ آپ کی اعانت کرنا میرا فرض ہے۔ حضرت نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے تا دیر عذر خواہی کرتا رہا پھر ربیع کو بلا کر کہا تین دن آپ کو مہمان رکھ کر با آرام تمام مدینہ کی طرف رخصت کر دے۔

ربیع کہتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام اپنی قیامگاہ پر واپس آئے تو میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آج منصور نے آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے بلایا تھا آپ نے کونسی دعا پڑھی کہ اپنے ارادے سے وہ باز رہا حضرت نے وہ دعا مجھے بتائی اور یاد کرا دی اس کے بعد میں منصور کے پاس پہنچا اور اس سے کیفیت پوچھی اس نے کہا خدا کے نزدیک ان کا بڑا رتبہ ہے جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ ایک اژدھا ان کے ساتھ چلا آتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے اگر تو نے ذرا بھی ان کو اذیت دی تو تیرا گوشت پوست ہڈیوں سے اتار لوں گا۔ یہ دیکھ کر میرا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔

دوسری بار یہ طلبی محمد بن عبداللہ اسکندری منصور کا مخصوص ہم نشین تھا بیان کرتا ہے کہ ایک دن جو میں منصور کے پاس گیا تو اس کو بہت رنجیدہ پایا وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں نے اولاد علیؑ و فاطمہؑ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر ڈالا لیکن اس کے سردار پیشوا امام جعفر صادق علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں میں نے کہا اے امیر وہ تو بڑے عابد و زاہد اور نیک آدمی ہیں عبادت کی کثرت نے ان کا بدن لاغر بنا دیا ہے۔ دنیا کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں پس ایسے شخص سے آپ کو کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے منصور نے کہا مجھے پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تو ان کا دم بھرتا ہے اور ان کی امامت کا قائل ہے میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ آج غروب آفتاب تک ان کے قتل سے اطمینان حاصل کر لوں گا۔ پھر جلاد کو بلا کر کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلاتا ہوں جب اپنا ہاتھ سر پر لے جاؤں تو فوراً ان کو قتل کر ڈالنا۔ الغرض امام بلائے گئے اس وقت آپ کے ہونٹ جنبش میں تھے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کچھ پڑھ رہے تھے۔ منصور نے آپ کو آتا دیکھ کر سر و پا برہنہ استقبال کیا اس کا سارا بدن خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا حضرت کو تخت پر بٹھا کر پوچھنے لگا آپ کیسے تشریف لائے۔ فرمایا سبحان اللہ تو نے ہی تو بلایا ہے اور پھر مجھ سے وجہ پوچھتا ہے اس نے شرمندہ سا ہو کر کہا اگر کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کیجئے فرمایا بس میری اتنی ہی غرض ہے کہ مجھے بار بار نہ بلایا جائے جب میرا جی چاہے گا خود آ کر مل لیا کروں گا۔

راوی کہتا ہے کہ اس مرتبہ بھی منصور کو حضرت کے سامنے آتا ہوا ایک خوفناک اژدہا نظر آیا (شواہد النبوۃ ملا جامی و حلیہ ادلیاء شیخ فریدالدین عطار۔)

اس طرح منصور نے تین بار اور حضرت کے قتل کا ارادہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ جب بار بار ناکامی ہوئی تو اس نے حضرت کو مدینہ بھیج دیا۔ یہاں پہنچ کر آپ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے لیکن منصور کے دل میں جو کانٹا حضرت کی طرف سے کھٹک رہا تھا وہ بھلا کہاں نکلنے والا تھا۔ اس نے ایک بار کچھ لوگوں کو مال و زر کی طمع دے کر حضرت کے گھر میں آگ لگوادی۔ آپ اس وقت محبان اہلبیتؑ کے درمیان بیٹھے تعلیم و تلقین میں مصروف تھے کہ یکایک آگ کے شعلوں نے سارا مکان گھیر لیا۔ حضرت کے غلام اور اصحاب آگ بجھانے میں مشغول تھے لیکن اس کی شدت میں کسی طرح کمی نہ ہوتی تھی آخر حضرت خود اٹھے اور عبا کے دامن کو شعلوں کی طرف حرکت دے کر ایک دعا پڑھی آگ فوراً بجھ گئی اور آپ کے اصحاب اور متعلقین بال بال جلنے سے بچ گئے (کافی)

ایک بار منصور نے جعفر بن محمد بن اشعث کو جو فتنہ پردازی میں طاق تھا بلا کر کہا یہ روپیہ کی تھیلی لے کر تو مدینہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں چلا جا اور ان سے کہنا کہ مجھ کو شیعیان خراسان نے یہ مال دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے بادشاہ وقت پر خروج کریں جعفر نے مدینہ آکر جب امام علیہ السلام کی خدمت میں وہ مال پیش کیا تو آپ نے فرمایا اے محمد اشعث کے بیٹے خدا سے ڈر اور ہمارے دکھ دینے اور ستانے سے باز آ اور اپنے بھیجنے والے سے کہہ دے کہ ہم اہل بیتؑ رسولؐ نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ ناحق ہمارے ستانے پر آمادہ ہے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ ہم بنی امیہ کے پنجۂ ستم سے چھوٹے ہیں اور حد سے زیادہ تنگدست ہو رہے ہیں تجھ کو بلحاظ قرابت مدد کرنی چاہیے تھی نہ کہ جھوٹی تہمتیں لگا کر خواہ مخواہ مصیبت میں کرتا ہے یہ فرما کر آپ نے منصور کے قاصد کو قریب بلایا اور آہستہ آہستہ وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو اس سے منصور نے کہی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ منصور کی ان آئے دن کی ایذا رسانیوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام تنگ آگئے تھے اور حضرت کو بڑی احتیاط سے زندگی بسر کرنا پڑ رہی تھی اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اگر حکام جور مجھے منع نہ کریں تو میں دنیا کے کسی ایسے گوشے میں چلا جاؤں جہاں میں اور میرے شیعہ ہوں میں ان کو تعلیم دوں اور وہ مجھ سے فائدہ حاصل کریں۔ میں ان کی صحبت سے خوش ہوں اور وہ میری وجہ سے خوش ہوں اگر منصور مجھے نہ روکے تو میرا دلی مدعا یہ ہے کہ اپنے شیعوں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی اس طرح بسر کروں کہ شب و روز قرآن و حدیث کے درس میں مشغول ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی امر منصور کے خلاف ظہور میں نہ آئے گا۔

منصور نے حضرت کے متعلق ایسے سخت احکام جاری کیے کہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہوئے ڈرنے لگے آپ کی تعلیم و تلقین کی صحبتیں تقریباً بند ہو گئی تھیں بعض لوگ البتہ ایسے تھے کہ انہوں نے کسی حالت میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا نہ چھوڑا۔

منصور نے حضرت کے قتل کی بہت سی تدبیروں میں ناکام رہنے کے بعد آخر وہی خفیہ سازشیں اختیار کیں جو ہمیشہ سے بادشاہان جور اولیائے خدا کی جان لینے کے لیے کرتے چلے آئے ہیں۔ اپنی حکومت کے دسویں برس ۱۴۸ھ میں آپ کو منصور نے محمد بن سلیمان حاکم مدینہ کے پاس زہر بھرے انگور بھیجے اور تاکید کے ساتھ لکھا جس طرح ممکن ہو یہ انگور کے دانے جعفر بن محمد کو کھلا دیئے جائیں حاکم مدینہ نے ایک معتمد آدمی کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں وہ انگور بھیج دیئے جوں ہی آپ نے ان میں سے چند دانے نوش فرمائے زہر کا اثر تمام بدن میں پھیل گیا آخر کار ۱۵ ماہ رجب بابروایت کافی سال ۱۴۸ھ میں آپ کی شہادت واقع ہوئی آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں جن سے آپ حد درجہ مانوس تھے جب ان دونوں صاحبزادیوں کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت پر زہر کا اثر ہو گیا ہے اور آپ کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہے تو ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی دونوں نے زار زار رونا شروع کیا۔ امام علیہ السلام نے ان دونوں کو چھاتی سے لگا کر تسکین دی اور کلمات صبر تعلیم فرمائے لیکن شفیق باپ کی جدائی کا تصور ان کو کہاں چین سے بیٹھنے دیتا تھا۔ وہ امام موسیٰ کاظمؑ اور دوسرے خاندان والوں سے رو رو کر کہتی تھیں جلد کوئی تدبیر ایسی کرو کہ باباجان کی جان بچ جائے لیکن آہ موت سے رہائی کسے ملی ہے حضرت کی حالت لحظہ بہ لحظہ خراب ہی ہوتی چلی گئی جب آپ نے سمجھ لیا کہ موت قریب ہے تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر اسرار امامت تعلیم کیے اور کہا بیٹا! آج سے تم امام خلق ہو یہ دل شکستہ بہنیں تمہارے سپرد ہیں۔

لکھا ہے حضرت کا جنازہ گھر سے نکلا تو زنان بنی ہاشم کا غم سے برا حال تھا ایسا کہرام بپا تھا کہ دیکھنے والوں کے دل ہلتے تھے درد رسیدہ بیٹیاں واابتاہ واابتاہ کے نعرے مارتی تھیں خاندان کی واجعفراہ واجعفراہ کہہ کر سر و سینہ پیٹتی تھیں خوش نصیب تھیں وہ بیٹیاں جنہیں اپنے باپ کے جنازے پر رونا میسر آ گیا آہ آہ مظلوم کربلا کی بیٹی اور بہنوں جناب زینب و ام کلثوم کا غم سے کیا حال ہوا ہوگا جب ظالموں نے ان کو امام مظلوم کی لاش تک پر بھی نہ پہنچنے دیا ہوگا۔ اور بجائے پرسا دینے کے خیموں میں لوٹ مار مچا کر ان بیکسوں کے سروں سے چادریں تک اتار لی ہوں گی آہ آہ شہیدان کربلا کو کس بیدردی سے ذبح کیا گیا کلیجہ پھٹتا ہے اس تصور سے کہ بہتر شہیدوں میں سے کسی ایک کا جنازہ قاعدہ کے ساتھ گھر سے نہ نکلا سوگواران کربلا کو جلے دلوں کی آگ آنسوؤں سے بھی بجھانے کا موقع نہ ملا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

اہل حرم میں ماتم آہ و بکا ہے آج
سیدانیوں کا سوگ میں پھر سر کھلا ہے آج

ہے ہے امام جعفر صادق گزر گئے
شیعوں کے گھر میں ماتم مجلس بپا ہے آج

زہر دغا سے قتل کیا ہے امام کو
آل عبا پہ آہ یہ تازہ جفا ہے آج

گھر سے نکل رہا ہے جنازہ امام کا
ہلتا ہے عرش پاک وہ شور و بکا ہے آج

ہیں سینہ چاک باپ کے ماتم میں بیٹیاں
آنکھوں سے اشک گرم کا دریا بہا ہے آج

فریاد بیبیوں کی یہ ہے وا محمد!!
ہم بیکسوں کے سر پہ نزول بلا ہے آج

جنّت میں نوحہ خواں ہیں نبی و علی بہم
ماتم وہ ہے کہ فاطمہ کا سر کھلا ہے آج

حسنین بد حواس ہیں عابد ملول ہیں
باقر کے دل پہ رنج کا خنجر چلا ہے آج

جس سے فروغ مذہب حقہ تھا وہ امام
ظلم عدو سے راہی دار البقا ہے آج

سر پیٹیں کیوں نہ مجلس ماتم میں مومنین
ان کے چھٹے امام کی بزم عزا ہے آج

مجلس ہفتدہم

در حال ولادت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام

ولادت ۷ / ماہ صفر ۱۲۸ھ

قصیدہ

(از جناب محشرؔ صاحب لکھنوی مرحوم)

رند آزاد ہوں مشرب ہے مرا لطف عمیم
خواہش جاہ نہ ہے آرزوئے ہفت اقلیم

ہفت قلزم بھی اگر مے کے مرے ہاتھ آئیں
سب کو رندان اولوالعزم پہ کر دوں تقسیم!

ہفت گنجینہ مرے فقر کی شاہی پہ نثار
جام و خشت مے گلگوں مرے تخت و دیہیم

صدقے ہیں ہفت فلک دور پہ اس ساغر کے
بلکہ خجلت سے مہ و مہر بھی ہیں شرم کی قیم

ہفت خط میرے خط جام کے ہیں حلقہ بگوش
جام وہ جس کی ہے جمشید پہ واجب تعظیم

ہفت اندام میں مفلوج کے دوڑے گر خون
پی لے گر اس مے سرجوش کا قطرہ وہ مقیم

رد کش ہفت جناں واں کے ہو شعلوں کی بہار
ہفت دوزخ تک اگر آ جائے مری مے کی شمیم

ہفت اختر ہیں لیا پتہ مینا کی جگہ!
میرے شیشوں پہ فدا ہے دل اہل تنجیم

ہفت اورنگ، ہیں اس مے کی ضیا سے حیراں
دور سے اس کی تجلی ہفت زمیں کے زر و سیم

مختلف طرز سے اس مے کی جو تعریف لکھی — دفعتاً عقل نے کی ہفت قلم کی تقسیم
ہفت رنگ اس مے خوناب کی رنگت سے ہیں گرد — پُر عرق شرم سے ہے روئے گل باغ نعیم
نشہ میں اس کے جو رستم کرے شیرانہ غلو — ہفت خواں وادی ایمن ہو رہے کوئی نہ بیم
وہ مے صاف جلا بخش جو ہو دردا اس کا — رو کش مہر بنے آئینہ طبع سلیم
سب پہ روشن ہے مرے جام کا ادراک زاہد — مہر ہر شام کو جھکتا ہے برائے تعظیم
چشم عرفاں سے جو دیکھیں مرے ساغر کی ضیا — کیا عجب ہاتھ اُٹھالیں ید بیضائے کلیمؑ
اس مے ناب کی خوشبو سے اگر بس جائے — وصل گُلہائے چمن سے ہو خفا باد نسیم
جو ہر اس مے کا اگر اُڑ کے ہوا سے بنے ابر — حشر تک برسے زمانہ میں زلال تسنیم
نشہ میں اس کے جو ہو بلبل دل نغمہ سرا — سن کے طوطی کا ہو دل مشکل دل پسند ونیم
چشم بد دور یہ عزت ہے مرے ساغر کی — شیشے میخانہ میں جھکتے ہیں برائے تعظیم
پی لے اس مے کو جو معشوق تغافل طینت — ہے یقیں یاد اسے آجائے ہر اک عہد قدیم
سطح دریا پہ جو ہو عکس فگن یہ صہبا — لعل شب تاب صدف میں ہو ہر اک دُرِّ یتیم
اس طرح کی ہے گراں قدر یہ مے جس کے لیے — شاہ بھی رہن کریں عزت تخت و دیہیم
اس کے ہر جرعہ میں ہے وہ اثر عقل آموز — طفل ناداں کو بناتا ہے جو فرتوت و فہیم
عشق کی گرمی بازار ہے اس کے دم سے — حسن کو ہوتے ہیں لاکھوں ہی کرشمے تعلیم
نشہ سے اس کے ہے کافور بلائے شب ہجر — دل عشاق میں رہتی نہیں کچھ دہشت و بیم
پیشوا کفر کے بطلان کا مانا ہے اسے — مقتدا دیں کا اسے سب نے کیا ہے تسلیم
جانِ عشاق بچا لیتا ہے تنہائی میں — بزم خوبانِ جہاں کا ہے انیس اور ندیم
قدرتی اس کے سیہ مست نے پایا ہے یا درج — کہ گھٹا چرخ پہ اٹھتی ہے برائے تعظیم
باغ میں شیشہ جو اس پھول سی مے کا کھل جائے — ڈال دے جان تن مردۂ بلبل میں شمیم
اس نے وہ بے خود و سرمست بنایا ہے مجھے — ہوش رفتہ کی طرح دل سے اڑا خوف و جحیم!
رات دن شغل ہے آزادی و مدہوشی کا — مدتوں خنجر تقویٰ سے رہا قلب دو نیم
نہ حرم سے کوئی مطلب نہ غرض دیر سے کچھ — اس طرف جاتا ہوں لے جائے جہاں طبع سلیم
واسطہ شیخ سے مجھ کو نہ برہمن سے غرض — حیف اس عقل پہ دشمن کو بنادے جو ندیم
سر پہ دستار نہ ماتھے پہ نشان صندل — دور ہی سے مری اس دردِ سری کو تسلیم

شیوۂ زہد ریائی سے غرض کیوں ہو انہیں ۔۔۔ ہے نظر میری سوئے عفو خداوند کریم
فخر یہ ہے کہ ہوں ہمنام امام ہفتم ۔۔۔ نار و جنت کے جو ہیں حکم الٰہی سے قسیم
چارہ سازی پہ ہو آمادہ اگر لطف عمیم ۔۔۔ تو صدائے پر عنقا کو سنے گوشِ صمیم
مخزن جملہ فزوں آپ کا قلب روشن ۔۔۔ معدن جملہ علوم آئینہ طبع سلیم
آستانہ در حضرت کا اگر دیکھ لے اوج ۔۔۔ صورت چرخ پے بوسہ جھکے عرش عظیم
سخت طینت کو سبک رو سے جو دلوائیں سزا ۔۔۔ سنگ خارا میں چبھے نشتر موج نسیم
اک نظر آپ کو دیکھے تو ہو پھر سے زندہ ۔۔۔ پھر کے آنکھوں میں اگر آ گئی ہو روح سقیم
آپ کے مہر شفاعت کی یہ ادنیٰ ہے ضیا ۔۔۔ ورق نور بنا نامہ اعمال ذمیم
جنگ میں مائل رفعت ہو جو شمشیر غضب ۔۔۔ اوج گردوں پہ اسد صورت جوزا ہو دو نیم
باغ عالم کو اگر حکم ہو شادابی کا ! ۔۔۔ ہر طرف بند کرے راہ ہوا فرطِ شمیم
دیں سبک خیز کو کج رو پہ اگر فتح و ظفر ۔۔۔ موجہ بحر کو پامال کرے موج نسیم
اس کے عرفان و شرف پر ہو ملائک کو بھی فخر ۔۔۔ کر دیں انساں کو جو اسرار حقیقت تعلیم
پیروی اپنے بزرگوں کی سخاوت میں یہ کی ۔۔۔ جان تک نذر خدا کر دی زہے نفسِ کریم
آپ کے رتبہ عالم کو نہ کوئی سمجھا ۔۔۔ حق سمجھنے کا جو سمجھا تو خداوند علیم
ختم کر مدح کو محشر کہ ادب کا ہے مقام ۔۔۔ تو کہاں اور کہاں خسروِ تخت دو یتیم
ہاتھ اٹھا بہر دعا آنکھوں میں آنسو بھر کر ۔۔۔ آئیں آئیں یہ صدائیں وہ ہلا عرش عظیم
ہفت دوزخ کے شراروں میں لپک ہے جب تک ۔۔۔ پھولوں میں ہفت جناں کے رہے جب تک شمیم

اے خدا ان کے عدو کو ہو جہنم ہی نصیب
وقف احباب پہ ہو سیر گلستان نعیم!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل ۱۷/۷۰)

(بے شک ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری میں ان کے لیے سواریوں کو مہیا کیا اور پاک چیزوں کا ان کو رزق دیا اور اپنی اکثر مخلوق پر ان کو پوری پوری فضیلت دی۔) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اس کی یہ اشرفیت اور اولیت ہے کس وجہ سے آیا اس لیے کہ وہ بڑے بڑے عالی شان محلوں میں رہتا ہے لیکن یہ اس کی ذاتی فضیلت نہیں بلکہ مٹی پتھر اور لکڑی کی فضیلت ہے پھر کیا اس وجہ سے مکرم و محترم ہے کہ وہ اچھا لباس پہنتا ہے ہرگز نہیں اس کا بہتر بن لباس ریشم کا ہوتا ہے اگر ریشم کا کیڑا اکھڑا ہو کر کہے یہ لباس میں نے تجھے پہنایا ہے میرے منہ کا لعاب تیرے بدن کی زینت ہے پس یہ فخر میرے لیے ہے نہ کہ تیرے لیے تو انسان اس کو کیا جواب دیگا پھر کیا یہ فضیلت اس بنا پر ہے کہ انسان عمدہ غذائیں کھاتا ہے اس کی بہترین غذاؤں میں شہد بھی ہے پس اگر شہد کی مکھی مقابل ہو کر کہے تجھے اے انسان شرم نہیں آتی کہ میری قے کی ہوئی غذا کو کھا کر اتراتا پھرتا ہے تجھے شرم آنی چاہیے کہ خدا کی ایک ادنیٰ مخلوق کا تو اپنی غذا کے بارے میں رہین منت ہے فرمائیے انسان کیا جواب دے گا غرضیکہ اس قسم کی تمام چیزیں جن کی نسبت سے انسان اپنے سر فخر سے بلند کیا کرتا ہے اس کو دوسری جنسوں سے حاصل ہوتی ہیں ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اس کی ذات سے تعلق نہیں رکھتی پھر ان باتوں پر فخر کیا اور بزرگی کیسی۔

انسان آسمان سے زیادہ چوڑا چکلا نہیں ابر سے زیادہ فیض رساں نہیں ملائکہ سے زیادہ عبادت گزار نہیں پہاڑوں سے زیادہ اونچا نہیں چاند سورج سے زیادہ چمک دار نہیں سمندروں سے زیادہ گہرا نہیں اور دریاؤں سے زیادہ لمبا نہیں، درختوں سے زیادہ بھاری بھرکم اور نشو و نما پلنے والا نہیں ہاتھی سے زیادہ ڈیل ڈول والا نہیں، شیر سے زیادہ طاقتور نہیں، ہرن سے زیادہ دوڑنے والا نہیں پھر کس طرح اس کو ان تمام چیزوں پر فضیلت ہے۔

وہ اتنا ضعیف البیان اور محدود طاقت والا ہے کہ ایک مکھی کے ہٹانے پر اس کو قدرت نہیں بلکہ مکھی ہٹانا تو ایک طرف اس میں اتنی طاقت نہیں کہ اگر مکھی اس کے دستر خوان سے ریزہ لے کر اڑے تو وہ پکڑ لے مکھی سو بار اڑ کر اس کی ناک پر بیٹھتی ہے مگر وہ اس کے ہٹانے پر قادر نہیں ہوتا ایک ذلیل سا مچھر اس کا خاتمہ کرنے میں ایک حقیر سی ننھی چیونٹی اس کو بلبلا دینے میں کامیاب ہو جاتی ہے پھر غور کرو اس کی فضیلت کیا ہے کیا آیہ ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (سورہ البقرہ ۲/۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر شے انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ آسمان، زمین، چاند ستارے۔ ہوا۔ فضا برق و باد۔ پہاڑ و دریا، جمادات نباتات حیوانات وغیرہ سب اسی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ پس جب اس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

تو ان پر اس کا تصرف بھی ہونا چاہیے تب ہی تو اس کی فضیلت کا اظہار ہوگا لیکن یہ حق تصرف کس بناء پر حاصل ہوتا ہے محض عقل کی بدولت بے شک اس کو تمام مخلوقات الٰہی میں ذی عقل ہونے کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوا ہے لیکن تمام انسانوں میں یکساں یہ جوہر نہیں پایا جاتا۔ اسی دنیا میں ایسے بھی آدمی ہیں جن کو قرینہ سے منہ دھونا بھی نہیں آتا۔ ایک ماچس بھی رگڑنے کی اس میں لیاقت نہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل و فہم سے علوم و فنون کے موجد بن چکے ہیں لیکن یہ عقول بھی چونکہ بیشتر غلطیوں کا شکار ہو کر طرح طرح کے مہلکوں میں صاحب عقل کو مبتلا کر دیتے ہیں اور اکثر دوسروں کی گمراہی کا باعث بن جاتی ہیں لہٰذا اس کی مستحق نہیں ہو سکتیں کہ تمام عالم ان کے تحت تسخیر میں دے دیا جائے۔ ان کی عقول کا نقصان ان کے استحقاق کو کمزور بناتا ہے۔

عقل کی صحیح پہچان یہ ہے کہ وہ مخلوقات الٰہی کے اسرار معلوم کر کے خالق کی معرفت حاصل کرے ورنہ صرف مخلوقات میں محدود ہو کر رہ جانا اور مصنوع سے صانع کی طرف نہ جانا عقل انسانی کے انتہائی ضعف کی دلیل ہے جو شخص تصویر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کی باریکیوں پر نظر رکھ کر تصویر کی تعریف کرتا ہے اور اس کے صانع کے کمال کی داد نہیں دیتا اور اس کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتا وہ حقیقتاً ادھوری عقل کا مالک ہے اسی لیے احادیث میں عقل کی تعریف یہ کی گئی ہے ۔ مَا عُبِدَ بِهِ الرَّحْمٰنُ وَمَا اكْتُسِبَ بِهِ الْجِنَانُ (جس سے خدا کی عبادت کی جائے اور جس کے ذریعے سے جنت حاصل کی جائے) یعنی ایمان و عمل دونوں کو انسان صحیح بنائے مخلوق کے ذریعے سے پہلے تو معرفت خالق حاصل کرے اور پھر اس معرفت کی بناء پر وہ اعمال خیر بجا لائے جن سے جنت کے حاصل کرنے کا استحقاق اس کو پیدا ہو جائے چونکہ تمام اعمال خیر کی جڑ پرہیزگاری ہے یعنی افعال بد سے احتراز کرنا لہٰذا خداوند عالم نے اس تقویٰ کو بزرگی نوع انسانی کا سبب اولیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورہ الحجرات ۱۳/۴۹) (اے انسانوں تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اسی لیے قرآن کی ہدایت کا سب سے پہلا تعلق متقی لوگوں سے بیان کیا گیا ہے ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (سورہ البقرہ ۲/۳) (یہ کتاب جس میں شک نہیں مجسم ہدایت ہے ان متقی لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لانے والے ہیں) بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ لیکن یہ ان ہی لوگوں سے متعلق ہے جو صحیح معنی میں انسان ہیں ورنہ عام انسان کی تسخیر میں تو ایک ذرہ بھی نہیں آتا۔

مخلوقات ارضی چار جنسوں میں منقسم ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسان ان سب میں انسان کامل کو پوری پوری فضیلت دی گئی ہے اور یہ ماتحت جنسیں اس کی فضیلت کا اقرار کرتی ہیں اس کے حکم کو مانتی ہیں اس

کی باتوں کو سنتی ہیں۔ عام لوگوں کو وہ دھیان میں بھی نہیں لاتیں نہ ان کا کوئی حکم مانتی ہیں نہ ان کو صاحب فضیلت جانتی ہیں پتھر سب سے ادنیٰ خدا کی مخلوق ہے اور ہمارے نزدیک بے جان بھی ہے اور لا یعقل بھی لیکن بحیثیت مخلوق الٰہی ہونے کے ان پتھروں کا بھی بڑا مرتبہ ہے یہ بگڑتے بھی ہیں تو اسی بے عقل انسانوں کے خدا بنتے ہیں۔ بس انصاف سے فرمائیے جن کے سامنے انسان سر عبادت خم کرتا ہے اور اس کی فضیلت کا اقرار کرتا ہے وہ کیوں ایسے انسانوں کو منہ لگانے لگے اور ان کے احکام کی کوئی پابندی کرنے لگے جو لوگ جواہرات کو سر پر چڑھائیں تاج میں لگائیں ان کو اپنی فوقیت و برتری کی دلیل قرار دیں بھلا پھر ان کو کیوں کر افضل تسلیم کر لیں گے ہاں جو انسان کامل ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں جو صحیح معنوں میں عقل سلیم رکھتے ہیں یہ پتھر ان کی تعظیم پر مجبور ہے دیکھو موسیٰ پتھر پر عصا مارتے ہیں تو خدا کے ایک برگزیدہ نبی کی نبوت کا احترام مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اندر سے پانی نکال دیتے ہیں۔ جب حضرت آدم جنت سے چلتے ہیں تو وہ پتھر رونے لگتا ہے جس پر بیٹھ کر ذکر الٰہی کیا کرتے تھے خطاب رب العزت ہوتا ہے تو کیوں روتا ہے وہ عرض کرتا ہے اس لیے کہ مجھ پر بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے والا یہاں سے جا رہا ہے اب میں تیری تسبیح و تہلیل کس سے سنوں گا۔ خدا کو اس کی حق شناسی پسند آئی ہے اور اس کو بیت اللہ کی دیوار میں نصب کرانے کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ ہمیشہ ذکر الٰہی سنتا رہے یہی وہ پتھر ہے جو حجر اسود کہلاتا ہے اور اس کو بوسہ دینا ہر حاجی کا فرض ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خاموش پتھر بات کو نہیں سمجھ سکتے اور خدا اور رسولؐ کو نہیں پہچانتے اسی طرح جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ خانہ کعبہ کی بنیاد اتنی بلند کر چکے تو کسی اونچے مقام پر کھڑے ہو کر عمارت کو بلند کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے ایک پتھر اپنے قدموں کے نیچے رکھ لیا جو مقام ابراہیم کہلاتا ہے جب اس پر خلیل باری کے قدم رکھے گئے تو اس نے بارگاہ باری میں عرض کی اے پالنے والے مجھے عمر بھر پتھر بنائے رکھنا مگر اس وقت ذرا دیر کے لیے موم بنا دے تاکہ تیرے خلیل کے قدم کا نقش اپنے سینے پر لے لوں خدا نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اتنا نرم کر دیا کہ اس نے نقش قدم رسولؐ اپنے اوپر لے لیا خدا کو اس کی یہ نبوت شناسی بھلی معلوم ہوئی اور قرار دیا کہ اس کو حرم میں جگہ دی جائے اور حاجیوں کو حکم دیا جائے کہ جب مراسم حج کرنے کے لیے کعبہ میں آئیں تو دو رکعت نماز ضرور اس پتھر پر پڑھیں وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (سورہ البقرہ ۲/۱۲۵) مصلیٰ (مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھو) غور کیجئے جو مرتبہ خدا کو پہچاننے والے تھے خدا نے ان کی کیا قدر کی۔ اب ذرا اس پر غور کر لیجئے کہ نبی کے پیر جس کے شانوں پر تھے اس کو تو مصلیٰ بنایا اور خانہ کعبہ کے باہر جگہ دی لیکن ایسے شخص کو کہاں جگہ دینی چاہیے جس کے قدم کسی نبی کے شانوں پر مہر نبوت کو دباتے ہوئے ہوں۔ ضرور اس کو بیت اللہ کے اندر پیدا ہونا چاہیے اور ہمیشہ اس کو اس کی نسل کو خانہ کعبہ کا مالک ہونا چاہیے۔

ان پتھروں کو کوئی بے جان نہ جانئے، بے حس نہ جانئے یہ بولتے ہیں مگر ہر ایک سے نہیں بلکہ صاحب فضیلت انسان سے۔ ذرا سنگریزوں کو حضرت محمد مصطفیٰ کے ہاتھوں پر آنے دو دیکھیں تو کیسے نہیں بولتے کیسے کلمہ نہیں پڑھتے ہیں۔

جب جناب محمد حنفیہ اور امام زین العابدین علیہ السلام کے درمیان امامت کے بارے میں نزاع ہوا۔ یہ طے پایا کہ اس کا فیصلہ حجر اسود سے کرایا جائے جس کی امامت کی وہ گواہی دے اس کی امامت تسلیم کر لی جائے پہلے حضرت حنفیہ آگے بڑھے اور کہا اے حجر اسود بتا کہ امام برحق کون ہے میں یا میرا بھتیجا سید سجاد۔ حجر اسود سے کوئی جواب نہ ملا۔ لیکن امام زین العابدینؑ نے جب مخاطب کیا تو آواز آئی اَنْتَ الْاِمَامُ اَنْتَ الْاِمَامُ ہر مخلوق ان کی ولایت و صایت کا اقرار کرتی ہے۔

اب ذرا نباتات پر نظر ڈالیے۔ کسی درخت نے آج تک کسی سے مکالمہ نہیں کیا لیکن جب جناب موسیٰ جیسا انسان مخاطب ہوا تو وہ بولنے لگا۔ عصائے موسیٰ ایک لکڑی ہی تو تھی کسی اور کی تسخیر میں نہ آگئی یہ تو موسیٰ ہی کی خصوصیت تھی۔ حیوانوں کو دیکھ لیجئے۔ چیونٹی نے جناب سلیمان سے کلام کیا، ہدہد نے جناب سلیمان سے کلام کیا۔ اب زمین کو چھوڑئیے عالم بالا پر غور کیجئے۔ خدا فرماتا ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (سورہ الرعد ۲/۱۳) (ہم نے تمہارے لیے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا ہے) فرمائیے کتنے آدمی ہیں جن کی تسخیر میں آفتاب و ماہتاب ہیں کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے آفتاب کو یہ کہا ہو کہ جاڑے میں جلد نکل آیا کر اور گرمیوں میں جلد غروب ہو جایا کر اور اس نے منظور کر لیا ہو۔ اور آپ کی فضیلت کو تسلیم کر کے آپ کا حکم مان لیا ہو ہرگز نہیں نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا یہ دونوں تو ان ہی دونوں کی تسخیر میں ہیں جو نوع انسانی میں سب سے افضل و اکرم افراد ہیں جو معصوم ہیں جو خدا کے برگزیدہ بندے ہیں ان کے لیے ردشمس بھی ہو جاتا ہے یعنی ڈوبا ہوا آفتاب پھر پلٹ آتا ہے اور چاند جب انگلی کا اشارہ پاتا ہے تو دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ پس حقیقی افضلیت و بزرگی انہی لوگوں کے لیے ہے اور تمام انسانوں کو جو فضیلت ہے وہ ان کی فضیلت سے پست تر ہے۔

چونکہ محمد و آل محمد کیا از روئے عقل و فہم کیا از روئے زہد و تقویٰ کیا بلحاظ علم و فضل کیا بلحاظ عصمت و طہارت تمام نوع انسانی سے بالاتر تھے۔ لہذا تمام مخلوق عالم ان کی تسخیر میں تھے جس چیز کو وہ حکم دیتے وہ ضرور اس کی تعمیل کرتی۔ خداوند عالم نے تقویٰ کو وجہ فضیلت قرار دیا ہے۔ اس مخصوص صفت میں اہل بیت نبوت و رسالت کا مرتبہ سب سے افضل و برتر تھا مدت العمر ان حضرات سے کبھی کوئی ایسا امر سرزد نہ ہوا جو اخلاق انسانی سے گرا ہوا ہوتا آج چونکہ ولادت امام موسیٰ کاظم کی مجلس ولادت ہے لہذا ہم حضرت کے روشن کردار کو پیش کر کے سامعین کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ انسانی کمالات کس حد تک اس ذات مبارک میں پائے جاتے تھے

ہمارے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام جن کا لقب باب الحوائج ہے یعنی حاجتوں کے پورے کرنے والے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ہیں آپ کی والدہ گرامی کا نام حمیدہ خاتون تھا معظمہ بڑی نیک سیرت خاتون تھیں، علوم دین میں ایسی دستگاہ حاصل تھی کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء و فضلا آپ سے شرعی مسائل دریافت کیا کرتے تھے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام ۷ ماہ صفر ۱۲۸ھ کو بمقام ابوا پیدا ہوئے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت آمنہ اور حضرت رسولؐ خدا کا مزار مبارک ہے۔ اس زمانہ میں منصور خلیفہ عباسی کی حکومت تھی۔ منقول ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر فوراً سجدہ کیا حضرت رسولؐ خدا نے بھی وقت ولادت ایسا ہی کیا تھا۔ صفوان جمال کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر امام کے اوصاف پوچھے آپ نے منجملہ اور اوصاف کے ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا کہ امام کبھی لہو لعب اور بے فائدہ کلام نہیں کرتا جس سے وقت ضائع ہو اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جو بہت کم سن تھے ایک بکری کا بچہ لیے ہوئے تشریف لائے اور اس سے فرمانے لگے کھڑی کیا ہے جھک اور خدا کو سجدہ کر یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی گود میں اُٹھالیا اور پیار کر کے فرمایا بیشک امام کبھی لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتا۔

کس کی طاقت ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضائل نفسانی کو بیان کر سکے ہم تو تبرکاً مشتے نمونہ از خروارے چند واقعات بیان کرتے ہیں۔

صاحب روضتہ الصفا لکھتے ہیں کہ مدینہ کا ایک حاکم امام علیہ السلام کو بہت بُرا بھلا کہا کرتا تھا حضرت کے مخصوص اصحاب نے بارہا آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر حکم دیں تو ہم اس ملعون کو قتل کر ڈالیں لیکن حضرت نے ہر بار ان کو روکا اور فرمایا ہرگز ہرگز میری مرضی کے خلاف ایسا کام نہ کرنا۔

ایک روز حضرت کے جاں نثاروں نے عرض کی اب ہم سے حاکم مدینہ کی گستاخیاں اور دست درازیاں نہیں دیکھی جاتیں۔ خدا کے لیے آپ ہمیں ان سے بدلہ لینے کی اجازت دیجیے۔ حضرت نے فرمایا اچھا اس کا مکان کہاں ہے اور وہ اس وقت کہاں ملے گا لوگوں نے پتہ بتایا آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہاں پہنچ کر گھوڑے کو اس کے کھیت کے اندر ڈال دیا اور چاروں طرف دوڑانے لگے۔ وہ شخص وہیں موجود تھا ایک تو یوں ہی مخالف تھا اب جو کھیت کی پامالی دیکھی تو مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گیا بدزبانی شروع کر دی حضرت نے تحمل سے کام لیا اور برابر اپنا گھوڑا دوڑاتے رہے اس کے بعد آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اس کھیتی پر تمہارا کتنا خرچ ہوا ہے اس نے کہا دو سو دینار فرمایا اس سے کتنے نفع کی امید ہے کہا دو سو دینار آپ نے تین سو دینار اس کے حوالے کر کے فرمایا یہ رقم تو اسی وقت لے باقی پیداوار سے اُمید رکھ اس مرتبہ اس کھیت میں پہلے

سے کہیں زیادہ پیدا ہوگا جو پودے میرے گھوڑے کی ٹاپوں تلے آ گئے ہیں وہ اور درختوں سے زیادہ دانے پیدا کریں گے۔ حضرت کی بخشش کی یہ حالت دیکھ کر وہ شخص اٹھا اور اس نے دست مبارک کو بوسہ دے کر اپنی پہلی گستاخیوں کی معافی چاہی۔ کہنے لگا بے شک دنیا میں کسی کو اولاد انبیاء پر برتری نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد حضرت واپس آئے اور اس واقعہ کو بیان کر کے اپنے اصحاب سے پوچھا بتاؤ میرا یہ فعل اچھا تھا یا تم جو کرنا چاہتے تھے وہ اچھا ہوتا انہوں نے کہا حضور نے جو کیا وہی اچھا ہے حضرت نے اس کھیتی کو اس لیے پامال کیا تاکہ وہ جان لے کہ اہل بیت رسولؐ کے قدم کی برکت سے کھیتوں میں اُمید سے زیادہ غلہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جو کھیت حضرت نے پامال کیا تھا بہ نسبت اور کھیتوں کے اس میں کہیں زیادہ غلّہ پیدا ہوا یہ حال دیکھ کر اس حاکم کے دل میں حضرت کی وقعت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

حضرت بڑے سلیم الطبع اور بردبار تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب کاظم ہے یعنی غصہ کے پینے والے یعقوب بن داؤد کا بیان ہے کہ جب ہارون کے سپاہی آپ کو روضۂ رسول سے گرفتار کر کے کشاں کشاں لے چلے تو آپ نے ان ظالموں کے حق میں نہ تو ایک حرفِ شکایت کا کہا اور نہ کوئی کلمہ خلاف شان زبان سے نکالا بلکہ نہایت صبر سکون کے ساتھ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ صاحب صواعق محرقہ لکھتے ہیں کہ آپ کا لقب کاظم اس لیے مشہور ہوا کہ آپ بڑے ہی حلیم تھے اور لوگوں کے گناہوں کو بہت زیادہ معاف فرماتے تھے۔ صاحب فصل الخطاب لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بڑے صالح، سخی، حلیم، ذی قدر اور علم والے تھے۔

آپ کی بخشش کا یہ حال تھا کہ ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے سخی، فیاض اور پاکیزہ نفس تھے۔ آپ عام طور پر فقرائے مدینہ کے حال پر مہربانی فرماتے تھے اور ان کے گھروں پر درہم و دینار اور کھانے پینے کی چیزیں اس طرح پوشیدہ طور پر بھیجا کرتے تھے کہ ان کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔ جب تک حضرت مدینہ سے تشریف نہ لے گئے یہ راز ان پر ظاہر نہ ہوا۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ عراق بھر میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام خدا کی طرف سے حاجتوں کے پورا ہونے کا دروازہ مشہور تھے اور باب الحوائج کہلاتے تھے اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت اور سخاوت کرنے والے تھے۔

کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ کتاب فصل الخطاب میں ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آفتاب نکلنے کے وقت سجدہ خالق میں جاتے تھے اور سجدہ کو اتنا طول دیتے تھے کہ زوال کا وقت گزر جاتا تھا۔ کثرتِ عبادت سے آپ اس درجہ لاغر ہو گئے تھے کہ قید خانہ میں لوگ آپ کو پہچان نہ سکتے تھے مصلیٰ پر صرف ایک سفید کپڑا سا پڑا نظر آیا کرتا تھا

آپ کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر ہارون بادشاہ کو یہ کہنا پڑا تھا کہ آپ خاندان بنی ہاشم کے زاہدوں اور رہنماؤں میں سے ہیں۔

آپ کو شب و روز سوائے عبادت کرنے اور قرآن مجید پڑھنے کے دوسرا کام ہی نہ تھا۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ آپ قرآن مجید کو بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے خود بھی روتے جاتے تھے اور سننے والے بھی روتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت سے بہتر کوئی اور قرآن پڑھنے والا نہ تھا۔ اسی وجہ سے لوگ آپ کو زین المجتہدین کہتے تھے۔

اگرچہ بدنفس بادشاہوں نے آپ کے مراتب گھٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا لیکن خدا کی دی ہوئی عزت کو مٹا کون سکتا ہے۔ سخت سے سخت ایذائیں آپ کو اس غرض سے پہنچائی گئیں کہ لوگوں کی نظر میں آپ کی وقعت گھٹ جائے لیکن ایک تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون سے ملنے گئے جب محل کے دروازے پر پہنچے تو شاہی دربان آپ کو دیکھتے ہی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور فوراً آپ کو اندر جانے کی اجازت دے دی بقیع انصاری جو عبدالعزیز کے ساتھ دیر سے دربار ہارون میں داخل ہونے کے لیے دربان کی منت کر رہا تھا یہ حال دیکھ کر حسد سے جل گیا اور عبدالعزیز سے کہنے لگا ان میں ایسی کیا خصوصیت ہے کہ دربانوں نے فوراً اجازت دیدی ہے ذرا ان کو واپس آنے دو میں اپنی تقریر سے ایسا زچ کروں گا کہ یاد ہی کریں گے عبدالعزیز نے ہر چند منع کیا کہ اہل بیت رسول ہیں ان سے گستاخی کرنا روا نہیں ہر شخص پر ان کی عزت کرنا واجب ہے مگر وہ نہ مانا۔ جب حضرت ہارون کے پاس سے واپس ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہونا چاہا تو اس نے آپ کے گھوڑے کی باگ آکر پکڑ لی اور نہایت گستاخانہ لہجہ میں کہنے لگا آپ کون ہیں حضرت نے فرمایا میرے خاندان کے متعلق سوال ہے تو سن حضرت محمد مصطفیٰ حبیب خدا کا فرزند ہوں اگر میرے وطن کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو میں اس مقام کا رہنے والا ہوں جس کی زیارت کرنا خدا نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے تاکہ وہ اس کی بدولت سعادت اُخروی حاصل کریں اگر اس سوال سے تیرا مقصد میری اہانت ہے اور اپنی فوقیت ہے تو جان لے کہ ایک زمانہ میں ہمارے وطن کے مشرکین اس پر راضی نہیں ہوئے کہ مدینہ کے تازہ مسلمان ان کے مقابلے میں بھیجے جائیں۔ انہوں نے حضرت رسولِ خدا کے پاس کہلا بھیجا تھا کہ ہمارے مقابل ہمارے ہی قوم اور قبیلہ کے لوگوں کو بھیجو۔

حضرت نے اس کلام سے اس مرد انصاری کو واقعہ بدر کی یاد دلائی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بدر کے میدان میں عقبہ شیبہ اور ولید کفار کی طرف سے لڑنے کو نکلے تو لشکر اسلام کی طرف سے تین انصاری ان کے مقابلے کو بھیجے گئے مشرکوں نے ان کے نام پوچھے جب معلوم ہوا کہ یہ انصار سے ہیں تو انہوں نے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ ہم تو اپنا مقابل

اپنی ہی قوم کے لوگوں کو سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا اے شخص تو ہمارے متعلق کیا پوچھتا ہے۔ ہم اس خاندان کی یادگار ہیں جن پر حکم خدا تمام اہل ایمان دن میں کم سے کم پانچ بار درود بھیجتے ہیں تو بھی اگر ہمیشہ نہیں تو اپنی نماز پنجگانہ میں تو برابر کہا کرتا ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ یہ سن کر اس شخص کو سکتہ ہو گیا اور حضرت کے گھوڑے کی لگام چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا۔

علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے علم و فضل میں آپ کا مقابلہ تو درکنار کوئی حضرت سے مکالمہ کی قوت نہ رکھتا تھا ذیل میں ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلے گا۔

ایک بار خلیفہ ہارون رشید حج کرنے کے لیے مکہ آیا، طواف کے وقت اس نے حکم دیا کہ میرے ساتھ خانہ کعبہ میں کوئی طواف نہ کرے مگر جوں ہی اس نے طواف شروع کیا ایک جوان آکر طواف کرنے لگا سپاہی نے کہا کہ خلیفہ کے پاس سے ہٹ جاؤ اس نے کہا کیوں ہٹوں یہاں شہری اور دیہاتی سب برابر ہیں۔ یہ سن کر ہارون نے سپاہی کو منع کیا اور اپنے طواف میں مشغول ہو گیا وہ جوان اس کے آگے آگے تھا۔ جب ہارون نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا قصد کیا وہ جوان آگے بڑھ گیا اور اس سے پہلے حجر اسود کا بوسہ لے لیا اسی طرح جب ہارون نے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنی چاہی تو وہ جوان پھر آیا اور اس کے آگے کھڑے ہو کر پہلے نماز ادا کی۔ جب ہارون نماز سے فارغ ہوا تو اس نوجوان کو بلانے کے لیے ایک سپاہی کو بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کیا غرض کہ اس کے پاس جاؤں اگر اس کو ضرورت ہو تو میرے پاس چلا آئے۔ بادشاہی ملازم یہ سن کر واپس ہو گیا۔ اور جو سنا تھا ہارون سے بیان کر دیا۔ ہارون خود آیا اور کہنے لگا۔

ہارون: اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں۔

جوان: میرا مکان نہیں کہ مجھ سے اجازت خواہ ہو یہ اللہ کا گھر ہے جی چاہے بیٹھو جی چاہے کھڑے رہو جی چاہے چلے جاؤ۔

ہارون: (بیٹھ کر) اے جوان عرب تو بڑا جری ہے کہ بادشاہوں کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے۔

جوان: میں تیرا غلام نہیں تصور وار نہیں۔ خدا کے گھر میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔

ہارون: میں تم سے چند سوال کرتا ہوں اگر معقول جواب نہ دیا تو سخت سزا دوں گا۔

جوان: امتحاناً پوچھتے ہو یا استفادۃً

ہارون: استفادۃً

جوان : تو پھر اس طرح بیٹھو جیسے ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔
ہارون : اچھا بتاؤ واجب شرعی کتنی چیزیں ہیں۔
جوان : ایک، پانچ، سترہ، چونتیس، چورانوے، ایک سو ترپن، پھر بارہ میں ایک، چالیس میں ایک، دوسو میں پانچ، تمام عمر میں ایک اور ایک کے عوض ایک۔
ہارون : (ہنس کر) سبحان اللہ میں واجبات شرعی پوچھتا ہوں تم مجھے حساب گناتے ہو۔
جوان : دین اور دنیا کا دارومدار ہی حساب پر ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا بندوں کا حساب کیوں لیتا۔
ہارون : اچھا جو کچھ تم نے کہا ہے یا تو توضیح کردو۔ ورنہ میں تم کو صفا و مروہ کے درمیان قتل کرا دوں گا۔
(اس کے ایک نوکر نے کہا اے امیر یہ حرم خدا ہے یہاں اس نوجوان کا قتل کرنے کا قصد نہ فرمایئے۔ یہ سن کر جوان ہنس پڑا)
ہارون : ہنسے کیوں ؟
جوان : مجھے معلوم نہیں تم دونوں میں کون زیادہ بیوقوف ہے آیا وہ جو کسی کی آئی موت کو ٹالنا چاہتا ہے یا وہ جو کسی کی نہ آئی موت کو بلانا چاہتا ہے۔
ہارون : خیر ان باتوں سے کیا حاصل اب اپنے بیان کی توضیح کیجئے۔
جوان : میں نے جو کہا واجب ہے وہ دین اسلام ہے کیونکہ سوائے اس دین کے خدا کے نزدیک کوئی دین مقبول نہیں اور یہ جو میں نے کہا پانچ واجب ہیں وہ پانچ نمازیں ہیں اور سترہ سے مراد ان کی سترہ رکعتیں ہیں اور چونتیس واجبات سے مراد ہر رکعت میں دو سجدے ہیں اور چورانوے واجبات سے مراد چورانوے تکبیریں ہیں جو ہر رکعت میں رکوع و سجود کے ساتھ کہی جاتی ہیں اور ایک سو ترپن واجبات جو کہے ان سے مراد تسبیحات ہیں جو نماز پنج گانہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں اور چالیس میں سے ایک واجب سے مراد زکوٰۃ ہے کہ چالیس دینار پر ایک دیا جاتا ہے اور بارہ میں سے جو ایک واجب ہے وہ بارہ مہینے میں سے ایک ماہ کے روزے ہیں اور دوسو سے پانچ واجب جو کہے تو وہ خمس ہے کہ جب انسان کے پاس تمام مصارف سالانہ کے بعد دوسو درہم بچ رہیں تو ان میں سے پانچ درہم دینے واجب ہو جاتے ہیں اور سوائے پیغمبر کے دوسرا کوئی شخص ان کا مستحق نہیں ہو سکتا اور عمر بھر میں جو ایک فرض بنایا گیا ہے وہ حج ہے جو انسان پر تمام عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور ایک کے عوض جو ایک کہا وہ خون ناحق ہے کہ قاتل مقتول کے عوض واجب القتل ہو جاتا ہے۔
(یہ جواب سن کر ہارون حیران ہو گیا اور ایک تھیلی اشرفیوں کی جو اس کے پاس رکھی ہوئی تھی اٹھا کر کہا اے

جوان یہ رقم اس مسائل کی توضیح کے عوض تجھے دیتا ہوں۔)
جوان : مسئلہ بتانے کے عوض یا فائدہ حاصل کرنے کی وجہ سے۔
ہارون: فائدہ حاصل کرنے کے عوض۔
جوان : اچھا میں تم سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں اگر تم نے اس کا جواب دے دیا تب تو یہ اشرفیاں اسی مقام پر تقسیم کر دیجئو ورنہ ایک تھیلی اور دینی ہوگی جو میں اپنی قوم و قبیلہ کے مساکین و محتاجین پر تقسیم کروں گا۔
ہارون: بہت اچھا۔
جوان : بتاؤ جب خنشائے مشکل کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے دانہ بھراتا ہے یا دودھ پلاتا ہے ؟
ہارون: تعجب ہے مجھ سے ایسا سوال کیوں کیا گیا۔
جوان : حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے جو شخص کسی کا امیر ہوتا ہے اس کو انہی کی سی عقل دی جاتی ہے تم اس وقت اُمت مرحومہ کے امیر و سردار ہو اس لیے ان سب سے تم کو زیادہ عالم و واقف کار ہونا چاہیے
ہارون: مجھے تو اس کا جواب معلوم نہیں آپ ہی بتائیے اور یہ دوسری تھیلی بھی لیجئے۔
جوان : خداوند عالم نے جب زمین کو پیدا کیا تو اس میں بہت سے حشرات الارض پیدا کئے جن کی خلقت صرف مٹی سے ہوتی ہے جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس بچہ کی ماں نہ دودھ پلاتی ہے نہ دانا کھلاتی ہے بلکہ اس کی زندگی مٹی سے ہوتی ہے وہی حال خنشائے مشکل کا ہے۔
ہارون: خدا کی قسم میں نے یہ بات آج تک کسی سے نہ سنی تھی۔
اس کے بعد جوان نے دونوں تھیلیاں اُٹھالیں اور اسی مقام پر کھڑے کھڑے مستحقین کو تقسیم کر دیں ہارون کے ایک نوکر نے کسی سے اس جوان کا نام پوچھا۔ اس نے کہا یہ امام موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ جب ہارون کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کیوں نہ ہو ایسے عظیم الشان درخت کے ایسے ہی پتے ہوتے ہیں۔

ایک راہب کا مسلمان ہونا

ایک بار ایک نصرانی راہب حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس آیا اس کا دعویٰ تھا کہ وہ توریت کا بہت

بڑا عالم ہے۔ حضرت نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم یہ جانتے ہو کہ حضرت مریم کی والدہ کا کیا نام تھا اور حضرت عیسیٰ کس روز کس وقت اور کس جگہ پیدا ہوئے اس نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا میں بتاتا ہوں۔ مریم کی ماں کا نام یونانی زبان میں مرثا تھا، جو عربی زبان میں وہبیہ کا ہم معنی ہے۔ حضرت عیسیٰ کا حمل جمعہ کے روز وقت ظہر قائم ہوا تھا۔ اسی دن اسی وقت جبرئیل حضرت مریم پر نازل ہوئے تھے۔ حضرت رسولؐ خدا نے اس دن کو عید قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اس روز ایک مقام پر جمع ہو کر عبادت کریں اور جس دن حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے وہ سہ شنبہ تھا ساڑھے چار گھنٹے دن چڑھا تھا دریائے فرات کے کنارے ان کی ولادت واقع ہوئی تھی۔ خدا نے ان کی برکت سے اس کے پانی میں وہ تاثیر عطا فرمائی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ اسے خرمہ اور انگور کی کاشت کے لیے خاص طور پر مفید بتاتے ہیں۔ اس روز حضرت مریم نے کسی سے بات نہیں کی تھی۔ جب قیدوس بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حضرت مریم کے قبیلہ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ تم سب جا کر مریم سے اس کا حال پوچھو وہ لوگ مریم کے پاس آئے اور کہنے لگے جس کا ذکر ہمارے قرآن میں یوں ہے۔ اے مریم! تم نے یہ کیا عجیب کام کیا اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ بدکار تھا نہ تمہاری ماں بدچلن تھی۔

اے راہب کیا تم بتا سکتے ہو یہ کون سا دن تھا اس نے کہا انجیل میں تو روز تازہ لکھا ہوا ہے آپ نے فرمایا روز تازہ کوئی دن نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے لوگوں نے کتاب خدا میں تحریف کی ہے اس نے کہا میں آپ کے کلام کی صداقت جانچنے کے لیے یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری ماں کا نام کیا تھا فرمایا سریانی زبان میں عنقالیہ ہے جس کا عربی میں ترجمہ ملیہ ہے تیرے دادا کا نام عنقورا اور باپ کا نام عبدالمسیح تھا لیکن یہ نام غلط ہے اس کا نام عبداللہ ہونا کیونکہ مسیح کا کوئی بندہ نہیں ہو سکتا تیرے دادا کا نام جبریل تھا اس کا عبدالرحمٰن ہونا چاہیے تھا کیونکہ ملائکہ کے ساتھ نام میں مشارکت جائز نہیں اب تو اپنے دادا کے مارے جانے کا حال بھی سن لے۔ شام والوں نے اس کا محاصرہ کر کے مار ڈالا۔ راہب نے کہا یہ فرمایئے میرا نام کیا ہے عبدالصلیب ہے لیکن عبداللہ ہونا چاہیے راہب نے یہ سن کر اسلام قبول کیا۔

ایک روز ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہنے لگے میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ آپ کے فرزند موسیٰ بن جعفر اس طرح نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگ ان کی طرف سے گزر رہے تھے کیا یہ بات خضوع و خشوع میں فرق پیدا کرنے والی نہ تھی۔ فرمایا میں ان کو بلاتا ہوں تم خود ان سے پوچھ لینا چنانچہ آپ کو بلا کر پوچھا فرمایا جس کی نماز پڑھ رہا تھا وہ بہ نسبت ان لوگوں کے مجھ سے زیادہ قریب تھا خود فرماتا ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (سورہ ق ۱۶/۵۰) (ہم لوگ گردن سے زیادہ قریب ہیں) یہ سن کر ابو حنیفہ کا چہرہ فق ہو گیا ان کے خیال میں یہ ایسا سخت سوال تھا کہ اس کا جواب نہ

ہو سکتا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے فرزند کو چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا شاباش! اے محافظ دین الٰہی شاباش۔

ایک روز ہشام بن عبدالملک نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا نماز کے شروع میں سات تکبیریں کیوں رکھی گئی ہیں اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهِ۔ کیوں کہا جاتا ہے فرمایا جب حضرت رسولؐ خدا شب معراج آسمان پر تشریف لے گئے تو حضرت کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹنے شروع ہو گئے جب پہلا پردہ ہٹا تو آپ نے ایک تکبیر کہی۔ دوسرا ہٹا تو دوسری تکبیر، اسی طرح سات پردے ہٹے اور آپ نے سات تکبیریں کہیں اس کے بعد جب جلال الٰہی کو دیکھا تو کانپنے لگے اور رکوع میں جا کر کہا۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ جب رکوع کے بعد عظمت الٰہی کو پہلے سے بلند پایا تو کہا ۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهِ جب سات بار کہا تو آپ کے قلب کی تھرتھری کم ہوئی۔

غیب دانی

علی بن یقطین کہتے ہیں ایک بار ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان وضو کے بارے میں اختلاف ہوا میں امام موسیٰ کاظمؑ کو ایک خط لکھ کر وضو کی صحیح ترکیب دریافت کی حضرت نے جواب میں مجھے وہ طریقہ تحریر فرمایا جو اہل سنت میں رائج ہے اور یہ بھی لکھ دیا جب تک میں نہ لکھوں تم ہرگز اس کے خلاف نہ کرنا۔ مجھے اس پر تعجب ہوا لیکن پھر یہ خیال کر کے کہ امام نے جو کچھ کہا ہے مصلحت سے خالی نہیں ہے میں اس وقت سے اسی طرح وضو کرنے لگا چند روز بعد لوگوں نے ہارون کو میرے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا کہ وہ شیعہ ہے اور امام موسیٰ کاظمؑ کو اپنا امام جانتا ہے۔ ہارون کو اس امر کی تصدیق درکار ہوئی وہ ایک دن بھیس بدل کر میرے گھر کی دیوار کے نیچے نماز کے وقت آ کھڑا ہوا مجھے اس کی خبر نہ تھی جب نماز کا وقت آیا تو میں نے اسی طرح وضو کیا جس طرح امام نے لکھا تھا۔ ہارون مجھے سنیوں کی طرح وضو کرتے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا اور جلدی سے میرے پاس آ کر کہنے لگا کس قدر جھوٹے ہیں وہ لوگ جو تمہیں رافضی کہتے ہیں یہ کہہ کر وہ چلا گیا دوسرے روز امام کا خط میرے پاس پہنچا کہ اب وضو کا طریقہ بدل دو اور جس طرح پہلے کرتے تھے اسی طرح کرو اور خط میں شیعوں کے وضو کی پوری ترکیب لکھ دی ایک بار ہارون نے علی بن یقطین کو ایک خلعت دیا اس میں ایک ریشمی کرتا بھی تھا علی بن یقطین نے اس کو بطور

تحفہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے اس کو فوراً واپس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ اس کو اپنے پاس حفاظت سے رکھو کسی وقت کام آئے گا۔ چند روز علی بن یقطین کو اپنے نوکر پر غصہ آیا اور اس کو اپنے گھر سے نکال دیا اس نے ہارون سے جاکر کہا آپ علی بن یقطین کو انعام و اکرام دیتے ہیں۔ حالانکہ اس کو آپ سے کوئی عقیدت نہیں وہ پکا رافضی ہے ہر سال خمس موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیجا کرتا ہے چنانچہ اس سال بھی اس نے ایسا ہی کیا ہے اس میں وہ کرتا بھی شامل ہے جو آپ نے اسے عطا فرمایا تھا۔

یہ سن کر ہارون کو بہت غصہ آیا اس نے فوراً علی بن یقطین کو بلاکر کہا وہ کرتا لاؤ جو میں نے تم کو دیا تھا انہوں نے اپنے غلام سے منگوا کر ہارون کے سامنے رکھ دیا، اس کو دیکھتے ہی ہارون کا غصہ دور ہو گیا اور کہا تم خوشی سے گھر جاؤ آئندہ تمہارے متعلق چاہے کوئی بھی چغلی کھائے گا تو میں یقین نہ کروں گا۔ اب علی بن یقطین کو معلوم ہوا کہ امام نے اس کرتے کو کیوں واپس کیا تھا۔

احمد بن عمر خلال کہتے ہیں کہ اخوص مکہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہا کرتا تھا ایک دن میں نے ایک چاقو خریدا اور ارادہ کیا کہ آج وہ جب مسجد سے نکلے گا تو ضرور قتل کر دوں گا میں اس کی گھات میں بیٹھا اسی وقت ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط لاکر دیا۔ آپ نے اس میں لکھا اخوص کے متعلق جو ارادہ ہے اس سے باز رہ۔ میرا بھروسہ خدا پر ہے اور وہی میرے لیے کافی ہے۔

علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ ایک بار مکہ میں بجلی گرنے سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے، میں امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بغیر میرے کچھ کہے فرمایا۔ اے بن حمزہ جو لوگ ڈوب جائیں یا بجلی سے مرجائیں انہیں تین دن روکے رہنا چاہیئے۔ اگر ان کے منہ سے بو آنے لگے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ مر گئے میں نے کہا حضور تو اس طرح فرمار ہے ہیں گویا کچھ لوگ زندہ دفن ہو گئے ہیں فرمایا ہاں بہت سے ایسے لوگ دفن ہوئے ہیں جو قبر میں جاکر مرے ہیں۔

علی بن حمزہ سے مروی ہے کہ ایک روز امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھے ایک شخص کے پاس بھیجا جو ایک خوان میں کچھ سامان رکھے ہوئے ایک ایک پیسہ کو بیچ رہا تھا اور فرمایا کہ اس شخص کو یہ ۱۰ درہم دے آؤ اور میری طرف سے کہہ دو کہ ان سے نفع حاصل کرے یہ اس کی زندگی کے لیے کافی ہے میں نے وہ درہم اسے جاکر دیئے۔ وہ انہیں لے کر رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا اس نے کہا کیوں کر نہ روؤں جب کہ اپنی موت کی عنقریب خبر پا رہا ہوں میں نے کہا جو مرضی الٰہی اس پر صبر کرنا چاہیے وہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا آپ کا کیا نام ہے میں نے کہا علی بن حمزہ۔ اس نے کہا واللہ میرے امام نے ایک دن مجھ سے فرمایا تھا کہ جب میں علی بن حمزہ کی معرفت تیرے پاس پیغام بھیجوں تو سمجھ لینا تیری موت کا وقت قریب ہے۔

علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں تقریباً بیس روز کے بعد جواس کے پاس پہنچا تو اسے بیمار پایا۔ میں نے کہا تم چاہو تو مجھ سے کچھ وصیت کرو تاکہ میں اسے اپنے مال سے پورا کروں۔ اس نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لڑکی کی شادی کسی دیندار سے کر دینا اور میرا گھر فروخت کر کے اس کی قیمت امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دینا اور میری تجہیز و تکفین کا بندوبست کر دینا۔

چنانچہ جب وہ مر گیا تو میں نے خود اس کے غسل و کفن کا سامان کیا اور اس کی لڑکی کی شادی ایک بندہ مومن سے کر دی۔ اور اس کا گھر فروخت کر کے وہ رقم امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دی آپ نے وہ سب رقم اس کی لڑکی کو دے دی۔

مجلس ہیزدہم

در حال وفات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

تاریخ وفات ۲۵ رجب ۱۸۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِهِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِیْدِ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾

(سورہ آل عمران ۳/۳۳)

(بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا آدم اور نوح کو اور اولاد ابراہیمؑ اور اولاد عمران کو تمام عالموں پر) یہ اصطفا کچھ خصوصیات کی بنا پر ہے آدم کا اصطفا اس لیے کیا کہ اللہ نے ان کو بے ماں باپ کے پیدا کیا۔ نوح کا انتخاب اس لیے ہوا کہ سب سے پہلے وہ صاحب شریعت ہوئے جیسا کہ فرماتا ہے شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰۤی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ (سورۃ الشوریٰ ۴۲/۱۳) (یعنی شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوح۔ شریعت ابراہیم، شریعت موسیٰ شریعت عیسیٰ اور شریعت محمدی۔

آل ابراہیم کا اصطفا کتاب و حکمت دونوں کی تعلیم کے لیے ہوا۔ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (سورہ النساء ۴/۵۴) اب رہے آل عمران ان کے متعلق مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے کسی نے کہا مراد اس سے حضرت عیسیٰ ہیں

کسی نے کہا آل موسیٰ و ہارون ہیں۔ لیکن یہ سب تاویلات بعید ہیں جب آل ابراہیم میں یہ سب لوگ داخل ہیں تو ان کو علیحدہ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تاوقتیکہ کوئی ایسی خصوصیت نہ پائی جائے جو اس مخصوص اصطفا کا سبب ہو۔ علمائے شیعہ نے آل عمران سے مراد آل ابو طالب لی ہے کیونکہ حضرت ابو طالب کا نام عمران تھا۔ اگرچہ یہ بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں لیکن ان کا اصطفا اس خصوصیت کی بنا پر ہوا کہ دین الٰہی اور شریعت محمدیہ کی حفاظت تاقیام قیامت ان سے متعلق ہوگی خواہ ظاہر بظاہر یا غائب ہو کر۔

چونکہ یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کی مجلس ہے اس لیے خصوصیت سے آپ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمام آئمہ کو حفاظت دین برحق میں بے انتہا تکالیف کا سامنا ہوا ہے۔ یہ ان ہی کے صبر و ضبط تھے کہ ہزارہا مصائب و آلام ہیں وہ اپنے فرض کو نہ بھولے اور اپنی جان سے زیادہ اپنے دین کو عزیز رکھا۔ بادشاہان وقت ہر زمانہ میں ان کے مخالف رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا روحانی اقتدار لوگوں کے دلوں میں باقی رہے اور لوگ ان سے دین برحق کی صحیح تعلیم حاصل کریں کیونکہ اس صورت میں ان کے فسق و فجور کی قلعی کھلتی تھی، اور عوام کے عقائد کا ان کے خلاف ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ خلیفہ مہدی کو کچھ روز سلطنت کرنے کے بعد خیال یہ آیا کہ خاندان رسالت کی موجودگی میں ہمارے ثروت واقتدار کی کوئی قدر نہیں ہوسکتی ان کی روحانی وجاہت ہماری شاہی سطوت پر غالب آجائے گی۔ لہذا ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے چونکہ تمام سادات کے رئیس و سردار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے لہذا ان سب سے پہلے انہی کے درپے آزار ہوا ۱۶۴ھ میں جب وہ حج کرنے آیا تو اسی غلط فہمی کی بناء پر حضرت کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور قید کر دیا لیکن چند ہی روز بعد اس نے ایسی خوفناک و وحشت ناک خوابیں دیکھیں کہ اس پر خواب و خور حرام ہونے لگا۔ مجبوراً اپنے وزیر ربیع سے کہا تو قید خانہ سے امام موسیٰ کاظم کو نکال کر میرے پاس لے آ۔ جب حضرت قصر کے اندر داخل ہوئے تو وہ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا اور بغل گیر ہو کر اپنے پہلو میں جگہ دی پھر کہنے لگا میں نے رات آپ کے جدِ بزرگوار حضرت علی کو خواب میں آیہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (سورہ محمد ۲۲/۷ ہی) الخ کی تلاوت کرتے دیکھا اس لیے آپ کو رہا کرتا ہوں مگر آپ مجھ کو اس امر کا یقین دلادیں کہ مجھ پر یا میری اولاد پر خروج نہ کریں گے آپ نے فرمایا میں ایسا نہ کروں گا۔

صاحب روضۃ الصفا اسی واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں اور ابو خالد زمانی بیان کرتے ہیں کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی نے بغداد جانے پر مجبور کیا تھا تو میں حد درجہ ملول تھا حضرت نے فرمایا تم غمگین نہ ہو میں فلاں تاریخ واپس آجاؤں گا۔ جب ایک سال کی مدت گزر کر وہی تاریخ آئی تو میں شہر کے باہر جا کر حضرت

کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔

جب دن ختم ہوکر رات آئی تو میرے دل میں طرح طرح کے وسواس پیدا ہونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ حضرت اُونٹ پر تشریف لا رہے ہیں میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بے اختیار آپ کے استقبال کو بڑھا حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہارے دل میں میری طرف سے بہت بڑا شک پیدا ہونے والا تھا۔ میں نے کہا جی ہاں، تھا تو ایسا ہی مگر آپ کی تشریف آوری سے وہ تمام شکوک دُور ہوگئے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آپ کو ظالم کے پنجہ سے نجات دی۔

فرمایا ہر حالت میں بندہ پر خدا کا شکر لازم اور واجب ہے مگر میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اب کی بار تو اس کے پنجۂ ظلم سے رہائی مل گئی ہے مگر ایک دن وہ آنے والا ہے کہ میں دوسری بار قید ہوکر بغداد جاؤں تو پھر لوٹ کر مدینہ آنا نصیب نہ ہوگا۔

مہدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی اس کا جانشین ہوا اس کے دل میں بھی یہی شک پیدا ہوا کہ امام محمد کاظم علیہ السلام اس کے دشمنوں سے سازش کیے ہوئے ہیں چنانچہ اسی شبہ کی بنا پر اس نے حضرت کو بغداد بلا بھیجا۔

جب حضرت وہاں پہنچے تو اس نے آپ کے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن ایک رات اس نے بھی خواب میں امیرالمومنین علیہ السلام کو آیہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (سورہ محمد ۲۲/۴۷) الخ کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا اور اس خواب سے ایسا خائف ہوا کہ اسی روز حضرت کی رہائی کا حکم دے دیا۔ (صواعق محرقہ)

ہادی کے بعد رشید کی خلافت ہوئی اس کی پالیسی سادات کے بارے میں پہلے تمام بادشاہوں سے اور زیادہ سخت تھی۔ وہ دنیا میں ان کے وجود کو دیکھنا ہی نہ چاہتا تھا اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی گرفتاری کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ مہدی و ہادی نے تو ایک ایک سال ہی امام علیہ السلام کو زندان ستم میں مقید رکھا تھا اور خواب کی رو سے اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہوکر رہا کردیا تھا مگر اس نے تو یہ غضب کیا کہ حضرت کو عمر بھر قید ہی میں رکھا اور سخت سے سخت مزاج والے دربان مقرر کیے اور وہ تکلیفیں حضرت کو پہنچائیں کہ بیان سے باہر ہیں آخر اسی کے ظلم وستم سے وہ شمع امامت ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

۱۷۸ھ میں جب ہارون حج کے لیے مکہ میں آیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام وہیں تشریف فرما تھے اور سینکڑوں مسلمانوں کا آپ کے گرد ہجوم تھا۔ ہارون یہ حالت دیکھ کر حسد سے جل گیا وہ آپ کے پاس آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ہارون: سُنتا ہوں آپ لوگوں سے چھُپ کر بیعت لیا کرتے ہیں۔
امام: مجھے علانیہ بیعت لینے سے کیا چیز روکتی ہے، جو چھُپ کر لوں۔
ہارون: آپ کو بیعت لینے کا حق کہاں سے حاصل ہے۔
امام: تم ثابت کرو کہ میرا حق کس نے زائل کیا۔
ہارون: حق ثابت ہی نہیں تو زائل کرنا کیا۔
امام: اگر میرے لیے ثابت نہیں تو تیرے لیے بھی ثابت نہیں۔
ہارون: میں بادشاہِ وقت ہوں میرے لیے کیوں ثابت نہیں۔
امام: تو جسموں کا امام ہے اور میں قلوب کا امام ہوں۔
ہارون: تم کو مجھ پر کیا شرف حاصل ہے۔
امام: وہی جو روح کو بدن پر ہے۔
ہارون: رسولؐ کی قرابت کے لحاظ سے ہم تم دونوں مساوی ہیں۔
امام: ہرگز نہیں۔ جب ہم تم دونوں حضرت کے سامنے کھڑے ہوں گے تو تم کہو گے **اَلسَّلَامُ علیكَ یَاابْنَ عَمِّ** میں کہوں گا **اَلسَّلَامُ علیكَ یاجَدّی**

یہ جواب سن کر ہارون کے بدن میں آگ لگ گئی۔ اور سمجھا ضرور حضرت اس کی سلطنت کے دشمنوں میں ہیں، اور ضرور اپنی قوت بڑھا کر خروج کر بیٹھیں گے پس بدگمانی کی بنا پر وہ آپ کا جانی دشمن ہو گیا۔

اس نے ایک دن یحییٰ برمکی سے کہا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خفیہ حالات کسی شخص سے پوچھنے چاہئیں اس نے کہا محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام اس کام کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں وہ مال و دولت کے حریص ہیں کچھ لالچ دینے پر وہ تمام کچا چٹھا بیان کر دیں گے چنانچہ ان کو بلایا گیا۔ جب ان کے مدینہ سے باہر جانے کا حال امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا بغداد۔ فرمایا کیوں؟ کہا شاید وہاں بسر اوقات کی کوئی صورت نکل آئے اور میری تنگدستی دور ہو جائے اور قرض سے جان چھوٹ جائے۔

حضرت نے فرمایا تم وہاں نہ جاؤ اور اپنے اس ارادے سے باز رہو۔ تمہارا قرض بھی ادا کر دوں گا اور آیندہ تمہارے اخراجات کو بھی دیتا رہوں گا۔ مگر وہ کہاں ماننے والے تھے خلیفہ کا خط ان کے لیے صحیفۂ آسمانی بنا ہوا تھا کچھ دیر حضرت کے پاس بیٹھ کر چلنے لگے اور کہنے لگے کچھ اور فرمانا ہو تو فرمائیے۔ حضرت نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا دوسری بار پھر یہی کہا حضرت پھر خاموش رہے۔ تیسری بار پھر جب یہی کہا تو فرمایا صرف اتنا کہتا ہوں کہ کسی

لالچ میں آ کر میرے خون میں شریک نہ ہونا اور میرے بچوں کو یتیم نہ کرنا۔ محمد یہ سن کر کھسیانے سے ہو گئے جب چلنے لگے تو آپ نے ان کو تین سو اشرفی اور چار ہزار درہم عطا فرمائے وہ اس رقم کو لے کر ذرا بھی نہ شرماتے اور وہاں سے چلے گئے ان کے جانے کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا خدا کی قسم یہ میرے قتل کرانے میں بڑی سرگرمی سے کام کرے گا اور میرے بچوں کو یتیمی کا داغ دلوا کر رہے گا۔ لوگوں نے کہا پھر ایسے شقی کے ساتھ آپ نے اتنا بڑا سلوک کیوں فرمایا آپ نے فرمایا یہ ہمارے اخلاق کریمانہ اور صلہ رحم کے مخصوص مواقع ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی قرابت دار پر احسان کرے اور وہ اس کے بدلہ میں برائی کرے لیکن یہ شخص اپنے احسان کو اس صورت میں بھی قطع نہ کرے تو خداوند عالم اس احسان فراموش سے اپنا احسان قطع کر دیتا ہے اور اس کو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔

جب محمد بن اسمٰعیل بغداد پہنچے تو یحیٰی برمکی کے یہاں مہمان ہوئے اس سے امام موسیٰ کاظم کے خلاف ان کو خوب سکھایا پڑھایا۔ چنانچہ جب ہارون سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس نے مدینہ کے حالات پوچھے تو حضرت فرمانے لگے میں کیا دنیا میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ ہیں اور دونوں ایک وقت میں اپنی اپنی حکمرانی کا دعویٰ کریں۔ ہارون نے کہا یہ کیسے کہا ایسے ہی جیسے کہ تم بغداد میں اپنی حکومت کرتے ہو مدینہ میں امام موسیٰ کاظم اپنی امامت کا اعلان کرتے ہیں۔ اطراف عالم میں تمہاری طرح انہیں بھی خراج پہنچا کرتا ہے ان کے پاس بھی تمہارے برابر خزانہ جمع ہو گیا ہے اور اسی سرمایہ سے خفیہ طور پر جنگی سامان فراہم کر رہے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ ہارون غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے محمد کو دس ہزار دینار دے کر رخصت کر دیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے معاملات پر غور کرنے لگا یحیٰی برمکی کو موقع مل گیا اس نے حضرت کے خلاف ہارون کے خوب کان بھرے۔ اب ہارون نے حضرت کا نام و نشان مٹانے کا پورا تہیہ کر لیا۔ محمد وہ گراں قدر رقم لے کر یحیٰی کے مکان پر واپس آئے لیکن امام زمانہ کا ستانا انہیں راس نہ آیا اسی روز رات کو ایسا شدید درد ہوا کہ تڑپ تڑپ کر مر گئے اور روپوں کی تھیلی سرہانے دھری کی دھری رہ گئی اور امام کی پیش گوئی ان کے حق میں پوری ہو گئی۔

ہارون کے خیالات تو حضرت کی طرف سے خراب ہو ہی چکے تھے وہاں ایسا کون تھا کہ حضرت کی طرف سے صفائی پیش کر کے یہ سر دپا وسوسے اس کے دل سے مٹاتا جو تھا حضرت کے خلاف بھڑکانے والا ہی تھا آخر کار ہارون نے چند سپاہی حضرت کی گرفتاری کے لیے مدینہ بھیجے جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو حضرت روضۂ رسولؐ میں تشریف فرما تھے اور قبر مبارک کے پاس مشغول عبادت تھے ان ظالموں نے ختم نماز کا بھی انتظار نہ کیا

اور اسی حالت میں گرفتار کر کے کشاں کشاں ہارون کے پاس لے چلے حضرت نے قبر مبارک سے مخاطب ہو کر عرض کی، اے جدِ بزرگوار آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی بدکردار اُمت سے آپ کے اہلِ بیت پر کیا کیا ظلم و ستم ہو رہے ہیں۔ حضرت کی یہ درد ناک فریاد سن کر حاضرین مسجد رونے لگے مگر حاکم وقت کے خوف سے کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ جب حضرت کو ہارون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے سخت و سست کلمات حضرت کی شان میں کہنے شروع کیے حضرت نے اس کی گستاخانہ تقریر کا کوئی جواب نہ دیا اور صبر کرتے رہے یہ واقعہ ۱۷۹ھ کا ہے اس کے بعد اس نے آپ کو اپنی فوج کے ساتھ بصرہ بھیج دیا۔ آپ کے مدینہ سے جاتے ہی آپ کی دولت کدہ میں کہرام بپا ہو گیا۔ حضرت کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور کمسن بچے قید ہونے کی خبر پا کر اس بیتابی سے روتے اور جگر خراش نالے کرتے کہ سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

الغرض جب حضرت بصرہ پہنچے تو عیسیٰ بن جعفر حاکم بصرہ عید قربان کے جشن منا رہا تھا۔ ہارون کا خط ملا تو اس کی ہدایت کے مطابق حضرت کو ایک تیرہ و تاریک حجرے میں بند کر دیا گیا اس قید خانہ کا دروازہ صرف دو وقت کھولا جاتا تھا ایک مرتبہ صبح سویرے کہ آپ باہر نکل کر وضو کر لیں دوسرے دوپہر کو دو روٹیاں اور کٹورا پانی دینے کے لیے باقی چوبیس گھنٹے کے لیے بند۔ اللہ اکبر ایک سال کامل آپ اس کال کوٹھری میں بند رہے سوائے عبادت خدا آپ کو کام ہی کیا تھا۔ اس مدت میں کئی بار ہارون نے عیسیٰ کو بتاکید لکھا کہ موسیٰ بن جعفر کو زہر دے کر شہید کر ڈال مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا بلکہ جس قدر آپ کا زمانہ اسیری بڑھتا گیا عیسیٰ کو آپ کی نیک مزاجی عبادت گزاری صبر و رضا اور بے گناہی کی تصدیق ہوتی گئی اور اس نے ہارون کے تاکیدی احکام کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

عیسیٰ نے ایک بار اپنے غلام کو قید خانہ کے دروازہ پر اس غرض سے بٹھایا کہ وہ صبح سے شام تک حضرت کے روزانہ مشاغل اور آپ کی رفتار و کردار کو خوب غور سے دیکھتا رہے چنانچہ اس غلام نے کئی روز متواتر حضرت کے حالات جانچنے کے بعد عیسیٰ کے سامنے اس طرح بیان کیا کہ اے امیر میں نے ان کو سوائے عبادت الٰہی اور تلاوت قرآن مجید اور کسی کام میں مشغول نہ پایا۔ وہ قرآن کو اس خوش الحانی سے پڑھتے ہیں کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی میں ایک حبشی غلام ہوں، اور سنگدل ہوں لیکن ان کی قرآن خوانی سے میرے دل پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ میں بے اختیار رونے لگتا تھا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق بارہا اپنے کانوں کو حجرے کے دروازے پر لگایا لیکن ایک حرف بھی کسی کی مخالفت میں یا بددعا نہیں سنی۔ اوّل تو آپ کو عبادت سے فرصت ہی نہ ہوتی تھی اور اگر کسی وقت فراغت ہو گئی تو خدا سے مناجات کرنے لگے اس پر شکر کرتے تھے کہ خدایا تو نے ایسی تنہائی کی جگہ عبادت کے لیے عطا فرمائی جہاں دنیا کے مکروہات سے علیحدہ رہ کر تیری یاد کرتا ہوں: یہی میری مراد تھی جو حاصل ہو گئی۔

جب اس غلام نے یہ رپورٹ دی تو عیسیٰ اور اس کے ہم نشینوں پر ایسا اثر پڑا کہ بے اختیار رونے لگے اسی وقت سے عیسیٰ کے دل میں آپ کا وقار پیدا ہوا دوسرے روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر پچھلی فروگذاشتوں کی معافی مانگنے لگا۔

عیسیٰ نے ہارون کو ایک خط میں لکھا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو میرے پاس قید خانہ میں ایک برس گزر گیا اور مجھے ان کے قتل پر جرأت نہ ہو سکی۔ میں نے جہاں تک ان کے حالات معلوم کیے سوائے عبادتِ خدا اور کوئی شغل نہ پایا۔ نہ وہ کسی کو برا کہتے ہیں نہ کسی کے حق میں دعائے بد کرتے ہیں امیر کو بتاکید لکھتا ہوں کہ آپ اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج دیں تاکہ اس کے ساتھ میں امام علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیج دوں اور خود بری الذمہ ہو جاؤں اگر آپ نے آدمی بھیجنے میں دیر کی تو میں انتظار نہ کروں گا اور آپ کو اپنی قید سے رہا کر دوں گا۔

اگرچہ عیسیٰ نے امام علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر ہارون پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ بجائے رحم کرنے کے اس کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی فوراً حضرت کو بغداد بلا کر فضل بن ربیع کی سپردگی میں دے دیا اور اس میں بھی ایک چال تھی۔ فضل عام لوگوں میں شیعہ مشہور تھا اور حقیقت میں وہ تھا بھی ایسا ہی لیکن اس نے اپنی شیعت کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ہارون کو مدت سے اس کا مذہب معلوم کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی یہ موقع اسے اچھا ہاتھ آیا۔ اور امام علیہ السلام کو اس کی حراست میں اس لیے دینا تجویز کیا گیا کہ اول تو اسے قبول نہیں کرے گا اور اگر خوف سے قبول کر بھی لیا تو حضرت پر کوئی سختی کرنا روا نہ رکھے گا اس طرح اس کی شیعت ثابت ہو جائے گی اور پھر اس کا قتل کرنا لازم ہو جائے گا۔ عبداللہ فزدینی کہتا ہے میں اسی زمانہ میں ایک روز فضل بن ربیع کی محل سرا کی طرف سے نکلا وہ اپنے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر بلا لیا اور ایک روشن دان کی طرف جو مکان کے نیچے کے حصے میں ہوا اور روشنی جانے کے لیے لگا دیا گیا تھا اشارہ کیا اور کہا اس میں جھانک کر دیکھو۔ سرداب میں کیا نظر آتا ہے میں نے بڑے غور سے دیکھا لیکن سفید کپڑے کے سوا کچھ نظر نہ آیا فضل نے کہا یہاں ایک چادر سی نظر آتی ہے اور کچھ نہیں اس نے کہا اے بے خبر تم سفید چادر سمجھ رہے ہو یہ تمہارے آقا امام موسیٰ کاظم ہیں جو سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے حضرت کو اپنی حراست میں دیئے جانے کا سارا واقعہ سنایا یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے اور ایک عجیب قسم کا جوش میرے دل میں پیدا ہوا مگر حاکم وقت کے فیصلے پر لب نہ ہلا سکا فضل سے اتنا ضرور کہا سبحان اللہ! تم اور امام علیہ السلام کی حراست اس نے آبدیدہ ہو کر کہا ہارون حضرت کو میری سپردگی میں دے کر میرا امتحان کر رہا ہے اور اس کا پورا ارادہ ہے کہ ذرا شبہ پائے تو میرا خاتمہ کر دے بھائی میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں ادھر خوف جان ہے ادھر پاس ایمان واللہ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ امام علیہ السلام سے کیا قصور سرزد ہوا ہے کہ ہارون نے ان کے متعلق ایسی سخت

سزا تجویز کی ہے۔ میں نے شب و روز حضرت کو اسی حالت میں پایا جس حالت میں تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ حضرت کا روزانہ معمول یہ ہے کہ نماز سے ہی تو آفتاب کے طلوع ہونے تک وظائف میں مشغول رہتے بعد زوال سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں اور ظہر کی نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں میں سجدہ طول دیکھ کر سمجھتا تھا ایسی حالت میں آپ سو جاتے ہیں اور گھڑی دو گھڑی آرام کر لیتے ہیں مگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا کیونکہ آپ سجدہ سے سر اٹھاتے ہی بلا تجدید وضو آپ نماز پڑھنے لگتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ سجدہ میں کبھی سوتے نہیں بلکہ برابر ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں جب ظہرین کے فرائض و نوافل سے فراغت ہو جاتی ہے تو پھر سجدہ میں جاتے ہیں اور غروب آفتاب تک اسی حالت میں رہتے ہیں شام ہوتے ہی نماز مغرب کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اتنی دیر تک تسبیحات پڑھتے رہتے ہیں کہ عشا کا وقت آجاتا ہے۔ عشاء کے بعد پھر تسبیحات پڑھنے لگتے ہیں جب ان سب چیزوں سے فراغت ہو جاتی ہے تو افطار صوم فرماتے ہیں اور تھوڑا سا کھانا کھا کر کچھ دیر سجدہ میں جاتے ہیں پھر ذرا دیر کو سو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بیدار ہو کر وضو کرتے ہیں اور نماز شب میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک نماز صبح کا وقت آجاتا ہے اور پھر دوسرے روز کے معمولات شروع ہو جاتے ہیں دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور رات کو وقت معینہ پر دو چار لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے۔ اے عبداللہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت جب سے میری سپردگی میں آئے ہیں آج تک میں نے مذکورہ بالا معمول کے خلاف ذرا نہیں پایا۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ میں امام علیہ السلام کے یہ حالات سن کر زار زار رونے لگا اور فضل سے کہنے لگا کہ بھائی ذرا اس کا خیال رہے کہ امام علیہ السلام کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے فضل نے کہا بھائی تم مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔ کیا میرے دل میں حضرت کی محبت نہیں۔ ہارون نے کئی بار میرے پاس زہر بھیجا کہ حضرت کو کھانے میں ملا کر دے دوں۔ مگر میں نے صاف لفظوں میں جواب دے دیا اگر تو مجھے مار ڈالنے کا ارادہ کرے گا تب بھی میں ایسا نہ کروں گا۔

الغرض جب ہارون نے دیکھا کہ اس کی غرض فضل بن ربیع کے ہاتھوں پوری نہیں ہوئی تو اس نے حضرت کو یحیٰ برمکی کے حوالے کیا۔ یحیٰ نے آپ کو اپنے گھر میں تو نہ رکھا بلکہ ایک ہمسایہ کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں قید کر کے اپنے ایک سنگدل غلام کو نگہبانی پر مقرر کیا۔ آپ نے جس طرح عیسیٰ و فضل کی حراست میں صبر و سکون سے اپنی زندگی بسر کی تھی یہاں بھی بسر کرتے رہے تا اینکہ حضرت یہاں پورے ایک سال نظر بند رہے یعنی ۱۸۰ھ تک۔

فضل بن ربیع کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام یحیٰ کی حراست میں تھے تو ایک روز ہارون نے مجھے بلایا۔ وہاں پہنچا تو ہارون کو غصہ میں بھرا ہوا پایا تلوار اس کے ہاتھ میں تھی آستینوں کو کہنیوں تک

چڑھاتے ہوئے تھا اور چہرہ مارے غصہ کے لال ہو رہا تھا میں اس کی یہ حالت دیکھ کر کانپ گیا اور اپنے دل میں کہا الٰہی خیر کیجیو جونہی ہارون کی نظر مجھ پر پڑی ڈانٹ کر کہنے لگا او ربیع کے بیٹے اگر تو اس وقت موسیٰ بن جعفر کو حاضر نہ کرے گا تو تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ میں نے کہا بہتر ہے میں ابھی لایا میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر جو قلق میرے دل پر تھا میں ہی اسے جانتا ہوں مگر کیا کرتا مجبوراً حضرت کو لینے کے لیے چلا قید خانہ کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ یحییٰ کا مقرر کردہ حبشی غلام دروازے پر بیٹھا ہے میں نے اندر جانے کی اجازت چاہی اس نے کہا شوق سے چلے جاؤ میرے آقا کے لیے نہ کسی دربان کی ضرورت ہے نہ پاسبان کی نہ ان کے پاس ملکی معاملات آتے ہیں نہ مالی جھگڑے پیش ہوتے ہیں آپ کو دن رات تلاوت قرآن کے سوا اور کوئی کام نہیں یہ کہہ کر وہ رونے لگا میں اسے اسی حالت میں چھوڑ کر حجرے کے اندر گیا دیکھا آپ قبلہ رو بیٹھے ہیں اور ایک شخص مقراض سے اس بڑھے ہوئے گھٹے کو کاٹ رہا ہے جو سجدوں کی کثرت سے پیشانی اقدس پر پیدا ہو گیا تھا میں نے اندر جاتے ہی کہا یا ابن رسول اللہ السلام علیک آپ نے جواب سلام دے کر فرمایا تمہارے اس وقت آنے کا کیا سبب ہے میں نے عرض کی آپ کو ہارون نے بلایا ہے۔ فرمایا ہارون کو مجھ سے کیا کام ہے جو رات کے وقت بلا رہا ہے کیا اس کی دولت و حشمت نے ابھی تک میری طرف سے اسے غافل نہیں کیا۔ بخدا اگر حضرت رسول خدا نے ظالم بادشاہوں کی اطاعت کو جائز قرار نہ دیا ہوتا تو میں اس وقت تمہارے ساتھ کبھی نہ جاتا۔ میں نے عرض کی کہ میں حضور کو پہلے سے اطلاع دیئے دیتا ہوں کہ اس وقت بادشاہ کا مزاج آپ کی طرف سے بہت برہم ہے۔ فرمایا ہونے دو۔ بادشاہ حقیقی میرے ساتھ ہے مجھ کو اس کے غضب کی کیا پروا میرا خالق مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ پھر حضرت نے ایک دعا پڑھی اور میرے ساتھ روانہ ہو گئے جب ہارون کے تخت کے پاس پہنچے تو دیکھا بجائے غیظ و غضب کے آثار خجالت اس کے چہرے سے نمایاں ہیں جیسے آگے بڑھ کر کہا موسیٰ بن جعفر حاضر ہیں آپ کو دیکھتے ہی اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور ایک عجیب سی بے چینی کے ساتھ مجھ سے پوچھنے لگا کہ میرے غصہ کا اور آمادہ قتل ہونے کی اطلاع تو آپ کو نہیں دی میں نے مصلحت وقت پر نظر رکھ کر کہہ دیا جی نہیں۔ جب اس طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے حضرت کو اپنے قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ آپ کے گلے میں ڈال کر ملائے اور تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی اور مزاج پرسی کے بعد کہنے لگا۔ آپ میری ملاقات کو کیوں نہیں آتے حضرت نے فرمایا کہ سلطنت اور دنیا کی محبت یہ دو چیزیں میرے لیے تمہاری محبت سے مانع ہیں۔ ہارون نے شرم سے سر جھکا لیا اور پھر شیشہ عطر منگا کر آپ کی ریش مبارک کو معطر کیا اور اس کے بعد رخصت کر دیا۔

فضل کہتے ہیں امام علیہ السلام کو آپ کے مقام پر پہنچا کر ہارون کے پاس واپس آیا اور اس سے کہا آپ کا غصہ یکایک فرد ہونے اور ایسی نرمی اختیار کرنے کا کیا سبب ہوا۔ اس نے کہا کیا بتاؤں ایک عجیب واقعہ پیش

آیا تمہارے بھیجنے کے بعد ہی میرے تمام دیوان میں ہلچل پڑ گئی مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے محل کا گوشہ گوشہ آدمیوں سے بھرا ہوا ہے اگرچہ میں نے ان کو دیکھا نہیں لیکن ان خوفناک آوازوں نے مجھے ایسا خائف کر دیا کہ میرے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی اور میں لرزتا ہوا جہاں کھڑا تھا وہیں پر کھڑا رہ گیا۔ یہاں تک کہ تم لوگ آ گئے۔

جس زمانہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام یحییٰ برمکی کی سپردگی میں تھے۔ اس کا بیٹا فضل حضرت کے روحانی کمالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ اکثر اوقات آپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا آپ نے سمجھایا کہ تمہارا پاس رہنا تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا مگر وہ نہ مانا۔ اس نے حضرت کے کھانے کا انتظام بھی اپنے ہی ذمہ لے لیا تھا۔ اس عقیدت کی خبر آہستہ آہستہ ہارون کو بھی پہنچی اس وقت وہ بغداد میں نہیں تھا اس نے اپنے غلام مسرور نامی کو بغداد بھیجا اور کہہ دیا کہ بے اجازت یحییٰ کے محل میں گھس جانا اگر موسیٰ بن جعفر کو وہاں آرام و آسائش میں دیکھنا تو ان کو فوراً وہاں سے علیحدہ کر کے عباس بن محمد یا شاہک سندی کی سپردگی میں دے دینا میں ان دونوں کے نام خط لکھے دیتا ہوں۔

مسرور بغداد پہنچا اور بے کھٹکے یحییٰ کے گھر میں جا گھسا وہاں امام علیہ السلام کو خوشحال پایا تو اُلٹے پاؤں واپس ہوا اور عباس بن محمد کے پاس جا کر ہارون کا خط دیا۔ عباس نے خط پڑھ کر فوراً ابن یحییٰ کو بلا بھیجا جب وہ آیا تو عباس نے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کر شکنجہ میں کھینچ دو اور سو کوڑے اس کو مارو حکم کی دیر تھی خادموں نے فوراً تعمیل کی وہ بیچارہ اس اچانک عذاب میں ایسا بدحواس ہوا کہ عباس سے اپنی سزا کا سبب بھی نہ پوچھ سکا۔ اس کے بعد یحییٰ نے موقع پا کر بیٹے کی طرف سے ہارون کی کدورت دُور کر دی۔ اس کے بعد ہارون نے امام علیہ السلام کو سندی بن شاہک کے سپرد کیا یہ شقی بڑا ظالم و جابر و سنگدل تھا۔ اس نے حضرت کو شاہی قید خانہ میں قید کر دیا۔ اور پوری نگرانی کرنے لگا۔ ہارون کو حضرت سے کچھ ایسی عداوت تھی کہ وہ خود آپ کے حالات کی جستجو میں رہا کرتا تھا اکثر لباس بدل کر قید خانے کی دیوار کے سوراخوں سے جھانکا کرتا تھا۔ اور آپ کی باتوں پر کان لگائے رہتا تھا لیکن خاموشی کے علاوہ حضرت سے کوئی بات نہ سنتا تھا۔ ایک روز اسے قید خانہ کے اندر ایک سفید کپڑا نظر آیا سندی سے پوچھا یہ کیا چیز ہے اس نے کہا یہی تو موسیٰ بن جعفر ہیں جو اس وقت سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم موسیٰ بن جعفر بنی ہاشم کے رہبان اور زاہدوں میں سے ہیں فضل بن ربیع نے کہا جب آپ ان کی منزلت جانتے ہیں تو پھر کیوں درپے آزار ہیں اس نے کہا مصلحت یہی ہے کہ میں ان کو آزاد نہ ہونے دوں۔

ایک روز ہارون نے حضرت کو بلا کر ادھر اُدھر کی باتیں کیں پھر کہنے لگا۔

ہارون: میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کس حق سے اپنے کو رسولؐ خدا کا فرزند بتلاتے ہیں حالانکہ آپ تو حضرت علیؑ کی اولاد ہیں۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے سلسلہ نسب کو باپ سے ملائے نہ کہ ماں سے۔

امام: میں تم سے دریافت کرتا ہوں اگر بالفرض حضرت رسولؐ خدا زندہ ہو جائیں اور تمہاری لڑکی کی خواستگاری کریں تو تم قبول کروگے یا نہیں؟

ہارون: سبحان اللہ! میں اسے کیوں نہ قبول کروں گا، یہ امر تو ہمارے لیے تمام عرب و عجم پر فخر کا باعث ہوگا۔

امام: اس لیے کہ میں حضرت کا فرزند ہوں اسے منظور نہ کروں گا۔

ہارون: آپ اپنے کو حضرت کا فرزند کہتے کیسے ہیں جب کہ حضرت نے اولادِ ذکور چھوڑی ہی نہیں آپ حضرات تو ان کی صاحبزادی کی اولاد ہیں اس لیے آپ کو صلبی فرزند نہیں کہا جا سکتا۔

امام: (مصلحت وقت پر نظر رکھ کر) مجھے اس سوال کے جواب سے معاف رکھو۔

ہارون: ہرگز نہیں آپ کو اس سوال کا جواب دینا ہوگا اور ثبوت قرآن سے لوں گا۔

امام: اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سنو۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ (سورہ الانعام ۸۴/۶) (ہم نے ابراہیم کی ذریت میں قرار دیا داؤد اور سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون کو اور ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ اور الیاس کو بھی انہی کی ذریت میں قرار دیا یہ سب حضرات صالحین میں داخل ہیں) بتاؤ حضرت عیسیٰ کے باپ ہی نہ تھے تو وہ اولادِ ابراہیم میں کیسے شمار ہوئے اگر ضرورت ہو تو کچھ اور بیان کروں۔

ہارون: فرمائیے آیہ مباہلہ میں ابناءنا سے مراد سوائے حسنین علیہما السلام دوسرا تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ رسولؐ کے ساتھ مباہلہ کو وہی نکلے تھے پس بتاؤ اگر ابنائے رسول حسنین نہ تھے تو اور کون تھا اور جب خدا نے ان کو ابنائے رسول کہہ دیا تو پھر کسی کو اعتراض کا کیا موقع ہے۔

یہ سنتے ہی ہارون کا چہرہ فق ہو گیا اور دیر تک حیرت سے آپ کا چہرہ تکتا رہا۔ پھر کہنے لگا اچھا جو آپ کی دلی تمنا ہو بیان کیجئے تاکہ میں اسے پورا کروں حضرت نے فرمایا اس کے سوا میری کوئی خواہش نہیں کہ مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی جائے ہارون نے اس وقت تو دفع الوقتی کے طور پر وعدہ کر لیا لیکن اس کو پورا نہ کیا کیوں کہ وہ آپ کو رہا کرنا چاہتا ہی نہ تھا۔

ایک بار ہارون نے ایک نہایت حسین و جمیل کنیز کو جو انتہائی فتنہ دہر تھی حکم دیا کہ خوب آراستہ ہو کر قید خانہ میں جا اور جس طرح ممکن ہو حضرت کو اپنی طرف مائل کر چنانچہ وہ گئی دیکھا حضرت عبادت میں مشغول ہیں اس

نے طرح طرح سے اپنے ناز و انداز دکھانے شروع کیے مگر حضرت نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب عبادت سے فارغ ہوئے تو اس نے پوچھا تجھے کس نے بھیجا ہے اس نے کہا کہ خلیفہ وقت نے آپ کی خدمت کے لیے حکم دیا ہے فرمایا مجھے تیری ضرورت نہیں جس حال میں ہوں خوش ہوں یہ فرما کر آپ پھر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ کنیز بدستور وہاں موجود رہی اور آپ کی عبادت و گریہ و زاری درگاہ الٰہی میں مناجات دیکھتی رہی آخر حضرت کے روحانی وقار نے اس پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ بھی خوف خدا سے کانپ کر سجدہ میں گر پڑی ہارون چند مخصوص لوگوں کو لے کر قید خانہ میں آیا وہ خوف خدا سے سجدہ میں پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں ہارون کے حواس جاتے رہے اور اس کے ہمراہیوں کا یہ حال ہوا کہ وہ بے اختیار رونے لگے

ہارون اس کنیز کو لیے ہوئے محل میں پہنچا اور حالات پوچھنے لگا اس نے کہا اسے ایران کی خدا پرستی اور پاکیزہ نفسی کو دیکھ کر میرے اوپر ایسا اثر پڑا کہ میں سجدہ میں گر پڑی اور اسی حالت میں بے ہوش ہو گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک خوشنما باغ کے اندر ہوں جہاں بہت سی خوش جمال تسبیح خدا کر رہی ہیں انہوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا خلیفہ بغداد کی کنیز ہوں مجھے انہوں نے امام موسیٰ کاظم کی خدمت پر مامور کیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا تو ان کی خدمت کے قابل نہیں ہم سب ان کی خدمت کے لیے خدا کی طرف سے مامور ہیں یہ دیکھ کر میری بیہوشی جاتی رہی یہ مجھے خوب یاد ہے کہ وہ سب خواتین امام موسیٰ کاظم کو عبد صالح کے لقب سے یاد کرتی تھیں ہارون کے دل پر اس واقعہ کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے اس کنیز کو قید کرا دیا جہاں وہ بقیہ عمر عبادت خدا کرتی رہی امام علیہ السلام کے صدقہ میں اس کنیز کی عاقبت بخیر ہو گئی۔

سندی ابن شاہک جس کی حراست میں امام علیہ السلام تھے بڑا سنگدل اور بے رحم تھا مگر امام علیہ السلام کے تقدس کا اس پر بھی اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ بھی حضرت کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے لگا۔ ہارون کو جب یہ پتہ چلا تو اس کو حضرت کے قتل کی اور زیادہ فکر ہو گئی۔ ایک روز اس نے سندی کو بلا کر حکم دیا کہ موسیٰ بن جعفر کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دے۔

مسیب کا بیان ہے کہ ایک دن جو میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا اے مسیب میری زندگی کے دن تمام ہو چکے ہیں آج سے تیسرے دن تم مجھے اس دنیا میں نہ پاؤ گے جب میں تم سے پانی مانگوں اور اسے پی کر میرا شکم زہر کے اثر سے نفخ کر جائے اور میرے اعضاء پر ورم آ جائے چہرے کا رنگ زرد ہو کر سُرخ ہو جائے اور اسی طرح رنگ برابر بدلتا رہے تو اس وقت میری موت کا یقین کر لینا لیکن اس وقت مجھ سے بات کرنے کی خواہش نہ کرنا اور نہ کسی کو میرے حال کی خبر دینا اس گفتگو کے بعد سندی بن شاہک کچھ انگور لے کر آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا خلیفہ وقت نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اپنے

سامنے کھلا کر آنا یہ کہہ کر وہ انگور آپ کے سامنے رکھ دیئے حضور نے انہیں دیکھ کر تین مرتبہ کہا رَضِیْنَا بِقَضَا
ئِہٖ وَ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ ۔ اس کے بعد آپ نے چند دانے تناول فرمائے سندی کے پیچھے پیچھے ہارون کا کتا
بھی چلا آیا تھا حضرت نے اس کے سامنے ایک دانہ انگور کا رکھ دیا اس کے کھانے ہی کتا زمین پر لوٹنے لگا
اور چند منٹ بعد مر گیا سندی ملعون وہاں سے بھاگا اور سارا ماجرا ہارون سے بیان کیا وہ اس خبر کو سن کر اس
خیال سے بغداد چھوڑ کر رقہ چلا گیا کہ کل کو حضرت کی شہادت کا سبب کوئی اس کو قرار نہ دے۔ مسیب کا بیان
ہے زہر کھانے کے بعد زہر کے اثر سے حضرت کو زور کا بخار آیا میں نے سندی کو جاکر خبر دی وہ بہت سے
علماء و فضلا کو بلا کر قید خانہ میں لایا اور ان سے کہنے لگا کہ بہت سے جاہل اور بدخواہ لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا
ہے کہ ہارون موسیٰ بن جعفر کو سخت سے سخت تکلیف دیتا ہے آپ بغور ان کے جسم کو دیکھ لیں کہیں تلوار نیزہ
خنجر وغیرہ کا کوئی زخم تو نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے حضرت کے بعض اعضاء بھی ان لوگوں کو دکھائیے۔ امام علیہ السلام
نے جب اس ملعون کی یہ باتیں سنیں تو ان لوگوں سے فرمانے لگے۔ تم سب کو میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج دوسرا
دن ہے کہ سندی نے مجھے زہر کھلایا ہے۔ بظاہر مجھے تپ ہے اور دیکھنے میں صحیح و سلامت نظر آتا ہوں لیکن
زہر میرے پورے بدن پر پورا اثر کر چکا ہے کل میرا تمام بدن سبز ہو جائے گا۔ اور پرسوں میں اس دنیا سے
رخصت ہو جاؤں گا۔ سندی یہ سن کر گھبرا گیا ان لوگوں کو بہت جلد وہاں سے نکال کر حضرت کے پاس آیا اور ہاتھ
جوڑ کر کہنے لگا کہ اگر یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا تو مجھے اجازت دی جائے کہ آپ کی تجہیز و تکفین
کا جملہ سامان میں اپنے خرچ و اہتمام سے مہیا کروں۔ حضرت نے فرمایا میں ہرگز اس پر راضی نہیں میرا غلام جو
مدینہ سے ہمراہ آیا ہے اسے یہاں بھیج دے تاکہ وہ میرے جملہ کام انجام دے تجھے معلوم نہیں کہ ہم اہل بیت کی تجہیز و
تکفین غیر کے مال سے نہیں ہوتی۔ میرا کفن میرے ساتھ ہے۔ سندی یہ سن کر رخصت ہو گیا۔

مسیب کا بیان ہے کہ میں زہر دیئے جانے کے وقت سے لے کر حضرت کی رحلت کے وقت تک برابر آپ کی
خدمت میں حاضر رہا اور حضرت کی حالت میں جو تغیرات ہوتے رہے ان سب کو دیکھتا رہا جیسا حضرت نے فرمایا
تھا اس کی حرف بحرف تصدیق ہوتی رہی جب تیسرا دن ہوا تو حضرت نے مجھ سے پانی مانگا میں نے حاضر کیا اس
کے پیتے ہی حضرت کے جسم پر ورم آگیا اب مجھ کو حضرت کی وفات کا یقین ہو گیا۔ حجرہ کے باہر نکل کر زار زار رونے لگا
تھوڑی دیر کے بعد حجرہ کے اندر گیا دیکھا ایک خوبصورت جوان آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت کے
لب ہائے مبارک ان کے کانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ دیر تک علیحدہ کھڑا رہا اسی اثنا میں حضرت کا غلام تجہیز و تکفین
کا سامان لے کر حاضر ہوا ابھی وہ جوان آپ کے سرہانے موجود تھے کہ آپ کی روح مبارک جنت کو پرواز کر گئی۔ یہ دیکھ
کر وہ جوان زار زار رونے لگے اور رَضِیْنَا بِقَضَائِہٖ وَ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ کہتے ہوئے اٹھے۔ حجرہ کا دروازہ

بند کیا اور حضرت کے غسل و کفن میں مصروف ہو گئے جنازہ تیار ہوا اسی نوجوان نے نماز پڑھائی میں شروع سے آخر تک ان کی خدمات میں شریک رہا جب سب کاموں سے فراغت ہو گئی تو یکایک وہ نوجوان میری نظروں سے غائب ہو گئے میں نے اس غلام سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون تھے اس نے کہا تم نہیں جانتے یہ آپ کے صاحبزادے امام علی رضا علیہ السلام تھے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ امام کے جملہ آخری خدمات امام ہی انجام دیتا ہے میں نے کہا وہ تو مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہیں اتنے جلد یہاں کیسے آ گئے اس نے کہا یہ اسرار الہیہ ہے ان کو سمجھنا عقل انسانی سے باہر ہے۔

مسیب کہتے ہیں میں وہاں سے سندی کے پاس گیا اور اس کو جنازہ تیار ہونے کی اطلاع دی اس نے جنازہ وہاں سے اٹھوایا اور منادی کو حکم دیا کہ اس جنازے کے ساتھ یہ ندا کرتا جائے کہ جس کو خبیث بن خبیث کو دیکھنا (معاذ اللہ) منظور ہو وہ اس میت کو دیکھ لے اسی اثنا میں سلیمان بن ہادی جو ہارون کا چچیرا بھائی تھا لاش مقدس کو دیکھ کر اپنے ملازموں سے پوچھنے لگا یہ جنازہ کس کا ہے انہوں نے کہا امام موسیٰ کاظم کا جنہوں نے قید خانہ میں انتقال فرمایا ہے۔ خلیفہ کا حکم ہے کہ جنازہ بغداد کے پل پر رکھ دیا جائے اور کوئی شخص نماز جنازہ میں شریک نہ ہو یہ سن کر سلیمان کو سخت صدمہ ہوا اور سر و پا برہنہ اپنے مقام سے چلا اور جنازہ کے پاس آ کر اس نے منادی کو ڈانٹا کہ یہ کیا بیہودہ اعلان کرتا جاتا ہے میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ بجائے ان لفظوں کے یہ کہو جس شخص کو طیب بن طیب اور طاہر بن طاہر کو دیکھنے کی خواہش ہو وہ اس لاش مطہر کی طرف دیکھے پھر سلیمان نے آپ کے جنازے کی مشایعت کا خاص طور پر اہتمام کیا بغداد کے تمام عوام و خواص جمع ہوئے اور سلیمان کے ساتھ حضرت پر نوحہ و ماتم کرنے میں مصروف ہوئے پھر سلیمان نے نہایت خلوص کے ساتھ حضرت کو دو ہزار کفن اس قیمتی چادر کا دیا جس پر پورا قرآن لکھا ہوا تھا اور جس کی قیمت ڈھائی ہزار دینار تھی غرض بڑے اعزاز سے حضرت کا جنازہ اپنے کندھے پر لے کر مقابر قریش میں آیا اور اس مقام پر دفن کیا جہاں اب روضۂ مبارک ہے افسوس صد افسوس ہمارے اس مظلوم امام نے اپنی عمر کے چودہ برس یا بروایتے آٹھ برس قید خانہ میں گزارے اور آخر عمر میں وہ تکلیفیں اٹھائیں کہ ان کے تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

مولا پہ انتہائے اسیری گزر گئی — زندان میں جوانی و پیری گزر گئی

لکھا ہے کہ جب آقائے مظلوم کا جنازہ قید خانہ سے چلا اور محبان علی کو خبر ہوئی تو بغداد کے گلی کوچوں سے بیشمار زن و مرد روتے پیٹتے نکل پڑے وَا اِمَامَاہ وَا سَیِّدَاہ کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ہائے عالم غربت کی موت بھی کیا سخت موت ہوتی ہے اگر حضرت کا انتقال مدینہ میں ہوتا زنان اہل بیت کے نوحہ و فغاں سے کہرام بپا ہو جاتا سب خاندان والے جنازے میں شریک ہوتے مدینہ کے زن و مرد جنازے کے ساتھ چلتے آہ جب یہ خبر مدینہ

پہنچی ہو گی تو اس وقت سیدانیوں کا کیا حال ہوا ہو گا آہ اس خاندان میں کبھی اپنی موت کوئی بزرگ دنیا سے نہ اٹھا یا تلوار سے شہید ہوا یا زہر سے ایسی موت کا خاندان والوں کو جو صدمہ ہوتا ہے وہ ظاہر ہے کہ کلیجہ خون ہو جاتا ہے بے کسی و بے بسی مچھلی کی طرح تڑپاتی ہے۔

نوحہ

ماتم ہے آج موسیٰ کاظم امام کا
دل غم سے بیٹھا جاتا ہے ہر خاص و عام کا

مارا ہے زہر دے کے امام غریب کو
زنداں سے نکلا ہائے جنازہ امام کا

دس سال قید خانہ میں سلطانِ دیں رہے
ہر سانس ایک موت تھی جینا تھا نام کا

ہے ہے وہ موت شاہ غریب الوطن کی موت
کنبہ تھا دور سید عالی مقام کا

مظلوم کا جنازہ تھا دشمن کے دوش پر
تابوت پل پہ رکھا گیا تھا امام کا

بغداد کاش ہوتا مدینہ کی سرزمین
تربت پہ نوحہ ہوتا ہر اک خاص و عام کا

سیدانیاں نہ رو سکیں مولا کی لاش پر
ہے ہے ترس تارہ گیا کنبہ امام کا

بیکس غریب کشتہ درد و غم و محن
محبوس ظلم نام ہے میرے امام کا

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

کہتا تھا باب جواہر کیوں نہ ہوں پا بٹن پا
مال و زر کی شاہ کے نزدیک کچھ وقعت نہ تھی

ابن موسیٰ کو زمیں سے لے کے سونا دیدیا
نام کا حاتم سخی تھا اس میں یہ قدرت نہ تھی

خرمے احمد نے دیئے جتنے وہ بخشے آپ نے
تھے عدد میں اتنے ہی قلت نہ تھی کثرت نہ تھی

ابر پر ابر آیا جب بحمد کرم نے کی دعا
کیا زبان پاک مفتاح در رحمت نہ تھی

دوست دشمن سب تھے راضی آپ سے گو فرق تھا
یہ تھا باطل سے نفور اور اس کو کچھ نفرت نہ تھی

کیوں نہ غش سلطان کو آتا کھا لیا دشمن کو جب
شیر قالین تھا مجسم شیر کی صورت نہ تھی

دیکھنے والے کتاب اللہ کو دیکھا ہی کئے
کیا سمجھ میں آتا قرآں ساتھ جب عترت نہ تھی

مومنوں کو مل گئی جنت علی کے عشق میں
ورنہ جیسی چاہیئے تھی حق کی اک طاعت نہ تھی

میں نے نفس اللہ کہا اللہ نصیری نے کہا
ہو اسے حیرت تو ہو مجھ کو کوئی حیرت نہ تھی

مطمئن نفس نبی تھا چین سے سو یا کیا
امتحان عشق تھا گویا شب ہجرت نہ تھی

کیوں نہ قلب اللہ کہتا میں علی کو بالیقیں
کیا میرے دل میں ضیائے فاضل طینت نہ تھی

اے فرشتوں کیوں نہ جل جاتے گنہ ساجد کے سب
روز اول سے علی سے کیا اسے الفت نہ تھی

قصیدہ دیگر

از مولوی سید احمد حسین صاحب موسوی سابق پروفیسر جوبلی کالج لکھنؤ

کہاں دل میں لہو اتنا کہ ہو تر نوک مژگاں کی
ہو چشم خونفشاں کیا میہمانی تازہ مہماں کی

وہ آتش مشعل ہے دل میں لوہا جس سے پانی ہو
نہیں اب خیریت ہے ناوک دلدوز جاناں کی

یہ طرفہ دار تھا خط تک نہ آیا تیغ کیوں پھینکی
خطا یہ دست نازک کی تھی یا شمشیر براں کی

کماں ابرو قدر انداز طرفہ تر ہے عالم میں
کھٹک پیدا ہوئی دل میں جگر میں تیر مژگاں کی

رواں ہے کب سے خنجر خلق پر سینہ پہ ہے زانو
یہی اے نازکی تھی آرزو قلب پر ارماں کی

گرفتار بلا ہو ہی گیا دل کنج عزلت میں
قیامت کی ہے گہرائی کمند زلف پیچاں کی

قدم رکھتے ہی صحرا میں دگرگوں ہو گئی حالت
جنوں خیز دل وارفتہ وسعت ہے بیاباں کی

جسے یہ دھن ہو دامن قطع ہوں کوہ و بیاباں کی
اسے وارفتگی میں کیا خبر جیب و گریباں کی

رفیق راہ اب خود رفتگی اور کس پرسی ہے
کسی کو کیا خبر بے خانماں و خانہ ویراں ہے
سموم گرم کا طوفان وہ ریگ گرم تفتیدہ
وہ چھالے پاؤں کے سر تیزیاں خار مغیلاں کی
گر غش کھا کے ہوش آیا تو کس مشکل سے خود اٹھا
خبر ہے کون اس تنہائی میں افتان و خیزاں کی
ابھی تھا راہ پیما قطرہ زن خود رفتہ صحرا میں
مشام جاں میں خوشبو آئی گویا باغ رضواں کی
کہاں بخت رسا نے راہ پر خود رفتہ اب آیا
ہیں کوسوں دور اس سے رحمتیں خسران وجداں کی
ندا اک غیب سے آئی یہی ہے طوس کی سرحد
مبارک ہو زیارت روضۂ شاہ خراساں کی

مطلع

علی نام اور کنیت بوالحسن ہے شاہ ذیشاں کی
لیا نام اور مشکل جد مولا نے آساں کی
ثنا کیا ہو غبار روضۂ شاہ خراساں کی
اسی سے ہے جلا آئینہ کو اسلام و ایماں کی
ہے قدر و قیمت اکسیر گرد اس گرد کے آگے
ضیا قلب سیہ میں اس سے خورشید تاباں کی
فلک پر شمسہ ایواں کا ہے یہ عکس روز و شب
یہ اصلیت ہے ماہ روشن و مہر درخشاں کی
جہاں آقا وہیں خادم یہی روضہ یہی جنت
نہیں حاجت ہمیں گلگشت و سیر باغ رضواں کی
مقام شکر ہے ہادی ہشتم کی ولادت ہے
یہ حجت آٹھویں ظاہر ہوئی ہے رب سبحاں کی
خدارا ساقی کم سن شراب ہشت سالہ دے
معطر کی ہوئی ہو سالخوردہ پیر دہقاں کی
رفیق حب عترت اور صہبائے مودت دے
دلا کا کیف ہو اور سرخوشی ہو جوش ایماں کی
مے خم غدیری آج ساقی چھلک کے پلوا دے
کہ برپا محفل میلاد ہے شاہ خراساں کی
یہی ہے جانشین صاحب قوسین او ادنیٰ
وہی ہے منزلت ان کی جو ہے فخر رسولاں کی
یہی تو نسل انسانی میں اشرف اور افضل ہیں
انہی سے ہے ملائک پر فضیلت نوع انساں کی
یہی وہ نور ہے جو باعث تکوین عالم ہے
طفیل ان کے بقا ہے ہفت چرخ و چار ارکاں کی
گدا ہوں بے نوا بے مانگی ہے مہر خاموشی
کروں مدح و ثنا کیا دین اور دنیا کے سلطاں کی
ہوئی محشر میں کیا فرد عمل اب یاد کس کو ہے
پریشانی مگر زائل ہوئی قلب پریشاں کی

نہ جانے دفتر غفران در رحمت میں ہوئی داخل
جلی یا آتش حب علی سے فرد عصیاں کی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىۡ كِتَابِهِ الۡمَجِيۡدِ وَفُرۡقَانِهِ الۡحَمِيۡدِ

وَرَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ؕ (سورہ القصص ۲۸/۶۸)

(اے رسولؐ تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جو نیک ہیں ان کا امتحان کر لیتا ہے) یعنی خلاق عالم اپنی بے شمار مخلوق میں سے اپنی ہدایت کا کام سرانجام دینے کے لیے صرف انہی لوگوں کو انتخاب کرتا ہے جو نیک ہوتے ہیں کیونکہ بد اپنی بدی کے باعث قابل انتخاب ہوتے ہی نہیں۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے اس نے یہ اختیار کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اپنے بندوں کو نہیں دیا عام لوگوں کا کیا ذکر اس نے یہ رعایت اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء کے لیے بھی ملحوظ نہیں رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک کوئی نبی و رسولؐ اپنا جانشین خود منتخب نہیں کر سکا۔ ہاں اپنا خیال ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ جناب موسیٰ نے جناب ہارون کے متعلق اپنی درخواست بارگاہِ ایزدی میں پیش کی تھی۔ وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ ۝ هٰرُوۡنَ اَخِى (سورہ طہٰ ۲۰/۲۹،۳۰)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خدا کے انتخاب میں صرف وہی نیک لوگ آتے ہیں جن سے گناہوں کا صدور نہ ہو ورنہ گناہ گاروں کو انتخاب کرنے میں اس کے عدل پر حرف آتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کو شکایت کا موقع ملتا ہے۔ جن سے صدورِ گناہ نہ ہونا ہو ظاہر ہے گناہ گار گناہ کر کے یا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یا اپنے غیر پر پس ظالم سے اس کی ہدایت کا انجام پا نہیں سکتا اسی لیے تو ظالم انتخاب الٰہی میں آ نہیں سکتا جب جناب ابراہیم کو خدا نے امام بنایا تو فرمایا۔ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) میں تم کو امام بنانے والا ہوں) جناب ابراہیم نے عرض کی قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) (اور میری اولاد میں سے بھی امام بنائے گا۔) جواب ملا۔ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے)

خداوند عالم نے یہ انتخاب اپنے ہاتھ میں اس لیے رکھا ہے کہ نفس انسانی کی حالت کو نہ عالم لوگ سمجھ سکتے ہیں نہ خاص آئندہ کا پورا پورا علم تو صرف ذات عالم الغیب ہی کو ہے انبیاء کو بھی غیب کا علم اتنا ہی ہوتا ہے جتنا خدا ان کو بتا دیتا ہے ہادی کے لیے معصوم ہونا سب سے ضروری ہے امر ہے اور عصمت ایک ایسی مخفی چیز ہے کہ اس کا علم سوائے ذات باری کے دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ کسی کی ظاہری حالت سے اس کی باطنی حالت کا پتہ

چلانا بہت دشوار ہے۔ جب موسیٰ توریت لینے کے لیے طور پر جانے لگے تو بنی اسرائیل نے ہٹ ماری کہ ہم بھی چلیں گے جب ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں تو اس کا کلام اسی طرح ہم بھی کیوں نہ سنیں جس طرح آپ سنا کرتے ہیں حضرت موسیٰ نے ان کو بہت سمجھایا بجھایا کہ تمہارے وہاں جانے کی ضرورت نہیں مگر وہ کب ماننے والے تھے اپنی ہٹ پر بدستور ڈٹے رہے آخر حضرت موسیٰ نے کہا کہ تم سب تو نہیں جا سکتے اپنے میں سے کچھ لوگوں کو انتخاب کرلو وہ میرے ساتھ چلیں انہوں نے کہا آپ ہی انتخاب کرلیں آپ نے ستر ہزار میں سے ستر آدمی انتخاب کئے اور اپنے ساتھ لے کر چلے جب یہ لوگ طور پر پہنچے تو دیرینہ جہالت پھر عود کر آئی۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (سورہ البقرہ ۵۵/۲) (ہم تو آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہم کو ظاہر بظاہر نہ دکھا دیں) دیکھا آپ نے جناب موسیٰ نبی تھے۔ مگر ان کا انتخاب کامیاب نہ ہوا اور جن کو وہ مومن سمجھ کر ساتھ لے گئے چند ہی منٹ میں ان کی قلعی کھل گئی پھر فرمائیے عام لوگوں کا انتخاب کیوں کر صحیح مانا جا سکتا ہے۔

انتخاب کرنا تو کوئی مشکل بات نہیں جس کو جی چاہے اپنی جماعت میں سے چن لیجئے مگر اس کی گارنٹی کیسے ہوگی کہ یہ شخص اپنے صحیح کردار پر قائم رہ سکے گا اور اس سے شرک کا صدور نہ ہوگا جمہوری حکومتوں میں جن عہدیداروں کا انتخاب عوام الناس کیا کرتے ہیں چند ہی روز بعد انہی کے متعلق شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں اور نفرت کے ووٹ پاس کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ خدائی انتخاب میں ایسا نہیں ہوتا۔ آج تک آپ نے کہیں دیکھا ہوگا کہ خدا نے جن ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا انتخاب کیا تھا ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی بدکرداری کی بناء پر معزول ہونا پڑا۔ وہاں تو جس چیز کا انتخاب ہو جاتا ہے عمر بھر کے لیے ہو جاتا ہے۔

اسی بناء پر ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے رسولؐ کے جو بارہ جانشین ہوئے وہ سب خدا کے انتخاب کردہ بندے تھے جن کا ذکر نام بنام ہمارے رسولؐ نے کر دیا تھا۔ انہی کو ہم ائمہ اثنا عشر کہتے ہیں۔ انہی کو اہلبیت و عترت رسول کہا جاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے بعد ان کے بارہ جانشین ہوئے جو نقب اور اسباط کہلائے حضرت عیسیٰ کے بارہ جانشین ہوئے جو حواری کہلائے اسی طرح ہمارے رسول کے بارہ جانشین ہوئے جو امام کہلائے۔

میں چاہتا ہوں کہ آج اپنے رسولؐ کے آٹھویں جانشین کے کچھ حالات بیان کروں کیونکہ یوم مسعود ان کی ولادت باسعادت کا دن ہے بیہقی نے عباس کی زبانی نقل کیا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی اور کبھی کسی کی بات کو قطع نہیں فرمایا کسی کی حاجت روائی میں حتی المقدور دریغ نہیں فرماتے تھے کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے۔ کبھی آپ نے کسی غلام کو مارا پیٹا نہیں۔ قہقہہ لگا کر آپ کبھی نہیں ہنسے تواضع اور انکساری کی یہ حالت تھی کہ دسترخوان پر دربان اور

سائیس تک آپ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے راتوں کو بہت کم سوتے تھے تمام رات عبادت الٰہی کرتے تھے دِنوں کو اکثر روزے رکھتے تھے خیرات کثرت سے کرتے تھے اور اکثر چھپا کر دیتے تھے تاریک راتوں میں خود محتاجوں کے گھروں پر جا کر اس طرح دیتے ہیں کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔

موسم گرما میں آپ کے بیٹھنے کا فرش بوریا ہوتا تھا اور سردی کے زمانے میں کمبل۔ گھر میں پہننے کا لباس موٹا کھرا اور بھاری ہوتا تھا جس سے بدن کو سخت تکلیف پہنچتی تھی لیکن جب باہر نکلتے تھے تو اس خیال سے کہ لوگ بخل کا طعنہ نہ دیں اچھا لباس پہن لیتے تھے ایک مرتبہ مدینے کے ایک عالم نے آپ کو ریشمی لباس پہنے دیکھ کر اعتراض کیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں داخل کیا کہ دیکھو اس کے نیچے کمبل کا لباس ہے ریشمی لباس محض لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے کہ زاہد ریاکار نہ کہیں اور کمبل کا لباس عبادت خدا کرنے اور خضوع و خشوع کی غرض سے ہے۔

ایک مرد بلخی خراسان کے سفر میں امام علیہ السلام کا ہمسفر تھا ایک روز دستر خوان بچھا تو حضرت کے غلام بھی آپ کے برابر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے مرد بلخی نے کہا اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام علیحدہ کر دیا جائے تو کیا حرج ہے فرمایا اللہ ایک ہے اور یہ سب اس کے بندے ہیں ماں ان سب کی حوا ہے اور باپ ان کے آدمؑ۔ جزا و سزا ہر ایک کو اس کے عمل کے بموجب ملے گی پھر فرق کیسا۔ یاسر آپ کے خاص غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت کی ہم پر برابر یہ تاکید رہتی تھی کہ تمہارے کھانے کی حالت میں اگر میں آجاؤں تو میری تعظیم کو نہ اُٹھا کرو جب تک کوئی خادم کھانے سے فراغت نہ کر لیتا آپ اس کو ہرگز کسی کام کے لیے حکم نہ دیتے تھے۔

حضرت فقرا و مساکین کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جب تک آس پاس کے تمام محتاجوں کو کھانا نہ بھیج دیتے خود ہرگز نہ کھاتے حضرت کا یہ معمول تھا کہ جب کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو ایک خوان سامنے رکھ لیتے تھے اور ہر ایک کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا اس میں رکھتے جاتے تھے جب کھانے سے فارغ ہوتے تو وہ خوان محتاجوں کو بھجوا دیتے۔

حضرت کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص نے حضرت سے کہا میں حاجت مند ہوں بقدر اپنے حوصلے کے مجھ پر احسان کیجئے فرمایا اتنی گنجائش نہیں عرض کی کہ پھر میری حیثیت کے مطابق عطا ہو فرمایا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر غلام کو حکم دیا کہ اس کو دو سو اشرفی دیدو۔

احمد بن عبداللہ غفاری کہتے ہیں کہ ایک شخص کا میرے اوپر قرضہ تھا جب اس نے میرے اوپر سختی کی تو میں نے نماز صبح پڑھ کر امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا آپ ان دنوں بیرون شہر مقام عریض میں تشریف فرما تھے در دولت کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ آپ کسی جگہ جانے کے لیے سواری پر بیٹھ چکے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر

سلام عرض کیا اور کہا یا بن رسولؐ اللہ فلاں شخص کا میرے اوپر اتنا قرضہ ہے اور وہ بہت سخت تقاضا کر رہا ہے حضورؑ اس سے فرما دیں کہ اتنا تشدد نہ کرے اس کا ذکر میں نے نہ کیا کہ قرضہ کی مقدار کیا ہے۔ فرمایا میرے آنے تک یہیں ٹھہرو میں بیٹھ گیا۔ رمضان کا مہینہ تھا بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی میں نماز مغرب سے بھی فارغ ہوگیا مگر حضرت تشریف نہ لائے روزہ کی وجہ سے سخت پریشان تھا ارادہ کر رہا تھا کہ واپس جاؤں ناگاہ حضرت تشریف لے آئے کچھ لوگ حضرت کے ساتھ ساتھ تھے اور آپ سائلوں کو عطا کرتے چلے آرہے تھے یہاں تک کہ دولت سرا میں داخل ہوئے اور کچھ دیر قیام کے بعد پھر تشریف لائے مجھے بلا بھیجا فرمایا شاید تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا میں نے عرض کی نہیں غلام سے فرمایا کھانا لے آؤ۔ جب میں کھانے سے فارغ ہوا تو فرمایا فرش کا کونہ اٹھاؤ اور جو کچھ اس کے نیچے ہے لے لو۔ میں نے جو فرش اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے کچھ دینار رکھے ان کو لے کر گھر چلا آیا چراغ کے سامنے شمار کیا تو وہ ۴۸ تھے ایک دینار پر لکھا تھا تیرا قرضہ ۲۴ دینار ہے وہ دے کر ۲۴ دینار باقی بچیں گے وہ اپنے گھر کے خرچ میں لانا میں حیران رہ گیا کہ میرے قرضہ کی مقدار کیسے معلوم ہوئی۔

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی میں حج کر کے آرہا ہوں اور جو کچھ روپے لیکر چلا تھا وہ ختم ہو گیا اب اتنا نہیں کہ گھر واپس جاؤں اگر آپ مجھے اتنا دیدیں کہ میں اپنے وطن تک پہنچ جاؤں تو وہ روپیہ میں وہاں حضور کی طرف سے تصدق کر دوں گا کیونکہ میں آسودہ حال ہوں خیرات کا مستحق نہیں آپ نے فرمایا ذرا توقف کر تھوڑی دیر کے بعد جب وہ مجمع منتشر ہوگیا جو حضرت کے اردگرد تھا اور صرف دو شخص باقی رہ گئے تو آپ اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد دروازہ بند کر کے اپنے ہاتھ اس سے باہر نکالے اور فرمایا اے مرد خراسانی یہ دو سو دینار لے اور اپنے وطن جانے کا سامان کر ہماری طرف سے ان کو خیرات کرنے کی ضرورت نہیں یہ ہم نے تجھی کو دے دیئے لیکن اب تو یہاں سے چلا جا تاکہ میں تجھے اور تو مجھے نہ دیکھنے پائیں جب وہ چلا گیا تو ایک شخص نے عرض کیا حضور نے احسان کرنے میں تو کوئی کمی نہیں کی تو پھر اس سے منہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی فرمایا اس غرض سے کہ اس کے سوال کرنے اور حاجت روا ہونے کی ذلت کو اس کے چہرے پہ نہ دیکھوں کیا تو نے حضرت رسولؐ خدا سے یہ حدیث نہیں سنی کہ نیکی کا چھپانے والا مغفور ہے۔

ایک روز خراسان میں روز عرفہ (۹ ذی الحجہ) حضرت نے اپنے گھر کا تمام سامان نقد و جنس راہ خدا میں لٹا دیا فضل بن سہل وزیر مامون نے کہا یہ تو غرامت ہے اور اپنے کو سراسر نقصان فرمایا یہ غرامت نہیں بلکہ غنیمت ہے (ثواب بے حساب حاصل کرنا) جو مال راہ خدا میں صرف کیا جائے اور جس پر اجر و ثواب کی امید ہو وہ نقصان کیوں ہونے لگا۔

نعمات الہیہ کی عظمت آپ کی نظر میں اس قدر تھی کہ حضرت کے خادم خاص یاسر کہتے ہیں کہ ایک روز ہم

سب غلام میوہ کھا رہے تھے مگر دانہ کو پورا نہ کھاتے تھے اور کچھ کھاتے کچھ پھینک دیتے تھے آپ نے فرمایا سبحان اللہ اگر تم اس سے مستغنی ہو تو بہت سے اشخاص اس کے محتاج ہیں خود سیر ہو جاؤ تو دوسرے صاحبان احتیاج کو دے دیا کرو۔

ایک مرتبہ کچھ مزدور حضرت کے مویشیوں کے لیے مٹی سے گھاس کے ڈالنے کی جگہ بنا رہے تھے ان کے درمیان ایک سیاہ رنگ کا مزدور آیا آپ نے پوچھا یہ کون ہے ایک غلام نے کہا ہم نے اس کو اپنی امداد کے لیے رکھ لیا ہے کچھ مزدوری اس کو بھی دے دیں گے فرمایا اس کی اُجرت طے نہیں کی اس نے کہا نہیں یہ سنتے ہی آپ کو غصہ آ گیا اور اس غلام کو جھڑک کر کہا میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ جب تک اُجرت طے نہ کر لیا کرو کسی کو ہرگز کام پر نہ لگاؤ مگر تم سنتے ہی نہیں راوی کہتا ہے پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا جس مزدور کی مزدوری پہلے سے نہیں چکائی جاتی اور بعد میں اس کو تین گنی اجرت بھی دی جائے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ کچھ نہ کچھ میرے حق سے کم کر لیا ہے اور جب مقرر کر دیں گے تو وہ وفائے عہد جانے گا پھر اس کو ایک پیسہ دیا جائے گا تو اس کی مدح کرے گا اور جانے گا کہ یہ مجھے کام سے زیادہ ملا ہے۔

ابو بکر صولی کہتے ہیں کہ میری دادی مجھ سے بیان کرتی تھیں کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھے چند اور کنیزوں کے ساتھ مامون کے لیے خریدا تھا۔ جب ہم قصر مامون میں داخل ہوئے تو وہاں عیش و عشرت کے بڑے سامان نظر آئے اور بڑے آرام سے زندگی بسر ہونے لگی لیکن کچھ عرصہ بعد مامون نے مجھے امام رضا علیہ السلام کو عطا فرما دیا یہاں آکر دیکھا تو عالم ہی اور تھا باوجودیکہ ولی عہد سلطنت تھے لیکن کوئی شاہانہ سامان آپ کے گھر میں نہ تھا نہایت سیدھی سادی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے روزے نماز کی سب پر تاکید تھی ایک عورت مقرر تھی جو رات کو سب سوتوں کو نماز شب کے لیے جگا دیتی تھی مجھے اس وقت اٹھنا بڑا شاق معلوم ہوتا تھا چاہتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں تو اچھا ہو آخر حضرت نے تمہارے دادا عبداللہ بن عباس کو مجھے ہبہ کر دیا صولی کا بیان ہے بہت سی عورتیں میری نظر سے گزریں لیکن اپنی دادی کے برابر عاقلہ اور فاضلہ عورت نہ دیکھی اور یہ سب چند روز امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کا اثر تھا۔ جب ہم ان سے امام علیہ السلام کے حالات دریافت کیا کرتے تھے تو وہ کہا کرتی تھیں چونکہ حضرت کی خدمت کو چھوڑے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے اس لیے بہت سی باتیں بھول گئی ہوں ہاں اتنا یاد ہے کہ اکثر عود ہندی ڈاگر کا بخور کرتے اور خوشبوؤں کا استعمال زیادہ کرتے اور جب تک سورج زیادہ بلند نہ ہو جاتا اسی طرح سجدے میں پڑے رہتے اس کے بعد آپ باہر تشریف لا کر لوگوں کو پند و نصیحت فرماتے یا سوار ہو کر کہیں جاتے گھر میں کس کی مجال تھی کہ پکار کر بات کرے خود بھی بہت کم گفتگو فرماتے تھے حضرت کو عطریات کا بہت شوق تھا فرمایا کرتے تھے چند چیزیں دل کو تازہ کرتی ہیں خوشبو

لگانا شہد کھانا سبزہ کی طرف نگاہ کرنا یہ بھی فرماتے تھے کہ آدمی کو خوشبو ترک کرنا مناسب نہیں اگر ہر روز استعمال کرے تو بہتر ہے ورنہ تیسرے روز ضرور لگائے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ہر جمعہ کو ضرور کسی نہ کسی خوشبو کا استعمال کرے۔ حضرت کو خرمے سے زیادہ رغبت تھی سلیمان بن جعفر کہتے ہیں میں نے ایک روز عرض کی حضورؐ کو خرمے سے بہت رغبت ہے فرمایا کیوں نہ ہو جبکہ حضرت رسولؐ خدا حضرت علیؑ اور دیگر آئمہ اس کو پسند کرتے ہیں۔

آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی طرح ہر شب ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے زوال سے کچھ پہلے اوّل روز میں اور غروب آفتاب سے کچھ پہلے آخر روز میں عبادت کو ختم کر دیتے تھے ورنہ اکثر اوقات مصلے ہی پر تشریف رکھتے تھے اور بہت زیادہ متفکر اور دل گیر نظر آتے تھے خوفِ الٰہی سے چہرۂ مبارک کا رنگ پیلا پڑ جاتا تھا۔

موسیٰ بن سیار کا بیان ہے کہ جب حضرت مرو کو تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی حضرت کے ساتھ تھا طوس کے قریب پہنچ کر ایک طرف سے رونے کی آواز کان میں آئی تو دیکھا لوگ ایک جنازہ لیے چلے آتے ہیں۔ امام علیہ السلام اسے دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر گئے۔ بڑی رغبت کے ساتھ اسے کندھا دیا اس کے بعد یہ فرمایا۔ ہمارے دوستوں میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ کو کندھا دینے والے کے گناہ بخش دیتا ہے جب جنازہ قبر کے پاس پہنچا تو حضور نے سب لوگوں کو میت کے پاس سے ہٹا دیا اور بند کفن کھول کر میت کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا اے فلاں تجھ کو نعمات جنت کی بشارت ہو راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کیا حضور اس میت کے احوال سے واقف ہیں آپ نے پہلے تو اس سرزمین پر قدم بھی نہیں رکھا فرمایا تمہیں معلوم کہ ہر امام زمانہ کے پاس صبح و شام اس کے شیعوں کے احوال پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال ناقص ہوتے ہیں تو امام ان کے لیے خدا سے استغفار کرتا ہے ورنہ شکر بجا لاتا ہے امام علیہ السلام نے غیر اقوام کے بہت سے علماء سے مباحثے اور مناظرے کیے اور ان سب کو لاجواب فرمایا۔ بعض مناظرے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

ایک زندیق سے مناظرہ

زندیق : بتایئے آپ کا خدا کہاں ہے اور کیسا ہے ؟

امام : کہاں اور کیسا مخلوق کی کیفیت ہے نہ کہ خالق کی۔ وہ تو جگہ اور کیفیت کا خالق ہے پھر اس سے ان چیزوں کا کیا تعلق خدا کو کوئی حواس خمسہ سے ادراک نہیں کر سکتا۔

زندیق : جب وہ حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتا تو پھر وہ کوئی چیز ہی نہیں؟
امام : ہم اسی لیے اسے خدا مانتے ہیں کہ حواس سے محسوس نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا تو ہماری طرح مخلوق ہوتا اس کا محسوس نہ ہونا ہمارے عجز اور اس کے کمال کی دلیل ہے۔
زندیق : اچھا یہ بتایئے وہ ہے کب سے؟
امام : یہ بتاؤ وہ کب نہ تھا؟
زندیق : میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ مجھ سے سوال کرتے ہیں۔
امام : جب تجھے اس کے کبھی نہ ہونے کا علم نہیں تو یہ سوال ہی غلط ہے کہ وہ کب سے ہے۔
زندیق : اس کے موجود ہونے کی دلیل کیا کیا ہے؟
امام : کائنات کی ہر شے اس کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ آسمانوں کی گردش، بادلوں کا پیدا ہونا، ہواؤں کا چلنا چاند سورج اور ستارے یہ سب ایک نظام خاص کے ماتحت حرکت کر رہے ہیں کیا یہ سب اس کی دلیل نہیں کہ کسی صانع حکیم اور مدبر قادر کے زیر حکم ہیں۔
زندیق : اگر ہے تو دکھائی کیوں نہیں دیتا۔
امام : آنکھ سے وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو اس کی مخلوق ہیں اگر وہ بھی دکھائی دینے لگے تو اس میں اور مخلوق میں فرق کیا ہے۔
زندیق : اس کی جگہ کہاں ہے؟
امام : وہ کسی جگہ میں محدود نہیں، محدود ہونا مخلوق کی شان ہے۔ محدود صاحب جسم ہوتا ہے اس کے جسم نہیں اس کے اعضاء نہیں۔
زندیق : پھر سنتا اور دیکھتا کیسے ہے؟ ہاتھ نہیں تو چیزوں کو اس نے بنایا کیسے؟
امام : مخلوق کا قیاس خالق پر نہیں ہو سکتا اگر وہ بھی ہماری طرح آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہتا ہے۔ آخر جب وہ دہریہ عاجز ہو گیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

نصرانی عالم سے مناظرہ

جاثلیق عیسائیوں کا بہت بڑا عالم تھا اور علمائے اسلام سے مناظرے کیا کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ

ہم اور مسلمان دونوں حضرت عیسیٰ کی نبوت اور ان کی کتاب آسمانی ہونے پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اختلاف تو اس بات پر ہے کہ مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کو مانتے ہیں اور ہم نہیں مانتے اور اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی موت واقع ہو چکی ہے پس جب وہ زندہ ہی نہیں تو اب ان کی نبوت کیسی حضرت عیسیٰ چونکہ زندہ ہیں لہٰذا ان کی نبوت ماننی چاہیے اس کا کلام سن کر اہل علم مسلمان خاموش ہو جاتے تھے ایک مرتبہ مامون کے اشارے سے یہ شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور اس طرح بحث کا آغاز کیا۔

جاثلیق: پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی کتاب پر آپ کا ایمان ہے یا نہیں۔

امام: میں اس عیسیٰ کی نبوت پر ایمان رکھتا ہوں جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی اپنے حواریوں کو بشارت دی تھی اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے جو عیسیٰ خاتم الانبیاء کی نبوت کے معترف نہیں اور جو کتاب اس کو بیان نہیں کرتی اس پر میرا ایمان نہیں۔ یہ سنتے ہی جاثلیق ٹھنڈا پڑ گیا کیونکہ حضرت کے اس جواب نے اس کے لیے ہر طرف سے راستہ بند کر دیا۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا۔

امام: ہم تو اس عیسیٰ کو جس نے حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی بشارت دی نبی برحق جانتے مگر تم اس کی تنقیص کرتے ہو کہ انہیں نماز روزہ کا محتاج بناتے ہو۔

جاثلیق: میں نہیں سمجھا کہ آپ کا مطلب کیا ہے؟

امام: مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہارے اعتقاد میں معاذ اللہ خود خدا تھے تو یہ نماز روزہ کس کے لیے کرتے تھے۔

جاثلیق: (کچھ دیر خاموشی کے بعد) لیکن یہ تو بتائیے جو شخص مردوں کو زندہ کر دیتا ہو جذامی اور نابینا کو تندرست بنا دیتا ہو کیا وہ اس قابل نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔

امام: یہ بات کچھ حضرت عیسیٰ ہی سے مخصوص نہ تھی بلکہ اور پیغمبروں میں بھی پائی جاتی تھی عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے اور اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے تھے حزقیل نے پینتیس ہزار آدمیوں کو ساٹھ برس بعد زندہ کیا تھا بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے خدا نے دم بھر میں ان سب کو مار ڈالا بہت دنوں کے بعد ایک نبی ان گلی سڑی ہڈیوں کی طرف سے گزرے خدا نے وحی کی کہ انہیں آواز دو۔ انہوں نے کہا اے بوسیدہ ہڈیو اٹھ کھڑی ہو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے حضرت ابراہیم نے پرندوں کو زندہ کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی دعا سے ستر آدمی کوہ طور پر زندہ ہو گئے

تھے اسی طرح حضرت محمد کی دعاؤں سے بہت سے لوگ زندہ ہو گئے تو کیا تمہارے خیال میں یہ سب انبیاء خدا ہونے کے مستحق تھے یہ سن کر جاثلیق خاموش ہو گیا اور آخر کار اس نے اسلام قبول کر لیا۔

راس الجالوت سے مناظرہ

ایک یہودی عالم کے متعلق یہودیوں کا خیال تھا کہ کوئی مذہب والا مناظرہ میں اس سے جیت نہیں سکتا ایک روز امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور مختلف سوالات کرنے شروع کر دیئے اور باقاعدہ مناظرہ شروع ہو گیا۔

امام : تمہارے پاس حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کا کیا ثبوت ہے ؟

راس : ان سے وہ امور ظاہر ہوئے جو انبیائے سابقین میں سے کسی سے ظاہر نہ ہوئے تھے مثلاً دریائے نیل کے پانی کا شگافتہ ہونا۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ پتھر سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا وغیرہ۔

امام : تو سچ کہتا ہے تیرے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کو ایسے امور کا اظہار ضروری ہے جن کا اظہار دوسروں سے ممکن نہ ہو۔

راس : بے شک۔

امام : تو پھر یہ بات ضرور ہوئی کہ جو کوئی بھی ایسے امور کا اظہار کرے اس کی نبوت کی تصدیق کی جائے۔

راس : نہیں۔ امام : کیوں

راس : ان معجزات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا سے وہ قربت بھی تو تھی جو کسی اور کو نہ تھی پس جب تک کوئی شخص بعینہ وہی معجزات و کرامات ہم کو نہ دکھلائے ہم ان کی نبوت کا اقرار نہیں کر سکتے۔

امام : اچھا یہ بتاؤ تم موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی کسی نبی کو مانتے ہو۔

راس : مانتے ہیں۔

امام : لیکن یہ کیونکر صحیح ہے ان سے پہلے نہ تو کسی نبی نے دریا کو شگافتہ کیا نہ کسی پتھر سے چشمہ نکالا نہ ان کا ہاتھ روشن بنا نہ عصا سانپ بن کر چلا۔

راس : نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ جب کسی سے ایسے امور ظاہر ہوں جن کو بجا لانے سے عام لوگ قاصر ہوں خواہ وہ بعینہ ایسے ہوں یا نہ ہوں تو ہم پر نبوت کی تصدیق واجب ہو جائے گی۔

امام : اگر یہ بات ہے تو پھر تم لوگ حضرت عیسیٰ کو کیوں نہیں مانتے وہ بھی مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں

مبروصوں اور جذامیوں کو شفا بخشتے اور مٹی کی چڑیا میں پھونک مار کر اُڑا دیتے تھے۔
راس: ہم نے ایسا کرتے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لوگ کہتے ہیں۔
امام: تو کیا حضرت موسیٰ کے معجزات تم نے بچشم خود دیکھے تھے آخر وہ بھی تو اور لوگوں ہی سے سنے ہوں گے یہ سن کر راس الجالوت خاموش ہو گیا حضرت نے فرمایا اس طرح تم کو حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کا بھی اقرار کرنا چاہیے کیونکہ آپ سے بھی بے شمار معجزات ظہور میں آئے یہ سن کر راس الجالوت نے بے حیائی سے جواب دیا یہ سب کچھ سہی لیکن چونکہ ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت ثابت نہیں لہذا ہم ان کو نبی نہیں مان سکتے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا یہ دوسری بات ہے اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

عصمت انبیاء کے متعلق مامون کے سوالات

مامون: کیا آپ تمام انبیاء کی عصمت کے قائل ہیں۔
امام: بے شک۔
مامون: لیکن آیہ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (سورہ طہٰ ۲۰/۱۲۱) سے تو آدم کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔
امام: آدم علیہ السلام کو اس درخت کے پاس جانے کو منع کیا گیا تھا نہ کہ اس سے یا اس کی ہم جنس دوسرے درخت سے کھانے کو بھی انہوں نے اس درخت سے کچھ نہیں کھایا شیطان نے ان سے یہی کہا تھا کہ خدا نے تم کو اس درخت خاص سے منع فرمایا ہے نہ کہ اس قسم کے اور درختوں سے پھر قسم بھی کھائی چونکہ اس سے پہلے کسی نے جھوٹی قسم نہ کھائی تھی لہذا ان کو دھوکہ ہو گیا اور اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کے مرتکب ہو گئے اور یہ اضطرارانہ عمل بھی حضرت آدم سے قبل نبوت ہوا تھا اور گناہ کبیرہ نہ تھا جس سے مستحق جہنم ہو جاتے یہ صرف ترک اولیٰ یا فعل مکروہ تھا جو انبیاء سے قبل نزول وحی جائز ہے جب خدا نے ان کو نبی بنایا تو وہ معصوم تھے گناہ کبیرہ یا صغیرہ کوئی بھی ان سے صادر نہ ہوتا تھا۔
مامون: اچھا حضرت ابراہیم کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں قرآن میں صاف الفاظ میں ہے فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي (سورہ الانعام ۶/۷۶) (جب تاریکی شب چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارے کو دیکھ کر کہا یہ میرا پروردگار ہے؟) کیا یہ کھلا ہوا شرک نہیں کہ ایک ستارے کو اپنا خدا کہہ دیا۔

امام: تم نے اس کلام پر غور نہیں کیا یہ جملہ ہذا ربی لبطور استفہام ہے جس کے معنی یہ ہیں کیا یہ میرا رب ہے چونکہ اس زمانہ کے لوگ ستارہ پرست تھے اور حضرت ابراہیم کے کان میں ان کا یہ عقیدہ پڑ چکا تھا لہذا جب غار سے نکلے اور ستارہ کو دیکھا تو لبطور سوال یہ ارشاد فرمایا۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ چنانچہ جب وہ چھپ گیا تو آپ نے فرمادیا کہ میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا یہ صفت میرے خدا کی نہیں ہو سکتی یہ تو ممکن کی صفات سے ہے اسی طرح چاند اور سورج کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ بھی لبطور استفہام ہے جس سے ستارہ پرستوں کے مذہب کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ حضرت ابراہیم کا عقیدہ تھا یہ حجت اور دلیل ان کو خدا نے تعلیم فرمائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (سورہ الانعام ۶/۸۳)

مامون: فرزند رسولؐ خدا آپ کو جزائے خیر دے اس بارے میں تو میری تسکین ہو گئی لیکن ابھی ایک کھٹک باقی ہے۔

امام: وہ بھی بیان کرو۔

مامون: خدا فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ۭ (سورہ البقرہ ۲/۲۶۰) (ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھادے کہ تو کس طرح سے مُردوں کو زندہ کرتا ہے فرمایا تجھ کو اس کا اعتقاد نہیں۔ فرمایا اعتقاد تو ضرور ہے مگر میں صرف اپنا اطمینان قلب چاہتا ہوں پس فرمائیے کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابراہیم کو خدا کی قدرت کے متعلق اطمینان قلب حاصل نہیں تھا۔

امام: خداوند عالم نے حضرت ابراہیم پر وحی نازل کی تھی کہ میں اپنے ایک بندہ کو خلیل بناؤں گا اور وہ اگر مجھ سے یہ کہے گا کہ تو میرے لیے مردہ کو زندہ کردے تو میں اس کی ہر خواہش پوری کردوں گا۔ پس حضرت ابراہیم کو تردد تھا کہ وہ خلیل میں ہی ہوں یا کوئی اور اس لیے انہوں نے ایسا کہا تھا۔ پس اطمینان قلب اس بارے میں چاہتے تھے کہ میں اس کا خلیل بنایا جاؤں گا یا نہیں۔

خدا نے حکم دیا کہ تم چار پرندے لاؤ اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تھوڑا تھوڑا گوشت ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ حضرت ابراہیم نے گدھ، بط، مور اور مرغ چار چار جانور لیے اور ان کو ریزہ ریزہ کر کے ایک کا گوشت دوسرے میں ملا دیا۔ اور تھوڑا تھوڑا حصہ ہر ایک پہاڑ پر رکھ دیا یہ سب دس پہاڑ تھے ان کے بیچ میں

جو کھڑے ہو کر آواز دی تو وہ سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور آپس میں مل کر سالم جانور بن گئے اور حضرت کے پاس آکر کہنے لگے اے نبی خدا جس طرح آپ نے ہم کو زندہ کیا ہے خدا آپ کو زندہ رکھے آپ نے فرمایا اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے وہی ہر شے پر قادر ہے۔

مامون: سبحان اللہ کیا کہنا آپ نے بڑی خوبی سے اس اعتراض کو رفع فرمادیا اسی طرح اور انبیاء کے متعلق بھی مامون نے حضرت سے سوالات کیے آپ نے ان سب کا شافی جواب دے کر اسے ساکت کردیا یہ تھا یہ تھا ہمارے آئمہ کا علم۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

مجلس بستم

در حال وفات امام علی رضا علیہ السّلام

روز شہادت ۲۳ ماہ ذی قعدہ ۲۰۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمَجِیۡدِ وَفُرۡقَانِہِ الۡحَمِیۡدِ

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ ۚ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷/۷۱)

(روز قیامت ہم انسانوں کے ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کا ہر گروہ اپنے اس رہنما کے ساتھ روز قیامت بلایا جائے گا جس کے ذریعے سے اس نے معرفت باری تعالیٰ حاصل کی ہوگی اور اپنی زندگی گزارنے کے طریقے سیکھے ہوں گے تاکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر گواہ ہو جائیں پس ایسی صورت میں ہر ذی عقل انسان کا یہ فریضہ ہے کہ اپنا امام و ہادی بہت سوچ سمجھ کر بنائے تاکہ اس کی نجات خطرہ میں نہ پڑ جائے کیونکہ فریبی دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو خود گمراہ ہوتے ہیں لیکن ہادیوں کے لباس میں آکر دوسروں کو دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں۔ امام دو طرح کے ہمیشہ دنیا میں پائے جاتے ہیں اول وہ جو خدا کی طرف سے ہدایت کے لیے معین کیے گئے ہیں جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا (سورہ الانبیاء ۲۱/۷۳) (ہم نے ان کو ایسا امام بنایا جو ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں) دوسرے وہ مُضِل اور گمراہ لوگ جو بجائے ہدایت کے دوسروں کو گمراہ کرنے والے اور دوزخ کا راستہ

دکھانے والے ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (سورہ القصص ۲۸/۴۱) (وہ ایسے ہیں جو نار جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔)

ہادی الی الحق صرف وہی امام ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہماری ہدایت کے لیے معین فرمادیا ہے۔ یہ امامت خدا کی طرف سے ایک عہدہ جلیلہ ہے جس پر سوائے معصوم کے دوسرا فائز نہیں ہو سکتا ایسا امام ہر زمانے میں موجود رہتا ہے خواہ ظاہر ہو خواہ غائب اس امام کی معرفت ہر شخص پر واجب ہے اگر کوئی شخص بغیر اس کی معرفت حاصل کیے مر جائے گا تو اس کی موت کفر کی موت ہوگی جیساکہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةً (جو اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے گا۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے وحی کی اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) (اے ابراہیم میں تم کو لوگوں میں امام بنانے والا ہوں) تو انہوں نے عرض کی قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴) (اور میری ذریت میں سے بھی کسی کو امام بنائے گا) خدا نے فرمایا

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (سورہ البقرہ ۲/۱۲۴)

(میرے اس عہدہ امامت کو ظالم لوگ نہیں پائیں گے) اس سے معلوم ہوا کہ امام صرف معصوم ہو سکتا ہے گناہگار انسان سے اس عہدہ جلیلہ کا کوئی تعلق ایسے امام کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادے اور مسائل دین بتادے بلکہ خدا کی طرف سے اس کو بہت سی ایسی قوتیں عطا ہو جاتی ہیں کہ وہ امور عالم میں اپنا محیر العقول تصرف دکھانے لگتا ہے مثلاً عام لوگوں کی آواز ایک محدود مسافت تک پہنچ سکتی ہے لیکن امام کی آواز کائنات کے ہر گوشہ میں جاسکتی ہے جس طرح جناب ابراہیم کی وہ آواز جو اذان حج کے لیے خانہ کعبہ میں بلند ہوئی تھی جہاں جہاں بنی نوع انسان آباد تھے ہر ایک کے کانوں میں پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ ان نطفوں تک نے سن لی جو ماں کے رحم یا باپ کے صلب میں تھے۔ اس طرح آنکھ ایک خاص مسافت دیکھ سکتی ہے لیکن امام کی نظر کائنات کے ہر پردہ کو چاک کرتی ہوئی نکل جاتی ہے جیساکہ حضرت ابراہیم کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ الانعام ۶/۷۵) (ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے تمام انتظامات دکھادیئے) یعنی حضرت ابراہیم فرش زمین پر کھڑے ملکوت سماوات والارض کا معائنہ کر رہے تھے۔

آج میں چاہتا ہوں کہ آپ آٹھویں امام کا کچھ حال آپ کو سناؤں کیونکہ یہ ان حضرت کی شہادت کا روز ہے آج ہر محب اہلبیت کا دل مغموم ہے کیونکہ ہمارے آٹھویں امام حضرت امام علی رضا علیہ السلام غربت میں شہید ہوئے ہیں چاہتا ہوں کہ پہلے کچھ مختصر حالات حضرت کی سبق آموز زندگی کے سنا کر پھر

حضرت کی شہادت کا حال بیان کردوں۔

امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں اسلامی قلمرو کا حکمران مامون رشید تھا۔ اس کے عہد سلطنت میں بغداد اور اس کے گرد و نواح میں سخت بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ غیر کا ذکر کیا خود اس کی قوم مخالف بن رہی تھی۔ ایک روز اس نے ارکان سلطنت سے مشورہ کیا تو فضل نے جو اس کی ناک کا بال تھا اس سے کہا کہ منجملہ دیگر اسباب کے ان شورشوں میں سادات کی مخالفت اور ان کی جرأت و قوت کو بھی بڑا دخل ہے اگر اس وقت سلطنت کی ولی عہدی کے لیے اہل بیت طاہرین کے مقدس سلسلہ میں سے کسی قابل ہستی کو نامزد کر دیا جائے تو رعایا اور سادات دونوں کے جوش ٹھنڈے پڑ جائیں گے مامون نے اس رائے کو پسند کیا اور غور و خوض کے بعد اس کام کے لیے امام رضا علیہ السلام کو سب سے زیادہ موزوں پایا۔ چنانچہ مامون نے حضرت کو بلانے کا خط لکھا۔ حضرت نے توجہ نہ فرمائی اور ایک مجمل سا جواب لکھ بھیجا مامون نے پھر کئی خط لکھے مگر حضرت نے کسی خط میں اپنی آمادگی کا اظہار نہ کیا آخر اس نے رجاء بن ضحاک کو چند ارکان سلطنت کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور پوری تاکید کر دی کہ جس طرح ممکن ہو حضرت کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔

رجاء امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور مامون کا خط دے کر حضرت کو مامون کی خواہش پوری کرنے کی طرف ترغیب کرنے لگا۔ آپ نے مامون کا خط پڑھا اور اس کی بات سنی پھر فرمایا انسان تقدیر الٰہی سے مجبور ہے اس وقت تک میں نے اس امر سے اپنے کو بچایا اور کسی طرح اپنی رغبت کا اظہار نہ کیا مگر یہ انکار سلطان وقت کو پسند نہ آیا۔ لہذا مجبوراً خدا پر توکل کر کے تیرے ساتھ چلنے پر تیار ہوں جانتا ہوں کہ اس کا انجام میرے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۰۰ ہجری کا ہے۔

اس سفر میں تین سو آدمی حضرت کے ساتھ تھے۔ اور ہمارے نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کا سن اس وقت چھ برس کا تھا۔ مدینہ منورہ میں امام رضا علیہ السلام کو سب سے زیادہ دل بستگی روضۂ رسولؐ سے تھی اس کا چھوڑنا آپ پر نہایت شاق تھا چنانچہ جب وہ وقت قریب آیا کہ حضرت روضۂ اقدس سے جدا ہوں تو آپ بڑی بے تابی سے اندر گئے اور قبر مطہر سے رخصت ہوئے اور رو رو کر امت کے ظلم کی حضرت سے شکایت کی۔ فرماتے تھے اے جد نامدار میں جبراً آپ کے مرقد سے جدا کیا جا رہا ہوں جانتا ہوں کہ اس کے بعد مجھے یہاں آنا نصیب نہ ہوگا اور پردیس ہی میں میری جان جائے گی۔

راوی کہتا ہے حضرت کا یہ قلق اور اضطراب دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا میں بے اختیار رونے لگا۔ حضرت نے مجھے صبر کی تعلیم دی اس کے بعد آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے اور اپنے تمام عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا اس وقت مجھے ایسا سفر درپیش ہے کہ جس سے لوٹنے کی قطعاً امید نہیں۔ یہ سنتے ہی بیت الشرف میں کہرام مچ گیا آپ نے سب کو تسلی دی

اور فرمایا بارہ ہزار دینار میرے تمام عزیزوں پر تقسیم کر دیئے جائیں جب وہ دے دیئے گئے تو آپ تشریف لے گئے

سفر کے حالات

حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے رجب ۲۰۰ ہجری میں مرو کی طرف روانہ ہوئے تھے اور آپ نے کوفہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کا غیر مشہور راستہ اختیار کیا تھا لیکن اپنی رائے سے نہیں بلکہ مامون کی امراو کی تجویز سے ان کی غرض اس راہ سے لے جانے میں یہ تھی کہ اگر آپ کوفہ اور قم کے راستہ سے تشریف لے جائیں گے تو ان مقامات کے شیعہ آپ کو روکنے کی کوشش کریں گے کیونکہ اس زمانہ میں مامون کے خلاف ہر طرف شورش پھیلی ہوئی تھی۔

شہر نیشاپور میں امام علیہ السلام کی آمد

جب حضرت کی سواری نیشاپور کے قریب پہنچی تو شہر کے تمام علما اور فضلا نے ایک منزل سے آپ کا استقبال کیا اور جب حضرت شہر کے اندر داخل ہوئے تو بے شمار لوگ آپ کی زیارت کے لیے اُمنڈ آئے خلائق کے ہجوم سے کہیں کھڑے ہونے کی جگہ نہ رہی اس وقت امام المحدثین حافظ ابوذرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی آگے آگے اور علماء کی ایک بڑی جماعت ان کے پیچھے پیچھے تھی یہ سب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اس وقت عماری میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے جن کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ نہ سکتے تھے ابوزرعہ اور محمد بن اسلم نے آپ کی سواری کے پاس آکر بڑی عاجزی سے عرض کی حضور اپنے جمال مبارک کی زیارت سے لوگوں کو مشرف فرما دیں اور اپنے آبائے کرام کی احادیث ہم سے بیان فرمادیں کہ ان کے سننے کے لیے ہمارے کان مشتاق ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے سواری روکنے اور عماری کا پردہ اُٹھانے کا حکم دیا۔ حاضرین نے جونہی اپنے پیارے نبی کے فرزند کے نورانی چہرے پر نظر ڈالی دل سینوں میں بے تاب ہو گئے اور بے اختیار فرطِ محبت سے رونے لگے کوئی سواری کے گرد گھومتا کوئی مرکب کے قدم چومتا تھا غرض کہ ایک عجیب جوش اور ولولہ تھا آخر علماء کی جماعت نے باآواز بلند کہا لوگو! ذرا خاموش رہو اور فرزند رسول کے آزار کا باعث نہ ہو جب اس شور و غل میں کمی ہوئی تو آپ نے ایک حدیث بیان کی۔ لکھا ہے چوبیس ہزار قلمدان وہاں الفاظ حدیث

لکھنے کے لیے حاضر تھے عرض کی حضرت نے اپنے آبائے طاہرین کے اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کی کہ جبریل امین نے حضرت رسولؐ خدا سے بیان کیا کہ خدا فرماتا ہے میں خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اے بندو میری عبادت کرو اور یقین کر لو کہ جو شخص میری وحدانیت کی گواہی دے گا پورے اخلاص کے ساتھ وہ میرے حفاظت کے مضبوط قلعہ میں داخل ہوگا' اور میرے عذاب سے امان پائے گا لوگوں نے عرض کی گواہی میں اخلاص نیت کیونکر ہوگا فرمایا اطاعت خدا اور رسولؐ اور آئمہ سے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا شہادت وحدانیت خدا عذاب الہٰی سے نجات کا باعث ضرور ہے مگر شرائط کے ساتھ اور میں ان شرطوں میں سے ایک ہوں۔

اس کے بعد شہر نیشاپور کے محلہ غزدنی میں حضرت نے قیام فرمایا وہاں حضرت نے بادام کا بیج بویا جو بہت جلد درخت کی صورت میں آگیا اور اس میں پھل بھی آگئے' اس کے بعد ہر سال اس میں پھل لگتے تھے جن کی تاثیر یہ تھی کہ انہیں کھا کر بیماروں کو شفا ہو جاتی تھی، حاملہ عورتوں کو درد زہ کی تکلیف میں کمی ہو جاتی تھی درد چشم والے گھس کر آنکھوں پر لگاتے تھے تو درد جاتا رہتا تھا۔ مریض چوپاؤں کے بدن پر لگاتے تو وہ صحتیاب ہو جاتے اسی محلہ میں ایک حمام اور حمام کے قریب ایک چشمہ تھا جو عرصہ سے خشک تھا امام علیہ السلام کی برکت سے وہ از سر نو موجزن ہو گیا اور پہلے سے کہیں زیادہ پانی اس میں آگیا حضرت نے قریب ہی ایک حوض بنوا دیا جس میں کئی زینے نیچے اترنے کے لیے تھے آپ خود اس میں اترے اور غسل فرمایا اور پھر اوپر تشریف لا کر حوض کے کنارے پر نماز پڑھی اسی روز سے معمول ہو گیا کہ جو وہاں جاتا ہے اس حوض میں نہاتا اور مسجد میں نماز پڑھتا ہے وہ حمام گرمابہ امام رضا علیہ السلام اور وہ چشمہ چشمہ رضا اور حوض حوض کاہلاں کے نام سے اب تک مشہور ہے۔

راوی کہتا ہے کہ جب امام علیہ السلام کی سواری خراسان جا رہی تھی تو ایک گاؤں کے قریب پہنچی جس کا نام قدیہ جمرا تھا اس وقت دن ڈھل چکا تھا ظہر کی نماز کے لیے حضور سواری سے اترے اور وضو کے لیے پانی مانگا عرض کیا گیا پانی موجود نہیں ہے ایک پتھر وہاں پڑا ہوا تھا امام علیہ السلام نے اسے اٹھا لیا اور اس کے نیچے سے تھوڑی سی مٹی ہٹا دی فوراً وہاں سے ایک چشمہ نمودار ہوا۔ حضرت نے اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز پڑھی وہ چشمہ اب تک موجود ہے اور چشمہ امام رضا کے نام سے مشہور ہے جب حضرت خراسان پہنچے تو وہاں ایک واقعہ درپیش آیا کہ قافلہ جو خراسان سے کرمان جا رہا تھا راستہ میں چوروں نے لوٹ لیا اور سردار قافلہ کو باندھ کر برف میں کھڑا کر دیا اور منہ میں اس کے دیر تک برف ٹھونستے رہے جس سے اس کی زبان اکڑ گئی کہ بولا نہ جاتا تھا یہ شخص بمشکل تمام ان ظالموں کے پنجے سے چھوٹ کر خراسان آیا۔ امام علیہ السلام کی آمد آمد کا جہاں چرچا ہو رہا تھا اس نے خواب میں دیکھا حضرت تشریف لائے ہیں اور اس کے مرض کا حال سن کر فرما رہے ہیں زیرہ' نمک اور سعتر تینوں چیزیں ہموزن لو اور کوٹ کر منہ میں رکھو لو جب شخص خواب سے

بیدار ہوا تو اسے کچھ خیال نہ رہا لیکن جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو اس نے حاضر ہو کر حال بیان کیا حضرت نے فرمایا ہم نے تو خود دوا بتادی تھی اس کو استعمال کیوں نہ کیا اس نے کہا میں آپ کی زبان مبارک سے سننے کا مشتاق ہوں حضرت نے وہی نسخہ بتایا اس کا استعمال کرنا تھا کہ مرض دور ہوگیا۔

جب حضرت شہر طوس میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک پہاڑ ہے جس کے پتھر تراش کر مختلف قسم کے زیورات بنائے جاتے ہیں حضرت نے اس پہاڑ کے قریب کھڑے ہو کر دعائے خیر کی پھر حکم دیا کہ اسی پتھر کے ظروف میں ہمارے لیے کھانا تیار کیا جائے آپ کی دعا کی برکت سے اس پہاڑ کے پتھر پہلے سے کہیں زیادہ نرم ہو گئے اور پھر ان سے بہت زیادہ برتن بنائے جانے لگے وہاں کے لوگ فخر یہ کہا کرتے تھے کہ خدا نے امام رضا علیہ السلام کی برکت سے اس پتھر کو ایسا نرم کردیا کہ جس طرح داؤد کے لیے لوہے کو بنایا تھا۔

لکھا ہے کہ جب حضرت دارالحکومت کے قریب پہنچے تو مامون نے مع ارکان سلطنت پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور اپنے شہر میں لے کر آیا۔ جب دو تین روز گزر گئے تو اس سفر کا کسل دور ہوگیا تو مامون نے حضرت کو خلوت میں بلا کر کہا اے فرزند رسول آپ کے علم و فضل و زہد و ورع کا ہم پر کیا تمام دنیا پر سکہ بیٹھا ہوا ہے چونکہ آپ ہر طرح میری ولیعہدی کے لیے شایان ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنا ولی عہد بناؤں۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس سے معاف فرما دیجئے میں اپنے بندۂ خدا ہونے کی شان کو اس سے زیادہ باعث فخر سمجھتا ہوں اور دنیوی تعلقات قطع تعلق کرنے ہی کو اپنے لیے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں لیکن مامون برابر اصرار کرتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا مجھے آبائے طاہرین سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہاری ولیعہدی مجھ تک نہ پہنچے گی اور میں تم سے پہلے ہی زہر دے کر قتل کر دیا جاؤں گا۔ ملائکہ آسمان و زمین میری غربت پر نوحہ کریں گے اور اسی غربت میں تمہارے باپ کی قبر کے پاس دفن کیا جاؤں گا یہ سن کر مامون نے کہا کس کی طاقت ہے کہ ایسا کرے حضرت نے فرمایا خلاف مصلحت ہے ورنہ میں قاتل کا نام بھی بتلا دیتا۔ بہر حال جب مامون نے بہت زیادہ مجبور کیا تو آپ نے بادل نخواستہ منظور کر لیا مامون نے رسم کو ادا کرنے کی تیاری کا حکم دیا چنانچہ یکم رمضان روز یکشنبہ ۲۰۱ ہجری کو اس دربار کی تاریخ مقرر ہوئی عباسیوں کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی مگر مامون نے کسی کی نہ سنی اور اپنے دربار عام میں حضرت کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا اور سب سے پہلے اپنے بیٹے عباس کو بیعت کا حکم دیا اس کے بعد ہر طبقہ کے لوگوں نے حضرت سے بیعت کی۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔

"اے حاضرین دربار باعتبار قرابت رسول ہمارا ایک حق تم پر ہے اور اسی طرح ہم پر بھی تمہارا حق ہے جب تم نے ہمارا حق ادا کیا ہے تو ہم پر بھی لازم ہے کہ تمہارا حق ادا کریں خدا کا شکر ہے کہ اس نے

ہمارے ان حقوق کی حفاظت کی جن کو لوگ ضائع کر چکے اور ہمارے ان امور کو بلند کیا جن کو لوگ گرا چکے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اسی برس تک اہل کفر و عصیان منبروں پر بیٹھ بیٹھ کر ہمارے اُوپر لعنت کرتے اور ہمارے فضائل کو چھپاتے رہے اور اس کے عوض انعام و اکرام پاتے رہے مگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ ہمارا ذکر بلند ہو اور ہماری فضیلت ظاہر ہوئی۔ خدا کی قسم! یہ ہماری وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حضرت رسولؐ خدا کی قرابت کی وجہ سے ہوا ہے یہاں تک کہ ایک دن وہ حال ہو جائے جس کی خبر صرف حضرت دے چکے ہیں یہ تمام امور حضرت رسولؐ خدا کی نبوت کے خاص آثار ہیں۔ (عیون اخبار الرضاؑ)

اس کے بعد مامون نے اپنا ولیعہد نامہ لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور خاص لوگوں کی اس پر گواہی لی اس کے بعد مامون نے چاندی سونے کے سکوں پر امام علیہ السلام کے اسم مبارک کو تحریر کرانے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ تمام سلطنت میں آپ کی ولیعہدی کا اعلان ہو اور خطبہ میں آپ کا نام نامی شامل کیا جائے۔ تمام درباری بجائے سیاہ لباس کے سبز لباس پہنا کریں۔ قومی جھنڈوں کے پھریرے بھی سبز ہوں۔ صاحب تذکرۃ الائمہ لکھتے ہیں کہ مامون کے زمانہ کی اشرفیوں پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ الملک اللہ والدین لمامون امیرالمومنین خلیفۃ الرضا امام المسلمین

ولی عہدی کا معاملہ بھی طے ہونے کے بعد جب عید کا چاند نمودار ہوا تو مامون نے امام رضا علیہ السلام سے خواہش کی کہ آپ نماز پڑھائیں حضرت نے فرمایا میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ امور سلطنت میں کوئی دخل نہ دوں گا چونکہ امامت نماز عید بادشاہی حق قرار پا چکی ہے لہٰذا مجھے اس مداخلت کا موقع نہیں۔ اس نے کہا کہ میری غرض یہ ہے کہ آپ کی ولیعہدی سب پر ظاہر ہو جائے الغرض جب زیادہ اصرار ہوا تو حضرت کو مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن اس شرط سے کہ آپ اسی طرح نماز پڑھنے تشریف لے جائیں جس طرح حضرت رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام تشریف لے جایا کرتے تھے۔

جب شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت امام علیہ السلام نماز پڑھائیں گے تو لوگوں کو حضرت کے پیچھے نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہوا مامون نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ عمدہ لباس پہن کر علی الصباح امام علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہوں جب حضرت دولت سرا سے برآمد ہوئے تو تمام امراء تعظیم کو کھڑے ہو گئے اہل شہر کا وہ ہجوم تھا کہ کہیں قدم رکھنے کو جگہ نہ تھی ہر شخص چاہتا تھا کہ قدم مبارک کا بوسہ دے۔ حضرت رسولؐ خدا اور حضرت علی مرتضیٰ کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی غرض امام علیہ السلام بڑے سلیقہ و وقار کے ساتھ صدائے تکبیر بلند کرتے ہوئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے تھوڑی تھوڑی دور پر ٹھہر کر حضرت تکبیر کہتے تھے اور آپ کے ساتھ تمام لوگ نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔

مامون کے درباریوں نے جب حضرت کی طرف لوگوں کے رجوع کا یہ حال دیکھا تو مامون سے کہنے لگے اگر امام علیہ السلام عیدگاہ تک اسی شان سے چلے گئے تو مرو کے تمام لوگ ان کے گرویدہ ہو جائیں گے اور پھر ایک شخص بھی آپ کا گرویدہ باقی نہ رہے گا اس صورت میں فساد عظیم برپا ہونے کا خطرہ ہے مصلحت یہی معلوم ہوتی ہے کہ راستہ ہی میں آپ کو روک لیا جائے۔ مامون نے ان کے کہنے کا اثر لیا اور ایک خاص آدمی کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ میں نے ناحق آپ سے اتنا اصرار کیا جس سے آپ کو زحمت ہوئی اب آپ واپس تشریف لے جائیں جو ہر سال نماز پڑھاتا تھا وہی اس سال بھی نماز پڑھائے گا۔ حضرت یہ سن کر لاحول پڑھتے ہوئے اپنی دولت سرا واپس تشریف لے آئے۔ (روضۃ الصفا)

امام علیہ السلام کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جو حق بات ہوتی تھی آپ بے خوف و ہراس اس کا اظہار فرما دیتے تھے مامون پہلے تو یہ سمجھتا تھا کہ رفتہ رفتہ امام علیہ السلام اس راہ پر آجائیں گے جس پر وہ چلانا چاہتا تھا لیکن جب یہ دیکھا کہ کسی وقت بھی حق بات کہنے سے نہیں چوکتے تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے عداوت پیدا ہوگئی۔ ایک بار امام علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ وضو کر رہا ہے اور نوکر کھڑا پانی ڈال رہا ہے آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو اس کو آپ کا ٹوکنا ناگوار معلوم ہوا مگر غصہ کو پی گیا اور خادم سے لوٹا لے کر اپنے وضو کو تمام کیا۔

رفتہ رفتہ مامون کو امام کا وجود خار کی طرح کھٹکنے لگا۔ اس کے درباری تو پہلے سے مخالف تھے ہی اب مامون کا مزاج حضرت کی طرف سے بدلا ہوا پایا تو اور شہ دینے لگے۔ آخر مامون نے امام معصوم کے قتل پر کمر باندھی امام علیہ السلام مامون کی اس حالت سے بے خبر نہ تھے آپ کو پہلے معلوم تھا کہ وہی حضرت کا قاتل ہے۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے اپنی وفات سے دو روز پہلے مجھے نصف شب گزرنے کے بعد بلا بھیجا۔ جب میں وہاں پہنچا تو آپ کو صحن خانہ میں رنجیدہ بیٹھا ہوا پایا میں سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا حضرت نے فرمایا ہرثمہ میری تمام عمر ہو گئی اور موت کا وقت نزدیک آگیا اے ہرثمہ اس شخص نے (مامون) نے پورا ارادہ کر لیا ہے کہ انگور اور انار کے دانوں میں مجھے زہر دیا جائے صورت اس کی یہ ہوگی کہ ایک تاگے کو زہر ہلاہل میں ڈبو کر سوئی میں پرو دیا جائے گا اور انگور کے دانے کئی بار اس ڈورے میں پرو دیئے جائیں گے جب زہر ان کے اندر اچھی طرح اثر کر جائے گا تو ان انگوروں کو میرے پاس بھیج دیا جائے گا۔ انار دانوں کے متعلق بھی یہی ترکیب ہوگی کہ مامون کے آدمی زہر کو اچھی طرح اپنے ہاتھوں پر ملیں گے اور پھر انہی ہاتھوں سے انار نچوڑ کر میرے لیے آب انار تیار کیا جائے گا۔ انہی چیزوں سے میری موت واقع ہوگی چونکہ ازل سے میری موت کا سبب یہی قرار پا چکا ہے اور مجھے اس سے

مطلع بھی کر دیا گیا ہے لہٰذا میں اس سے گریز نہ کروں گا۔ اور مرضیٔ خدا پر راضی ہو کر یہ زہر آلود انگور اور یہ آب انار پی لوں گا۔

اے ہرثمہ جس وقت مامون کو میری شہادت کی خبر ہو گی وہ میرے غسل و کفن کا اہتمام اپنے مال سے کرنا چاہے گا اور اپنا ظاہری خلوص دکھا کر میرے قتل کے الزام سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرے گا لہٰذا تم اس کو تنہائی میں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اگر تو میرے ان امور میں دخل دے گا تو خدا بھی تجھے ذرا مہلت نہ دے گا اور جو عذاب میرے قتل کے متعلق آخرت میں ملنے والا ہے وہ اسی دنیا میں تجھ پہ نازل ہو جائے گا اے ہرثمہ میرے مرنے کے بعد تم بھی میرے غسل و کفن میں فوراً مشغول نہ ہو جانا بلکہ یہاں تک انتظار کرنا کہ اس سفید خیمہ سے کچھ لوگوں کی آواز سنائی دینے لگے پھر تم میری لاش کو وہاں رکھ کر اس خیمہ سے باہر چلے جانا اور خبردار کسی روزن وغیرہ کے ذریعہ سے بھی ان اسرار کو معلوم کرنے کی جرأت نہ کرنا ورنہ تمہارے لیے ہلاکت کا باعث ہو گا۔

جب ان امور سے فراغت ہو جائے گی تو مامون تم کو تعریفاً کہے گا کیا شیعوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ امام کو امام ہی غسل دیتا ہے پس بتاؤں یہاں تمہارے امام کو کس نے غسل دیا کیونکہ امام رضا علیہ السلام کے فرزند تو مدینہ میں ہیں تم اس کے جواب میں کہنا بے شک شیعوں کا یہی عقیدہ ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو لیکن جب کوئی دنیا کا ظالم ترین انسان رکاوٹ پیدا کرے تو مجبوری ہے اگر میں مدینہ میں انتقال کرتا تب بھی مجھے نویں امام میرے فرزند محمد تقی غسل دیتے اور اب بھی وہی دیں گے مگر خفیہ طریقے سے۔

اے ہرثمہ جس کمرے میں میری لاش رکھی ہو تم اس کے اندر اس وقت جانا جب خود بخود اس کا دروازہ کھل جائے میری لاش کو تم غسل و کفن دیا ہوا پاؤ گے اس کے بعد میرا جنازہ قبرستان لے جانا وہاں پر مامون کی تجویز یہ ہو گی کہ وہ مجھے اپنے باپ کی پشت پر مشرق کی جانب دفن کرے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو گی کتنا ہی کھودیں گے قبر نہ کھدے گی اس وقت تم مامون سے کہہ دینا یہ جگہ میری قبر کی نہیں بلکہ ہارون کی قبر کے آگے پچھم کی طرف بڑھ کر کھودیں۔ مامون اس بات کو مان لے گا اور وہیں میری قبر کھدوائے گا تھوڑی سی مٹی ہٹانے کے بعد میری قبر کھدی ہوئی نکل آئے گی۔ مگر تم میرے دفن میں جلدی نہ کرنا تھوڑی دیر توقف کرنا قبر سے پانی نمودار ہو گا اس میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نمودار ہوں گی پھر ایک بڑی مچھلی سب کو کھا جائے گی کچھ دیر بعد وہ مچھلی تمہاری نظر سے غائب ہو جائے گی۔ پانی زمین میں جذب ہو جائے گا۔ اس وقت تم مجھے قبر میں اتارنا میری قبر خود بخود بند ہو جائے گی۔

ہرثمہ کہتے ہیں حضرت کی وصیتیں سن کر میں حد درجہ ملول ہوا اس کے بعد اپنے گھر واپس آیا تھوڑی ہی دیر

بعد مامون کا ملازم مجھے بلانے آگیا میں فوراً حاضر ہوا اس نے کہا بہت جلد امام علیہ السلام کو بلا لاؤ اگر وہ نہ آئیں گے تو میں خود وہاں حاضر ہو جاؤں گا۔

ہرثمہ نے مامون کا پیغام امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچایا آپ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے جب آپ وہاں پہنچے تو مامون تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوا اور دست بوسی کے بعد تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی اس کے سامنے طشت میں انگور کا ایک خوشہ رکھا ہوا تھا جو پہلے سے زہر آلود کر لیا گیا تھا۔ چند دانے زہر سے علیحدہ رکھے ہوئے تھے وہ اپنی طرف رکھے گئے تھے اور وہ زہر آلود انگور حضرت کی طرف بڑھا کر کہا یہ انگور بہت اعلیٰ قسم کے ہیں ان کو تناول فرمائیے میں نے آج تک ایسے لذیذ انگور نہیں کھائے۔ حضرت نے فرمایا بہشت میں اس سے کہیں زیادہ لذیذ انگور ہوں گے۔ مامون نے کہا خدا ہم اور آپ دونوں کو نصیب کرے لیکن چند دانے اس میں سے بھی کھائیے۔ فرمایا اس میں سے ایک دانہ بھی نہ کھاؤں گا۔ اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا میرا دل نہیں چاہتا اس نے کہا باوجود کہ مجھے آپ سے حد درجہ خلوص ہے لیکن آپ کا شبہ میری طرف سے دور نہیں ہوتا اگر آپ کو میری طرف سے کوئی بدگمانی ہے تو لیجئے میں خود کھا لیتا ہوں یہ کہہ کر وہ مخصوص دانے جن میں زہر نہ تھا اس نے کھائے امام علیہ السلام مجبور ہوگئے اور تین دانے اس پلیٹ میں سے تناول فرمائے کھاتے ہی زہر کا اثر محسوس ہوا فوراً وہ خوشہ دست مبارک سے پھینک دیا اور ردائے مبارک سر پر ڈالی مامون نے پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا جہاں تو بھیجنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔

ہرثمہ کہتے ہیں میں قریب شام جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے گرد طبیبوں کا ہجوم پایا وہ اپنی اپنی تجویزیں بیان کر رہے تھے باوجودیکہ میں حقیقت حال سے واقف تھا مگر مصلحتاً خاموش رہا اور رنجیدہ ملول اپنے گھر چلا آیا رات کے نو دس بجے ہوں گے کہ امام علیہ السلام کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ میں بے تاب ہو کر سر و پا برہنہ کاشانہ امامت کی طرف دوڑا۔ دیکھا کہ مامون صحن خانہ میں کھڑا مصنوعی رونا رو رہا ہے۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو مامون نے کفن دفن کا انتظام کرنا چاہا۔ میں نے اسے خلوت میں لے جا کر امام کا پیغام سنایا اس وقت اس کی بدحواسی کا ایک عجیب عالم تھا مجھ سے کہنے لگا تو جس طرح امام نے فرمایا ہے ویسا کرو اس کے بعد وہ تمام واقعات پیش آئے جو امام علیہ السلام نے اپنی زبان سے فرمائے تھے۔

جب تمام باتوں سے فراغت ہو گئی تو مامون نے مجھے تنہائی میں بلا کر کہا میں تجھے شرعی قسم دلا کر کہتا

ہوں کہ جو باتیں امام علیہ السلام کی زبانی مجھ سے کہی ہیں ہرگز دوسرے سے نہ کہنا پھر کہنے لگا کیا غسل و کفن کے علاوہ امام نے مجھ سے کچھ اور بھی کہا تھا میں نے انگوروں کے زہر آلود ہونے کا قصہ بیان کر دیا۔ اب تو مامون کی عجیب حالت تھی چہرے کا رنگ اڑ گیا، اور بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ آخر بیہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ اسی عالم میں برابر یہ کہے چلا جا رہا ہے مامون پر حضرت رسول خدا کی لعنت ہو اسی طرح ہر امام کی امام کی لعنت اپنے لیے بیان کرتا رہا۔ یہ عالم دیکھ کر جلد و جہ میں خائف ہوا اور ایک گوشہ میں جا چھپا مامون کے ملازم اسے اٹھا کر مکان کے اندر لے گئے (ملقوالیفیانی عمدۃ لخیار الرضا مطبوعہ نولکشور پریس لاہور) روضۃ الصفا میں ہے کہ آپ انار بھی مامون نے حضرت کو پلایا تھا۔

آہ عالم غربت کی موت بھی کیسی سخت موت ہوتی ہے کون تھا کہ ہمارے امام کی غربت کا جنازے پر رونا رونے والے تو بہت تھے مگر سب مدینہ میں تھے آہ! حضرت کے دل کو مرنے وقت کتنا قلق ہوا ہو گا دل میں اس کی حسرت لیے چلے گئے کہ بی بی بچے اور سب عزیز میرے سامنے ہوتے میں مرتے وقت ان کو دیکھتا وہ مجھے حسرت سے دیکھنے میں ان سے کچھ وصیتیں کرتا آہ! آہ! ہمارے سب امام یوں ہی بے جرم۔ بے قصور ظالموں کے ہاتھوں شہید کیے گئے۔ یہ مقدس نفوس ایسے نہ تھے کہ اس بے دردی سے ان کو ہلاک کیا جاتا۔

کئی ماہ بعد جب امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تو خاندان رسالت میں ایک عجیب کہرام مچا ہوا تھا سیدانیوں کے پھر سر کھلے پھر اس گھر میں نوحہ و ماتم کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آہ اس گھر والوں کو کبھی دنیا میں چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ مصیبت کے بعد دوسری مصیبت سر پر آتی رہی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

ماتم ہے آج شاہِ غریب الدیار کا بے کس کا، بے دیار کا، بے غم گسار کا

ظالم نے زہر دے کے ہے مارا امام کو — قلب و جگر ہے ٹکڑے شہ ذی وقار کا
سر ننگے فاطمہ ہیں تو حیدر ہیں نوحہ زن — قبہ لرز رہا ہے نبی کے مزار کا
مارا وطن سے دور امام انام کو — ہے غم سے چاک سینہ ہر اک سوگوار کا
کس بے کسی میں آہ امام رضا ہوئے — سونا جنازہ تھا شہ عالی وقار کا
سیدانیاں کہاں جو کہ روتیں امام کو — ماتم ہوا نہ شاہ غریب الدیار کا
ہے ہے جہاں سے شاہ خراساں گزر گئے — کیوں غیر حال ہو نہ صغار و کبار کا

سر پیٹو اے محبو قیامت کا دن ہے یہ
ماتم کرو امام غریب الدیار کا

مجلس بست و یکم

در حال ولادت امام محمد تقی علیہ السلام

تاریخ ولادت ۱۰ ماہ رجب ۱۹۵ ہجری

قصیدہ

از جناب محشر لکھنوی مرحوم و مغفور

آگئی سر پہ سفیدی ہوشیار اے روسیاہ — چھوڑ دے جہل جوانی چاہیے شرم گناہ
یہ شکستِ رنگِ رُخ ہے وجہ پیغام اجل — سر کا جھک جانا دکھاتا ہے تجھے مدفن کی راہ
ہوگیا بے نور بے رونق چراغِ عمر یوں — جس طرح آخر مہینہ میں قریب صبح ماہ
روح کو بجلی سمجھ لیں آکر آئی اور گئی — منقضی ہو جائے گا دم بھر میں وقت انتباہ
اور اعضا نے کیا جو کچھ اب اس کا ذکر کیا — وقت آخر ہے لبوں کو کردے توبہ کا گواہ
ضعف کی شدت سے تن جھک کر ہوا شکل ہلال — اور تھی منزاب تو ل سے دور کر دنیا کی چاہ
پیروی نفسِ امارہ کی آخر حد بھی ہے — اس جنوں نے کر دیا سرمایۂ دیں کو تباہ
عشق دنیا میں زمیں گیری ہے اصل مدعا — گو بظاہر ضعف سے گر پڑکے تو چلتا ہے راہ

سوز الفت سے بنان دہر کے کیا مل گیا
تن کھلایا کیوں نہ عشق کبریا میں شکل ماہ

کعبہ مقصود کی جانب چلا آ بے خطر
ترک کر لشد فکر راہ دیر و خانقاہ

کل یہی سردار ہوں گی رہ دوں کی ٹھوکریں
جس پہ کج رکھی ہے تو نے آج نخوت سے کلاہ

یہ جواہر تیرگی قبر کھو سکتے نہیں
جو کر ہیں ملبوس میں تابندہ شکل مہر و ماہ

یہ تجلی جو کر ہے بزم طرب انگیز میں
صبح ہوتے ہی دکھا دے گی تجھے روز سیاہ

پہلوئے دلدار میں سونے کی لذت سے خوشی
حشر تک کے واسطہ بھولا عدم کی خواب گاہ

ہوش کی صورت اڑا دل سے خیال امر و نہی
بادہ عشرت سے یوں بے خود ہے خالق کی پناہ

پردے آنکھوں پہ پڑے ہیں راحت و آرام کے
کیا نہیں در پیش تجھ کو ایک دن مشکل کی راہ

دل کا بندہ ہو کے جینا تیرے کس کام آئے گا
آستانِ یار پر سجدہ نہ کر شام و پگاہ

شاہد حسن عمل کے وصل کی تدبیر کر
بالش زانوئے جاناں کو نہ جان آرام گاہ

جنس اعمال حسن کچھ پاس ہے او تنگدست
لے چلا کیا نذر دینے کو حضور بادشاہ

خلعت تقویٰ سے اس تن کو چھپانا چاہیئے
سر سے پا تک جس پہ ہیں بے انتہا داغ گناہ

اپنے دل میں دے غم عشق حقیقی کو جگہ
ڈھونڈتا ہے آسماں افگن اگر تاثیر آہ

میرے ساتھ آ محفل تقویٰ میں تجھکو لے چلوں
ترک کر گر نفس امارہ دکھا دے کوئی راہ

کون محفل جس کا ہے سردار ہادی نہم
جو ہوا موسیٰ رضا کے بعد عالم بھر کا شاہ

زیب اورنگ امامت بانی جود و سخا
قیصر تاج ریاست خسرو گیتی پناہ

بس کہ ہمنام محمد تھے خدا کے فضل سے
ہر زباں پر ان کے صدقہ میں تھا شور لاالہٰ

قلزم عفو و کرم میں اتنا تھا جوش و خروش
آب رحمت سے تھا مملو جو زمانہ میں تھا چاہ

وقت نظارہ اگر ہو ضو فگن قصر رفیع
اشک کی صورت نشیمن سے گرے مرغ نگاہ

عدل ان کا ساکنانِ ارض سے کیا ہو بیاں
جس کے در پہ آسماں والوں کو ملتی ہے پناہ

وہ نہیب عدل ہے حاضر ہوں ہر دو اگر
ایک ہی حالت میں مقتول و قاتل کی نگاہ

ان کے سنگ آستاں کا لے اگر بوسہ کبھی
نکلے ہر بت کی زباں سے بے تکلف لاالہ

رحم ان کا دے اگر جمعیت خاطر کا حکم
کر سکے ہرگز نہ صرصر خاک صحرا کو تباہ

ذات سے ان کی نظام دنیوی کو ہے قرار
حکم سے ان کے ہے مہر و ماہ کی خوف راہ

مطلع پر نور مختصر مدح آقا میں پڑھو
خیرہ ہو درخشندگی سے جس کی چشم مہر و ماہ

مطلع

شوق ان کی دید کا دل میں اگر پا جائے راہ
پائے وسعت اور بھی یوسف کا دامانِ نگاہ

ارتفاعِ آستانِ شہ جو دیکھیں شوق میں
گر پڑے سطحِ زمیں پر سر سے عیسیٰ کے کلاہ

وہ مقامِ کبریا یہ نورِ خالق کا مقام
عرش سے کچھ کم نہیں مرتبہ ان کی بارگاہ کا

چند محتاجوں کو کچھ دے کر بنا حاتم سخی
آپ کے دستِ کرم نے کر دیا لاکھوں کو شاہ

دوستوں کے واسطے ان کی مددگاری سپر
دشمنوں کو جنگ میں تلوار ان کی بے پناہ

بیلنو کو آپ اگر بخشش شکوہ و منزلت
نصر اسکندر سے بڑھ کر ہو گدا کی خانقاہ

عرش سے تحت الثریٰ تک جتنی مخلوقات ہیں
آپ کی شان مراتب کے ازل سے ہیں گواہ

بادشاہی آپ کے نقشِ قدم سے پست ہے
آپ کی نعلین فرقِ عرشِ اعظم کی کلاہ

ناتواں کو عطا فرمائیں زور جذب اگر
بے تکلف کھینچ لائے کہر بار برگ کاہ

ہو نگاہِ قہرِ مولا کی جو وقتِ دار و گیر
سامنے سے بھاگے مثلِ تیر دشمن کی سپاہ

رحم ان کا ہو اسیروں کا اگر راحت رساں
مثلِ آغوشِ زلیخا ہو مکان کو چاہ

بچپنے میں یوں دیئے یحییٰ بن اکثم کو جواب
ہر طرف تھا مجلسِ دشمن میں شورِ واہ واہ

ناصیہ سائی جو کی تھی آستاں پر آپ کے
نیرِ اعظم اسی سے ہیں ملائک کے خیاہ

بسمل مجبور کو بخشیں جو زورِ امکاں کا
ریگ بن دریا کے بدلے کرسکے ماہی شناہ

آپ کے بدخواہ سے قہرِ الٰہی متصل
رحمت اللہ سے موصول ان کا خیر خواہ

ان کے خورشیدِ مراتب پر جو چشمک زن دہر
اس کی نظروں میں ہو مثلِ شبِ تیرہ دنیا سیاہ

نزع کے ہنگام جس کے دل میں ہو یاد آپ کی
صورتِ آغوشِ مادر دے احل اس کو پناہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (سورہ التین ۴/۹۵)

بے شک ہم نے انسان کو اچھے کینڈے کا پیدا کیا پھر ہم نے اسے (بوڑھا کر کے) پست سے پست حالت کی طرف لوٹا دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہترین خلقت کا ذکر فرمایا ہے دیکھو بچپن میں وہ کتنا پیارا ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اس پر پیار آتا ہے اس کے بعد اور آگے بڑھتا ہے تو شباب کا رنگ اس کے چہرہ پر کھیلتا ہے یہ حیات انسانی کے لیے بہار کا زمانہ ہوتا ہے بدصورت سے بدصورت بھونڈے سے بھونڈا آدمی بھی نکھر جاتا ہے اور حسینوں کا تو ذکر ہی کیا ان کی جو ادا ہوتی ہے دلفریب معلوم ہوتی ہے ہر عضو میں وہ دلکشی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ کچھ مدت کے بعد یہ فصل بہار رخصت ہونے لگتی ہے اور لہلہاتے دل لبھاتے چمن پر خزاں کا حملہ ہوتا ہے بڑھاپے کا گلچیں باغ جوانی کے ایک ایک پھول کو چننا شروع کر دیتا ہے نہ وہ رنگ وروپ رہتا ہے نہ وہ چمک دمک، نہ وہ دلکشی، نہ وہ دلفریبی، کھال جھریا جاتی ہے۔ رنگ وروغن اڑ جاتا ہے تو اسکے بدن میں اضمحلال پیدا ہونے لگتا ہے کام کرنے کی ہمت نہیں رہتی اعمال خیر بجالانے کی طاقت نہیں رہتی بچپن کی بے خبری، جوانی کی غفلت اب یاد آتی ہے اور کف افسوس مل کر کہتا ہے۔ ہائے میں نے کچھ نہ کیا کام کا وقت لغویات میں گنوا دیا عمر کا بہترین حصہ دنیا کے حصول میں بسر کر دیا اب کوچ کا وقت قریب آ لگا سفر کی تیاریاں کروں تو کیسے کروں آخرت کا ہولناک سفر درپیش ہے جو بہت طولانی ہے نا دراہ پاس نہیں کوئی مونس و غمگسار ساتھ نہیں کیا کروں کس سے کہوں عمر واپس نہیں آسکتی بدی نیکی سے بدل نہیں سکتی ہاں جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کے پاس اعمال صالحہ کا کافی ذخیرہ ہے وہ مطمئن نظر آتے ہیں ان کی نیکیاں بارگاہ ایزدی میں پہنچی ہوئی ہوتی ہیں ان کو خالق عادل کی سرکار سے بے حساب اجر ملنے کی امید ہوتی ہے بڑھاپے کی سختیاں پیری کا ضعف ان کو مغموم و محزون نہیں بناتا۔

قدرت ایزدی نے انسانیت کے دو بازو قرار دیئے ہیں ایک ایمان اور دوسرا عمل صالح ان میں سے اگر ایک بھی کمزور ہو جائے گا تو انسانیت کو معراج حاصل نہیں ہو سکتی جس طرح کسی پرندے کے بازو بیکار ہو جانے یا ایک کے کمزور پڑ جانے سے وہ اڑ نہیں سکتا اسی طرح جس انسان کے یہ دونوں بازو نہیں یا ان میں سے ایک کمزور ہے تو وہ بھی ہر قسم کی ترقی سے محروم ہو جاتا ہے اور دین و دنیا میں اس کو خسارہ نصیب ہوتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح ایسی چیزیں ہیں کہ دنیا میں بھی انہی سے ترقی اور نیک نامی ہوتی ہے اور آخرت

میں بھی راحت ابدی انہی سے حاصل ہوتی ہے اگر دنیا سے ایمان و عمل صالح اٹھ جائے تو اس میں وحشت و بربریت کی عملداری قائم ہو جائے گی نہ پھر تمدن قائم رہ سکتا ہے نہ حقوق الناس اور حقوق اللہ کی حفاظت ہو سکتی ہے اور جہاں ان چیزوں کا فقدان ہوگا وہاں امن و امان بھی قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح بغیر ایمان صالح کے آخرت کی نجات بھی ناممکن ہے۔

جا بجا قرآن میں ایمان و عمل صالح کی تعلیم دی گئی ہے اور انہی دو چیزوں کو ذریعہ نجات آخرت بتایا گیا ہے بس جو لوگ عاقبت بین ہیں اور جن کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے نہیں وہ شروع عمر ہی سے اپنے ان دونوں بازوؤں کو مضبوط بنائے چلے جاتے ہیں۔ اور ایمان میں جتنی قوت اور عمل صالح میں جتنا زور پیدا کر ان سے ممکن ہوتا ہے پیدا کر لیتے ہیں ان دونوں بازوؤں سے کتنی اونچی پرواز ایک انسان کر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے آدمی کا کیا ذکر فرشتے بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ان بازوؤں کے زور پر انسان اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جہاں جانے کے تصور میں فرشتوں کے پر جلنے لگتے ہیں دیکھو جب انسان کامل اپنے ان دونوں بازوؤں کے زور میں زمین سے اٹھتا ہے تو آسمانوں کے اوراق الٹتا ہوا سدرہ تک پہنچتا ہے جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ جو یہاں تک اپنے ملکی بازوؤں کے ساتھ ساتھ اڑا چلا جاتا ہے اس مقام پر اپنا دم توڑ دیتا ہے اور وہیں سدرہ پر ٹھٹک کر رہ جاتا ہے اور زبان عجز سے یہ کہتا سنائی دیتا ہے لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاَحْتَرَقْتُ۔ (اگر اب ایک انگلی کے برابر اونچا ہوں گا تو جل جاؤں گا) فرشتہ اپنے بازو کمزور پاکر رہ جاتا ہے اور انسان مادی اپنے ایمان صالح کے بازوؤں کی طاقت پر وہاں سے آگے کو بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ جاتا ہے بس یہ مقام عالم امکان کا آخری نقطہ ہے اس کے اوپر عالم وجوب ہے قدم کی بارگاہ ہے الوہیت کی جلوہ گاہ ہے۔ یہ قاب قوسین جس کو مسجد اقصیٰ بھی کہتے ہیں انسانی معراج کی ایسی آخری منزل ہے کہ اس سے بالاتر کوئی منزل نہیں۔ مسجد اقصیٰ اسی کا نام ہے اسی لیے کہ یہ سجدہ کرنے کی آخری جگہ ہے غور کرو اس مسجد اقصیٰ پر سجدہ کرنے والا خدا کا کیا مقرب بندہ ہے کہ جہاں فرشتوں کو سجدہ کرنا نصیب نہیں ہوتا وہاں یہ انسان کامل سجدہ کر رہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

ایمان اور عمل صالح کا ثبوت انسان کے تقویٰ سے ملا کرتا ہے جو شخص متقی و پرہیزگار نہیں وہ کیا اوامر و نواہی کو سمجھے گا۔ اور کیا خاک اپنے ایمان و عمل صالح کا مظاہرہ کرائے گا کتاب خدا کی ہدایت مختص ہے متقیوں کے ساتھ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورہ البقرہ ۲/۲) تقویٰ تمام حسنات کی جڑ ہے متقی بندہ ہی خدا سے اجر بے حساب پانے کا مستحق ہے غور کیجئے کتنا صاحب تقویٰ تھا ہمارا امام جس کا لقب تقی تھا چونکہ آج ہمارے نویں

امام جناب محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کا دن ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ آج اس امام عالی مقام کے حالات زندگی پر روشنی ڈالوں۔ آج زہد و تقویٰ کا چہرہ خوشی سے کھل کھلا رہا ہے کہ آج دنیا میں اس کا قدردان آرہا ہے محراب عبادت جگمگا رہا ہے کہ اس کی رونق اس کی زینت منصہ شہود پر جلوہ گر ہونیوالی ہے علم و فضل کو ناز ہے کہ ان کی بزم قدس میں ایک نوراں چراغ ضیا باری کے لیے اور آگیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

منقول ہے کہ ہمارے نویں امام جن کا نام نامی محمد کنیت ابوجعفر اور لقب مبارک تقی ہے ۱۰ ماہ رجب ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سبیکہ نوبیہ تھا یہ خاتون حضرت رسولؐ خدا کی بی بی ام المومنین ماریہ قبطیہ کے رشتہ داروں میں تھیں جس زمانہ میں امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے یہ ابن عباسی کا سلطنت کا زمانہ تھا۔

حضرت کے حالات زندگی بہت ہی مختصر ہیں کیونکہ آپ کی عمر کل پچیس سال کی ہوئی پھر یہ زمانہ بھی مخالفتوں کی کثرت سے انتہائی پریشانی میں گزرا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن حکیمہ خاتون بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے بلا کر کہا آج تم گھر جاؤ خیزران (یہ دوسرا نام حضرت کی والدہ کا ہے) کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ جب رات ہوئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں بھی بلالی گئیں نصف شب سے زیادہ گزرنے پر یکایک آثار وضع حمل نمودار ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ تھے میں نے فوراً ان کو اپنی گود میں لے کر نہلانے کے لیے طشت میں بٹھایا۔ اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہوگیا مگر اس پر بھی تاریکی نہ ہوئی اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے ان کو نہلا دیا تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لائے میں نے جلدی سے صاحبزادے کو کپڑے پہنا کر حضرت کی گود میں دے دیا۔ آپ نے آنکھوں اور سر پر بوسہ دے کر پھر مجھے واپس کردیا۔ دو دن تک امام علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں تیسرے دن جب آنکھیں کھلیں تو حضرت نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی پھر داہنے بائیں دیکھ کر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ۔ رسولؐ اللہ اپنی زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو یہ میرا فرزند حجت خدا و وصی رسولؐ ہے جو عجائب اس سے ظہور میں وہ محل تعجب نہیں۔

محمد بن علی ناقل ہیں کہ ایک دن امام رضا علیہ السلام امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنی گود میں لیے بیٹھے تھے مجھ سے فرمایا اس بچہ کے جسم سے کُرتا اٹھا کر دیکھو میں نے دیکھا تو آپ کے جسم مبارک پر ایک انگوٹھی کے نگ جیسا نشان نظر آیا جیسے کسی نے مہر لگا دی ہو حضرت نے مجھ سے فرمایا پدر بزرگوار کے دونوں شانوں کے درمیان بھی ایسا ہی نشان تھا۔

فرقہ واقفیہ امام رضا علیہ السلام سے سخت مخالفت رکھتا تھا ایک دن اس گروہ کا سردار ابو قیام آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہو گا حضرت نے امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس نے کہا یہ تو ابھی تین ہی برس کے ہیں۔ اگر بالفرض کل آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا صورت ہو گی۔ حضرت نے فرمایا تم کو میرے بچے کی عمر پر تو اعتراض ہے لیکن حضرت عیسیٰ سے متعلق کچھ نہیں کہ ان کو بطن مادر سے جُدا ہوتے ہی خدا نے اپنا نبی بنا دیا تھا اور کتاب بھی دے دی تھی۔ چنانچہ قرآن میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا گیا ہے اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (سورہ مریم ۱۹/۳۰) جب پیدائش کے وقت ان کو یہ فضیلت حاصل تھی تو تین برس کے بعد حاصل ہونے میں کیوں تعجب ہے۔

امام رضا علیہ السلام کے خاندان والے آپ کی جلالت۔ قدر اور روحانی اثرات پر حسد کرتے تھے۔ پہلے تو یہ مخالفت اس وجہ سے دبی رہی کہ وہ جانتے تھے حضرت کے کوئی اولاد نہیں آپ کی تمام جائیداد کے مالک ہم ہوں گے لیکن جب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تو کھلم کھلا مخالفت پر اُتر آئے اور کہنا شروع کیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام چونکہ رنگ میں امام رضا علیہ السلام سے نہیں ملتے لہٰذا یہ ان کے فرزند نہیں ہم کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے ان کو بیٹا بنا لیا ہے حضرت کے سوتیلے بھائی اس مخالفت میں پیش پیش تھے ہرچند آپ نے سمجھایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا آخر قیافہ شناسوں کو بلایا گیا اور انہوں نے سب کے سامنے تصدیق کی اور سب لوگ شرمندہ ہوئے ہمارے آٹھویں امام کیسے صبر و تحمل کے آدمی تھے کہ ایسی لغو باتوں کو برداشت کیا دوسرا ہوتا تو خون خرابہ کر بیٹھتا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے سر پر سایہ پدری صرف ساڑھے پانچ سال رہا۔ ہمارے آئمہ میں سے کسی امام پر اتنی کم سنی میں مصیبت نازل نہیں ہوئی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی آپ کی امامت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ کمسن تھے مگر امامت منصوصہ میں کم سنی کا لحاظ نہیں ہوتا آپ کو بچپن ہی میں عرب کے بڑے بڑے عالموں سے مباحثے کرنا پڑے لیکن کسی مناظرے میں آپ کسی سے ہارے

نہیں۔ ہمیشہ ان کو نیچا ہی دکھایا۔

جب امام رضا علیہ السلام کو مامون نے مدینہ سے اپنے دارالسلطنت مرو میں بلایا تھا۔ اس وقت امام محمد تقی علیہ السلام کا سن کل چار ہی برس کا تھا اس کے بعد آپ پھر اپنے پدر بزرگوار سے نہ مل سکے۔

ایک دن امام محمد تقی علیہ السلام جن کا سن نو دس برس کا تھا بغداد کے ایک کوچہ میں چند کھیلنے والے لڑکوں کے پاس کھڑے ہوئے تھے مامون کی سواری آتی دیکھ کر اور سب لڑکے تو بھاگ گئے لیکن امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ پر بدستور کھڑے رہے مامون نے آگے بڑھ کر آپ سے پوچھا اے لڑکے تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا اے امیر راستہ تنگ نہ تھا اور مجھے آپ کی طرف سے کسی بے قصور کو سزا دینے کا گمان نہ تھا پھر میں کیوں بھاگ جاتا۔ مامون کو یہ بات بہت پسند آئی۔ پوچھا صاحبزادے تمہارا اور تمہارے باپ کا نام کیا ہے۔ فرمایا میں محمد ہوں امام رضا علیہ السلام میرے والد بزرگوار تھے۔ مامون کو آپ کی حالت پر بڑا ترس آیا اور وہاں سے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا وہ اس وقت شکار کھیلنے جا رہا تھا اس کے ہمراہ چند باز تھے جب آبادی سے دور نکل گیا تو باز کو چھوڑا وہ نظروں سے غائب ہوا اور کچھ دیر بعد لوٹا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی مامون کو اس سے سخت تعجب ہوا وہاں سے واپسی میں پھر لڑکے کھیلتے ہوئے ملے اور سب تو بھاگ گئے مگر امام محمد تقی علیہ السلام پھر بدستور کھڑے رہے۔ مامون نے قریب جا کر کہا بتایئے میرے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے فرمایا خدا نے اپنے دریائے قدرت میں ننھی ننھی مچھلیاں پیدا کیں ہیں جن کو بادشاہوں کے باز شکار کرتے ہیں اور اہل بیت کے فرزندان کی خبر دیا کرتے ہیں (صواعق محرقہ)

امام علیہ السلام کی زبان سے معقول جواب سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ آپ امام رضا علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ مامون نے اپنی شفقت کا اظہار کیا اور بڑی خواہش کے ساتھ امام علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے گیا اور محل شاہی کے قریب ایک مکان آپ کے رہنے کے لیے دے دیا اس روز کے بعد سے وہ آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کرنے لگا۔ اس کی وجہ ایک تو آپ کی ذاتی قابلیت تھی دوسرے اپنی نظر میں ان ناروا حرکات کی تلافی سمجھتا تھا۔ جو آپ کے پدر بزرگوار کے ساتھ کر چکا تھا وہ ہر روز آپ کو دربار شاہی میں بلا کر اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا اور آپ کی ہدایات سے فائدہ حاصل کرتا تھا مامون چونکہ خود بھی عالم تھا اور عالموں کا قدردان بھی تھا لہذا اس کی محفل ہمیشہ علماء سے بھری رہتی تھی اور اکثر اوقات علمی مسائل پر بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا امام محمد تقی علیہ السلام کی موجودگی سے ان جلسوں کی رونق اور بھی زیادہ ہو گئی مامون ہر روز اپنی صحبت کے علماء میں سے کسی ایک کو بحث پر آمادہ کر دیتا تھا آپ ایسا مدلل جواب دیتے تھے کہ لب کشائی کا موقع نہ رہتا تھا۔

اوّل تو عباسی لوگ اسی بات پر جلتے تھے کہ مامون امام محمد تقیؑ کو اپنے تخت پر بٹھاتا تھا پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ اس نے اپنی چھوٹی بیٹی ام الفضل کا عقد حضرت کے ساتھ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس بات پر عباسیوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہوگیا اور چھوٹے بڑے سب ایک مرتبہ ہی اس عقد کی مخالفت کرنے لگے مگر مامون نے ان کی ایک نہ سنی اور بدستور اپنے ارادہ پر قائم رہا۔

ایک بار مامون کے بھرے دربار میں قاضی یحیٰ بن اکثم سے حضرت کا مناظرہ قرار پایا یحیٰ دربار مامون کا سب سے بڑا عالم تھا۔

یحیٰ : اگر کسی شخص نے حالت احرام میں شکار کیا ہو تو بتایئے اس کا کفارہ کیا ہے ؟

امام : (مسکرا کر) یہ سوال تو بالکل مہمل ہے پہلے تو یہ بتایئے کہ اس محرّم (احرام باندھنے والا) نے کہاں شکار کیا حل میں یا حرم میں وہ محرّم عالم مسئلہ تھا یا جاہل۔ عمداً شکار کیا یا سہواً۔ آزاد تھا یا غلام بالغ تھا یا نابالغ۔ اس نے پہلی مرتبہ شکار کیا تھا یا اس سے قبل بھی کئی بار کر چکا تھا۔ وہ شکار پرند تھا یا چوپایہ چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ اپنے اس فعل پر مصر تھا یا نادم۔ شکار رات کو کیا تھا یا دن کو۔ وہ احرام حج کا تھا یا عمرہ کا۔

یہ سن کر قاضی صاحب تو سناٹے میں آگئے سکتہ کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے جب زیادہ دیر سکوت رہا تو مامون سے نہ رہا گیا اس نے امام علیہ السلام سے کہا یہ تو بتا چکے اب آپ اس مسئلہ پر زیادہ مفصل روشنی ڈالیے۔

امام : اگر کوئی مُحرِم مقام حل میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اگر وحشی چوپاؤں میں سے کسی بچہ کو حل میں شکار کیا ہے تو اس کے عوض ایک دُنبہ کا بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ میں دینا ہوگا اگر وہ شکار ہرن کا ہے تو ایک بکری اس کے معاوضہ میں دینا پڑے گی اور یہ تمام کفارے وحشی جانوروں کے متعلق اس وقت دینے ہوں گے جب ان جانوروں کا شکار حل میں کیا ہو لیکن اگر حرم میں کیا ہوگا تو یہ کفارہ دوچند ہو جائیں گے اور جو جانور کفارہ میں دے گا انہیں خود خانہ کعبہ تک پہنچانا ہوگا۔ اور اگر اس شخص نے احرام حج کا بھی باندھا ہے تو ان جانوروں کو منیٰ میں اور اگر عمرہ کا باندھا ہے تو مکہ میں قربان کرنا ہوگی اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں۔ عمداً صید کرنے والا گنہگار ہے البتہ حالت سہو میں کوئی گناہ نہیں۔ مرد آزاد کے لیے کفارہ خود اس کی ذات پر ہے اور غلام کا کفارہ اس کے مالک پر واجب ہے اور جو شخص اپنے شکار پر نادم ہو تو اس سے عذاب آخرت دور رہے گا۔ اور اگر اپنے فعل پر مصر ہے تو عذاب آخرت بھی ہوگا۔

یہ جواب سن کر ساری محفل حیران رہ گئی اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مامون کا خوشی سے عجب حال ہوا بار بار حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے (اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ) (سورہ الانعام ۴ /۱۲۴) اس کے بعد امام علیہ السلام نے قاضی یحیٰی سے فرمایا اب میں بھی تم سے ایک سوال کروں۔

مامون: ضرور کیجئے۔ میری بھی دلی خواہش ہے۔

یحیٰی: (سر نیچا کر کے) ضرور کیجئے۔

امام: بتاؤ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ صبح کو ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا تو وہ اس پر حرام تھی۔ طلوع آفتاب کے وقت حلال ہوگئی ظہر کے وقت پھر حرام ہوگئی عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی مغرب کے وقت پھر حرام ہوگئی۔ شام کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کے وقت پھر حرام ہوگئی۔ صبح کو پھر حلال ہوگئی۔

یحیٰی: (شرمندہ ہوکر) میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ آپ ہی فرمائیے۔

امام: اچھا سنو! ایک مرد اجنبی نے ایک کنیز کی طرف دیکھا اس وقت وہ اس پر حرام تھی طلوع آفتاب کے وقت اس نے خرید لیا حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس نے آزاد کر دیا حرام ہوگئی عصر کے وقت نکاح کر لیا حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت ظہار کیا۔ (اگر کوئی شخص اپنی بی بی سے کہہ دے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو ایسا کہنے سے عورت تا ادائے کفارہ حرام ہو جاتی ہے) حرام ہوگئی عشا کے وقت اس کا کفارہ دے دیا حلال ہوگئی پھر رات کو اس نے طلاق رجعی دے دی حرام ہوگئی۔ صبح کو پھر رجوع کر لیا حلال ہوگئی۔

یہ سن کر مامون نے عباسیوں سے کہا کیا ان کے مقابل کوئی عالم تمہاری نظر میں ہے یہ سن کر سب نے اپنے سر جھکا لیے اس مناظرے کے بعد مامون نے بھرے دربار میں اپنی لڑکی ام الفضل کا عقد امام محمد تقی علیہ السلام سے کر دیا اور عباسیوں کی مخالفت کا کوئی خیال نہ کیا۔ تقریباً ایک سال بعد امام علیہ السلام کو ام الفضل کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ ام الفضل کچھ اچھی بی بی ثابت نہ ہوئی وہ عباسیوں کے بہکانے میں آگئی اور حضرت کی شکایتوں کے خطوط مامون کو بھیجنے لگی وہ اس امر میں کوشاں رہی کہ کسی طرح مامون حضرت کا جانی دشمن بن جائے۔ مامون نے جواب میں لکھا ہم نے تمہارا نکاح ان کے ساتھ اس لیے نہیں کیا کہ تم ان کی شکایتیں ہم کو لکھا کرو آئندہ ایسے خطوط نہ لکھنا۔ ام الفضل سے چونکہ عباسیوں کی خط و کتابت کا سلسلہ رہتا تھا اس لیے آخر وقت تک حضرت کی مخالفت ہی میں رہی اور آخر وہی حضرت کی شہادت کا سبب بنی۔

بغداد میں تقریباً آٹھ سال امام علیہ السلام کا قیام رہا۔ اس مدت میں آپ کے بھی وہی مشاغل رہے

جو آپ کے آبائے اکرام کے تھے یعنی تعلیم وارشاد، تلقین وہدایت، ہر طبقہ کے اور ہر فرقہ کے لوگ آپ سے تحصیل علوم کے لیے حاضر خدمت ہوتے تھے جس کو جو مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو بے تکلف حضرت کی خدمت میں چلا آتا کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہ تھی جب حضرت مدینہ تشریف لائے تو یہاں بھی اہل علم ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض حاصل کرتے رہے آپ مسائل کا جواب دینے سے اکتاتے ہی نہ تھے یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں ہزارہا مسئلے آپ سے پوچھے جاتے تھے۔ اور آپ بڑے استقلال سے سب کا جواب دیتے تھے۔ بغداد سے آکر مدینہ میں آپ کا قیام کل ساڑھے سات سال رہا۔ یہ سب زمانہ لوگوں کی تعلیم و تلقین ہی میں بسر ہوا نہ صرف مدینہ کے اہل علم بلکہ عراق، یمن حضر موت الجزائر شام اور مصر تک کے لوگ آپ سے علمی اور روحانی فیوض حاصل کرنے کے لیے جوق در جوق آتے رہتے تھے اور واپس جاکر اپنی قوم اور قبیلہ میں آپ کے علم و فضل کا چرچا کرتے تھے اور ہر سال مشتاقوں کا ایک جم غفیر مدینہ میں آموجود ہوجاتا تھا۔

مدینہ منورہ سے زیادہ مکہ معظمہ میں (خصوصاً ایام حج میں) شائقین و مومنین کی کثرت ہوتی تھی اور ہر شخص اس امر میں کوشاں ہوتا تھا کہ سب سے پہلے میں ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر فیض حاصل کرلوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

علی بن جعفر صادق امام رضا علیہ السلام کے چچا ہوتے تھے اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے دادا یہ بزرگ بڑے صاحب کمال اور ذی استعداد عالم باعمل تھے اس زمانہ میں تمام حجاز کے علماء کا مرکز و مرجع بنے ہوئے تھے ان کا حلقہ درس بڑا وسیع تھا جس میں مدینہ کے تمام علماء و فضلا درس پایا کرتے تھے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد سے اب تک وہ مسجد رسول میں درس دیا کرتے تھے اور مدینہ منورہ مکہ معظمہ بلکہ حجاز و یمامہ کے بڑے بڑے لوگ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ایک روز جب کہ مسجد رسول میں بیٹھے اہل علم کو درس دے رہے تھے حضرت امام محمد تقی وہاں تشریف لے آئے علی بن جعفر امام علیہ السلام کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر آپ کی آنکھوں اور ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت تعظیم کے ساتھ آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا دادا آپ پر خدا کی رحمت نازل ہو اب آپ زیادہ زحمت نہ فرمائیں فرش پر بیٹھ جائیں انھوں نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہوگا کہ آپ کھڑے رہیں اور میں بیٹھ جاؤں جب تک حضرت نہ بیٹھے علی بن جعفر جیسے مقدس بزرگ کھڑے رہے۔

جب امام علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے اعتراضاً علی بن جعفر سے کہا آپ نے اس کم سن لڑکے کو اتنی تعظیم و تکریم کی یہ امر آپ کی شان اور رشتہ داری دونوں کے خلاف ہے یہ سنتے ہی آپ کو غیظ آ گیا اور اس شخص کو ڈانٹ کر کہا کیا فضول بکتے ہو چپ رہو پھر اپنی سفید داڑھی کو پکڑ کر کہا میں اس کو کیا کروں کہ خدا نے میری اس سفید داڑھی کو اس مرتبہ کے قابل نہیں سمجھا جس مرتبہ کے لائق یہ جوان ہے اس کو خدا نے اس مقام پر پہنچایا ہے جو علم امامت کے لیے مخصوص ہے پس میں اس بارے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ اس جوان کی فضیلت کا انکار کروں بلکہ میں تو اس کا غلام ہوں اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی ذاتی وجاہت و فضیلت کس مرتبہ پر تھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

مجلس بست و دوم

درحال شہادت امام محمد تقی علیہ السّلام

آخر ماہ ذی قعدہ ۲۳۰ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ فِی کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ وَ فُرْقَانِہِ الْحَمِیْد

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ط (سورہ الشوریٰ ۴۲/۲۳)

(اے رسول کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں چاہتا مگر یہ کہ میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو) اس آیت کی شان نزول میں وارد ہوا ہے کہ ایک بار کچھ اصحاب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے۔ حضور نے دین اسلام کی تبلیغ میں بڑی سخت محنت برداشت کی ہے یہاں تک کہ اپنی جان تک کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس جانفشانی کا اجر آپ کو دیں۔ لہٰذا مال دنیا جو کچھ حضور کو درکار ہو بیان فرمادیں۔ آپ نے فرمایا میں بغیر نزول وحی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ اس کے متعلق جو وحی نازل ہوئی وہ وہی آیت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

اس میں دو لفظ توضیح طلب ہیں اول مودت۔ دوسرے ذوی القربیٰ۔ مودت اخص محبت کا نام ہے یعنی ایثار المحبوب علی سائر المصحوب (دنیا کی تمام چیزوں پر اپنے محبوب کو ترجیح دینا) اور ان سے زیادہ محبت کے قابل کسی چیز کو نہ سمجھنا دنیا میں محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے تمام عالم کا نظام برقرار ہے۔ اگر مادے کے باہمی اجزا میں محبت نہ ہو تو کوئی جسم وجود میں نہیں آسکتا اور نہ دنیا کا کوئی کاروبار چل سکتا ہے۔ ایک

شاعر کہتا ہے ؎

سر حب ازل در ہمہ اشیا ساری است
ورنہ بر گل نہ زدے بلبل بے دل فریاد

محبت ہمدردی کی مقناطیس اور قلوب کی جاذب ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جو کوئی ہم سے محبت کرتا ہے ہم بھی اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں محبت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ محب کو اپنے محبوب کی ہر بات پیاری معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اپنے محبوب کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے اسی کو اطاعت کہتے ہیں گویا محبت و اطاعت دونوں لازم و ملزوم چیزیں ہیں جہاں محبت ہے وہاں اطاعت ضرور ہے جیسا کہ آیت اس کو بیان کر رہی ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورہ آل عمران ا ع ۲) (اے رسول کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا) جس شخص کو اپنی اطاعت دوسروں سے کرانی منظور ہو اس کو چاہیے کہ اپنی محبت کا جال دوسروں کے قلوب پر پھینکے۔ دوسرا لفظ ذوی القربیٰ ہے۔ اس سے مراد علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ اور ان کی اولاد ہے جیسا کہ حضرت رسول خدا نے صراحتہً یہ نام بیان کر کے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔

خداوند عالم نے اجر رسالت الیسا معین فرمایا ہے کہ ہر مسلمان ہر موقع پر آسانی سے اس کو ادا کر سکتا ہے اور اس سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ کہ اجر رسالت جو قرار دیا گیا ہے وہ خود مسلمانوں ہی کے لیے مفید ہے اور ہر طرح انہی کے حق میں بہتر ہے اگر مال و دولت کو اجر قرار دیا جاتا تو بہت کم لوگ اس کو ادا کرتے۔ غریب لوگ تو اس سعادت سے محروم ہو جاتے اور چونکہ انسان کو مال دنیا کی محبت بہت زیادہ ہے اس لیے مالدار لوگ بھی یہ اجر ادا کرنے سے قاصر رہتے اس کی بدیہی مثال یہ ہے کہ اولاد رسول کا حق خمس میں رکھا تھا دیکھو عام مسلمانوں نے کس طرح اس حق کے ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ پس یہی حشر اجر رسالت کا نہ ہوتا جب مسلمانوں نے اپنی محبت سے اجر رسالت ادا نہ کیا تو بھلا مال سے کیا ادا کرتے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس فائدہ کو سمجھا ہی نہیں جو ذوی القربیٰ کی محبت میں ان کو حاصل ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ گمراہی سے بچ جاتے کیونکہ ذوی القربیٰ رسول معصوم تھے پس معصومین کے پیچھے چلنے سے ہی ان کو نجات حاصل ہو سکتی تھی کیونکہ ذوی القربیٰ رسول میں سے کوئی نہ کوئی ہر زمانہ میں موجود رہنا تھا اس لیے ہر زمانہ کے مسلمان اس سے فیض حاصل کرتے تھے۔

نجات حاصل کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک علم صحیح دوسرے عمل صحیح۔ علم صحیح کا انتظام تو قرآن تھا جو قیامت تک چلنے والا قانون تھا۔ رہا عمل صحیح اس کا بندوبست ذوی القربیٰ کی محبت کے ساتھ کیا گیا

افسوس ہے کہ مسلمان ذوی القربیٰ کی اطاعت کیا کرتے ان سے زبانی محبت کرنے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ بلکہ ان سے شدید مخاصمت برتی کہ خدا و رسول نے ان کی عداوت کو واجب بھی کر دیا ہوتا تو شاید یہ صورت تب بھی پیش نہ آتی۔ ہر قوم اپنے محسن کی اولاد سے فطرتاً محبت رکھتی ہے، اور اس کے احترام و اکرام کو اپنے ایمان کا جزو جانتی ہے سوائے مسلمانوں کے کہ انہوں نے اولاد رسولؐ کا کوئی احترام ملحوظ ہی نہ رکھا بلکہ ان پر وہ مظالم توڑے گئے کہ خدا کی پناہ ان کے تصوّر سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

اگر مسلمان ذوی القربیٰ رسولؐ کی محبت کا دم بھرتے تو آج اسلام فرقوں فرقوں میں تقسیم نہ ہوتا اور تمام کلمہ گو یکساں عقائد پہ پائے جاتے یہ تفرقہ پیدا ہی اس وجہ سے ہوا کہ مسلمانوں نے ذوی القربیٰ رسول کو چھوڑ دیا اور ان کے تمسک سے منہ موڑ لیا اگرچہ بعض مسلمان ان کی محبت کے مدعی ہیں لیکن یہ صرف زبانی دعویٰ ہے کیونکہ محبت کا اقتضا پیروی و اطاعت ہے اور جب یہ نہیں تو صرف نام کی محبت سے کیا کام چلتا ہے یوں تو مسلمان کیا کفار تک ان کے روشن کردار کو سراہنے والے اور ان کی تعظیم و توقیر کرنے والے ہزار ہا کی تعداد میں دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں لیکن اس سے وہ مقصد ایزدی تو حاصل نہیں ہوتا جو اجر رسالت قرار دینے میں تھا۔ رسالت کا سب سے بہترا اجر یہی ہے کہ مسلمان عمل صحیح پر قائم رہتے تاکہ رسالت کی صحیح تعلیم کا پتہ ہر زمانہ میں چلتا رہتا۔

اس آیت کا مفہوم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جن لوگوں نے ذوی القربیٰ رسول سے محبت نہیں کی، انہوں نے اجر رسالت بھی ادا نہیں کیا تو رسول سے بغاوت کی، خدا و رسولؐ کے حکم سے منہ موڑا ایسی صورت میں خدا و رسولؐ ان سے کیوں کر خوش رہ سکتے ہیں۔ اعمال کا اجر اسی وقت مل سکتا ہے جبکہ وہ حدود صلاحیت کے اندر ہوں اور ان لوگوں کے اعمال کی طرح اعمال بجا لائیں جن کو رسولؐ نے اس کام کا ذمہ دار بنایا تھا۔

تاکہ مسلمانوں پر خدا کی حجت تمام ہو جائے ہر زمانہ میں عمل صحیح کا دکھانے والا موجود رہا۔ آج چونکہ امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کا دن ہے لہٰذا ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ آپ چونکہ حجت خدا تھے اور رسول کے بارہ جانشینوں میں سے نویں جانشین تھے لہٰذا آپ کی محبت اس زمانہ کے لوگوں پر فرض تھی لیکن افسوس ہے کہ عباسی حکمرانوں نے رسولؐ کے اس فرزند کی کوئی قدر نہ کی اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ان کو دنیا سے رخصت کیا حالانکہ اس زمانہ میں کیا بلحاظ علم و فضل کیا بلحاظ زہد و تقویٰ کیا بلحاظ اخلاق و عادات کیا بلحاظ علم و عمل کوئی شخص آپ کی مثل نہ تھا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ہمیشہ اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے تھے کبھی آپ نے کسی سے بے مروتی اور کج ادائی کا برتاؤ نہیں کیا جو شخص بھی اپنی حاجت آپ سے بیان کرتا آپ بڑی خوشی

سے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے کبھی کسی سے منہ بنا کر یا ناک بھوں چڑھا کر بات نہ کرتے تھے ہر شخص کی عزت اس کے مرتبے اور مقام کے مطابق کرتے تھے آپ کے بیت الشرف کا دروازہ ہر طالب حق کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا دروازہ پر کوئی دربان یا چوکیدار نہ تھا مدینہ رسول میں آپ کی زیادہ تر نشست مسجد رسول میں رہا کرتی تھی اہل علم کا ہر وقت جماؤ آپ کے پاس رہا کرتا تھا اور شرعی مسائل بیان ہوتے تھے۔

باوجودیکہ آپ مامون جیسے جلیل القدر بادشاہ کے داماد تھے لیکن آپ کو اس رشتہ پر کوئی فخر نہ تھا اور نہ کبھی اس کی وجہ سے آپ کے مزاج میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا آپ کا جو خاندانی طریقہ تھا وہی ہمیشہ باقی رہا۔ ہر کس و ناکس سے بے تکلفی سے ملتے رہے بلکہ امراء سے کہیں زیادہ غرباء کو شرف ملاقات بخشتے تھے اور بڑی محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

بخشش کا یہ عالم تھا کہ جو ہاتھ میں آتا فقراء و مساکین کو عطا فرما دیتے تھے کوئی مستحق ایسا نہ تھا کہ آپ کے دروازہ پر آ کر ناکام جاتا ہو باہر کے محتاجوں کے لیے حضرت اپنے وکیلوں کو روپیہ بھیج دیتے تھے مدینہ کے مساکین نقد کے علاوہ کھانا بھی یہاں سے پاتے تھے لیکن یہ تمام خیرات اس قدر خفیہ طور پر ہوتی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چلتا تھا کہ دینے والا کون ہے اکثر راتوں کو آپ خود تھیلا لے کر مدینے کے گلی کوچوں میں گھومتے تھے اور جب کسی کو کچھ دینا ہوتا تھا تو کوئی آڑ لے کر یا اپنے منہ پر نقاب ڈال کر دیتے تھے۔

آپ بہت سادہ لباس پہنتے تھے کسی نے عرض کی فرزند رسول آپ کے پہلو میں جا کر تخت پر بیٹھتے ہیں اس قدر بوسیدہ لباس آپ کو زیب نہیں دیتا۔ فرمایا اگر میری قدر لباس کی بدولت ہوتی تو البتہ مجھ کو قیمتی لباس پہننا لازم ہوتا لیکن جب ایسا نہیں تو اس کی سادگی کو کیوں ترک کیا جائے جو خدا کو پسند ہے میرا موجودہ لباس ستر پوش بھی ہے اور راحت بخش بھی پھر اس کو ترک کر کے محض رغبت کے لیے دوسرا لباس کیوں اختیار کروں۔ لباس کی طرح غذا بھی بہت سادہ کھاتے تھے جو کی روٹی سرکہ، شہد آپ کی بہت مرغوب غذا تھی البتہ جب کوئی مہمان آتا تو اس کے لیے آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔

غریبوں سے اس حد درجہ انس تھا کہ اگر وہ کسی مانع کی وجہ سے خود نہ آ سکتے تو حضرت خود تشریف لے جاتے تھے اور ان کی ضرورت کو معلوم فرماتے اور ان کی حاجت براری کے لیے جہاں ضرورت ہوتی خود تشریف لے جاتے۔

بغداد کی رہائش کے زمانہ میں مامون نے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا کہ آپ شاہی محلات میں قیام فرما ہوں لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور ایک بہت ہی معمولی سے مکان میں اپنی رہائش اختیار کی جب تک آپ بغداد میں رہے اسی مکان میں قیام رہا حضرت کا جب دل چاہتا تھا محل شاہی میں اپنی بی بی

ام الفضل (دختر مامون) کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ جب اس کی مخالفت روز بروز بڑھتی پائی تو آپ نے اس کے پاس اپنی آمد و رفت بہت کم کر دی اور تھوڑے ہی دن بعد ان خاتون معظمہ سے عقد کر لیا جو حضرت عمار یاسر کی اولاد سے تھیں اور جن کے بطن سے ہمارے دسویں امام پیدا ہوئے۔

ام الفضل امام علیہ السلام کے لیے بڑی تکلیف دہ بی بی ثابت ہوئی وہ اخلاقی اعتبار سے بہت پست تھی۔ باوجودیکہ امام علیہ السلام کی خدمت میں کئی سال گزر گئے تھے لیکن اس کے دل میں ذرا بھی حضرت کی محبت پیدا نہ ہوئی جو حال اس کی بد دماغی کا بغداد میں تھا وہی مدینہ میں آکر رہا وہ ہمیشہ حضرت کی عیب جوئی اور بد خواہی پر کمربستہ رہتی تھی اور جھوٹی شکایتیں اپنے عزیزوں سے کرتی رہتی تھی مامون کی زندگی میں اُم الفضل کی یہ مراد بر نہ آئی کیونکہ وہ اس کی شکایت کو نہ سنتا تھا لیکن جب اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی معتصم برسر اقتدار آیا تو اس نے اپنے چچا کو خط لکھنے شروع کیے معتصم نے پہلے تو کوئی توجہ نہ کی لیکن جب ام الفضل نے بہت زیادہ پریشانی لکھی تو اس نے عبد الملک حاکم مدینہ کو لکھا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو بہت جلد بغداد میرے پاس بھیج دے۔ حاکم مدینہ کے دل میں حضرت کی طرف سے پہلے ہی آتش عداوت بھڑک رہی تھی اور آپ کے روحانی اقتدار اور بے انتہا لوگوں کا آپ کی طرف متوجہ ہونا ڈرا رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ حضرت مدینہ کی رہائش چھوڑ دیں اب جو معتصم کا خط پہنچا تو اس کی دلی مراد بر آئی۔ اس نے حضرت پر بڑا زور دیا کہ آپ جلد سے جلد بغداد کی طرف روانہ ہو جائیں حضرت مجبوراً تشریف لے گئے اور امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا۔ جب بغداد پہنچے تو معتصم نے آپ کے عزت و احترام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور اپنے مکان سے متصل ایک مکان آپ کی رہائش کے لیے دے دیا ابھی آپ کو وہاں رہتے پورا ایک سال بھی نہ گزرا ہو گا کہ معتصم آپ کا جانی دشمن بن گیا اور اس کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز معتصم کے دربار میں ایک چور کو لایا گیا۔ اس نے علامہ ابن ابی داؤد سے جو اس کے دربار کا مفتی تھا اس کی سزا کے لیے دریافت کیا۔ ابن ابی داؤد نے کہا شرعی حد دو یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کہنیوں سے کاٹ دیے جائیں اس نے پوچھا اس کی کیا دلیل ہے۔ ابن داؤد گھبرا گیا اور بے سرو پا باتیں کہنی شروع کیں معتصم کو اس کے جواب سے تسکین نہ ہوئی۔ حضرت امام تقی علیہ السلام سے کہنے لگا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ فرمایا آپ کے درباری مفتی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ آپ نے سن ہی لیا ہے پھر مجھ سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا آپ کو دوسروں کے حکم سے کیا مطلب آپ کے نزدیک جو حکم ثابت ہو وہ بیان فرمائیے۔ حضرت نے نہایت منت و سماجت کے ساتھ فرمایا اگر اس مسئلے کے جواب سے مجھے معذور رکھا جائے تو بہتر ہے مگر معتصم نہ مانا اور اصرار

کرنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اچھا اگر آپ کسی طرح نہیں مانتے تو اس شخص کی صرف انگلیاں کاٹ ڈالی جائیں اور دونوں ہتھیلیاں چھوڑ دی جائیں تاکہ وہ فرائض خدا کی ادائیگی سے مجبور نہ رہے اور پھر ایسے قوی دلائل سے ثابت کیا کہ دربار کے تمام علماء و فضلا دم بخود ہو گئے۔

معتصم کے درباری علماء چونکہ اس روز سخت نادم ہوئے لہٰذا امام علیہ السلام کی شدید عداوت ان کے دلوں میں بیٹھ گئی اور طرح طرح سے معتصم کے کان امام علیہ السلام کے خلاف بھرنے لگے انہوں نے صاف کہا کہ اس روز آپ نے اپنے درباری علماء کو سب کے سامنے ذلیل کیا دوسرے شیعہ فرقہ کو اپنی حقانیت کی دلیل ہاتھ آگئی۔ یہ فقرہ معتصم کے اوپر اثر کر گیا اور وہ اپنے طرز عمل سے سخت نادم ہوا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا اگر ان کا وجود دنیا میں ہے تو ہمارے علماء کو کبھی ان کے مقابل فروغ حاصل نہ ہوگا ممکن ہے آگے چل کر روحانی اقتدار سلطنت کے لیے مضر ثابت ہو اس کا خیال بدلنا تھا کہ دشمنوں کو موقع ہاتھ آگیا اور حضرت پر بہتان پر بہتان باندھنے لگے ادھر ام الفضل کا معاملہ بھی لگا چلا آ رہا تھا رفتہ رفتہ وہ بھی زور پکڑ گیا۔ غرض کہ معتصم حضرت کی ہلاکت کے درپے ہو ہی گیا۔

ایک روز معتصم نے ام الفضل کو خلوت میں بلا کر کہا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کا برتاؤ تمہارے ساتھ اچھا نہیں بتاؤ اب تم کیا چاہتی ہو۔ جب تک وہ دنیا میں ہیں تم کو چین نہیں مل سکتا اگر تم راضی ہو تو میں ان کو قتل کرا دوں ام الفضل اس پر خاموش ہو رہی معتصم سمجھ گیا کہ اس کی رائے ہے اس سے کہا اب میں اس کی تدبیر کرتا ہوں اس کے بعد اس نے نہایت قاتل زہر ام الفضل کو لا کر دیا اور کہا کہ اس کو کھانے میں ملا کر اپنے شوہر کو کھلا دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ایک روز جو امام علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا تو زہر کا اثر محسوس ہوا اور فوراً ہی چہرہ پر تغیر کے آثار نمودار ہوئے ام الفضل یہ دیکھ کر کہ غرض پوری ہوئی فوراً وہاں سے کھسک گئی۔ آہ امام غریب الدیار اسی حالت کرب میں محل شاہی سے نکل آئے اور اپنی قیامگاہ پر جس طرح بنا پہنچے۔ جب آپ کے غلام نے آپ کی حالت دیکھی تو گھبرا گیا اور احوال پرسی کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا میری مدت حیات ختم ہوئی میں کل اس دہر ناپائیدار سے رخصت ہو جاؤں گا تم یہاں کے شیعوں کو خبر کر دو۔ غلام کہتا ہے کہ میں نے فوراً محبان اہل بیت کو جا کر خبر دی۔ وہ لوگ جوق در جوق آنے شروع ہو گئے۔ طبیبوں نے ہر چند کوشش کی مگر کسی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔

آخر امام علیہ السلام کی حالت ساعت بساعت خراب ہی ہوتی گئی یہاں تک کہ جو وقت آپ نے بیان فرمایا تھا اسی وقت آپ نے رحلت فرمائی۔

اپنے ماں باپ کی طرح جناب زینب کو بھی عبادت الٰہی کا بہت شوق تھا۔ شب و روز عبادت خدا میں مشغول رہتی تھیں۔ رات رات بھر ذکر الٰہی میں گزارتی تھیں اکثر ایام میں روزہ سے رہتی تھیں آپ کتنی عبادت گزار تھیں اس سے اندازہ کیا جائے کہ جب امام مظلوم رخصت آخر کے لیے آئے تو بہن سے فرمانے لگے یا اُختاہ لا تَنسینی فِی نَافِلَةِ اللَّیل (اے بہن مجھے نوافل شب میں نہ بھولنا) چنانچہ عالم جلیل الحاج شیخ محمد باقر اپنی کتاب کبریت احمر میں مقاتل معتبرہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ سفر شام میں میری پھوپھی جناب زینب پر باوجودیکہ مصائب و آلام کا انتہائی ہجوم تھا مگر اس پر بھی آپ نے نماز شب ترک نہیں کی۔

آپ کا ایک لقب باکیہ یعنی رونے والی بھی ہے زنانِ اہلبیت میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والی جناب فاطمۃ الزہراؑ تھیں۔

چنانچہ آپ نے خوفِ خدا میں اس قدر گریہ کیا تھا کہ بوقت وفات آپ نے امیر المومنینؑ سے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں آپ وہ شیشہ رکھ دیں جس میں میں نے وہ آنسو جمع کئے ہیں جو خوف خدا میں میری آنکھوں سے نکلے تھے۔

اس کے علاوہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی مفارقت میں بے انتہا روئیں چنانچہ آپ کی حالت کا اظہار معصوم نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔ فَمَا زَالَتْ بَعْدَ اَبِیْهَا مُعَصَّبَةَ الرَّاْسِ بَاکِیَةَ الْعَیْنِ نَاحِلَةَ الْجِسْمِ (بعد وفات رسول ہمیشہ آپ کے سر پر کپڑا بندھا رہتا تھا آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے اور جسم آپ کا غم سے گھل گیا تھا) یہ صفت جناب زینب کو اپنی مادر گرامی سے میراث میں ملی تھی آپ جب تک زندہ رہیں اپنے مظلوم بھائی کو روتی رہیں اور کیوں کر نہ روتیں جبکہ سارا خاندان آپ کی آنکھوں کے سامنے کٹا اٹھارہ بنی ہاشم کے لاشے چند گھنٹوں کے اندر خیمہ میں آئے گھر جلا، سامان لوٹا گیا رسنوں میں رسیّ بندھی سر سے چادر اتری بازاروں میں تشہیر ہوئی، درباروں میں جانا پڑا قید خانوں میں رہنا پڑا کوئی ایک مصیبت ہو تو بیان کی جائے ان میں سے جس وقت بھی کوئی مصیبت یاد آتی تھی آپ زار زار رونے لگتی تھیں۔

جناب زینب کشیدہ قامت اور فربہ اندام تھیں چہرۂ انور سے رعب حیدری اور جلالت پیغمبری آشکار تھی ظاہری اور باطنی تمام کمالات نفسانی اور فضائل روحانی سے آراستہ تھیں، عفت، عصمت و حیا میں اپنی والدہ گرامی کی مثل تھیں حلم و بردباری میں اپنے بھائی حسن مجتبیٰ سے مشابہ تھیں۔ شجاعت و استقلال و صبر میں اپنے بھائی امام حسینؑ کی نظیر تھیں اور کیوں نہ ہوتیں جبکہ ختم الانبیاء اور سید الاوصیا کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور سیدۃ نساء العالمین کا دودھ پیا تھا سرداران جوانان جنت حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام کے ساتھ رہی تھیں۔ خدا کی قسم اگر آپ کی رگوں میں نبوت و امامت کا خون نہ ہوتا تو ہرگز ایسے مصائب و شدائد کا تحمل آپ سے نہ ہوسکتا

تھا صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہؑ کے بعد کوئی عورت معرفت و تقویٰ علم و حلم و عقل و فہم عصمت و عفت دیانت و امانت، عزت حمیت و عبادت وغیرہ میں جناب زینب سی نہ پیدا ہوئی ہوگی۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا جب پانچ سال کی تھیں تو سب سے پہلے آپ پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ آپ کے نانا حضرت رسولؐ خدا کا انتقال ہوا ؎

ہے غم انگیز عجب زینب دل گیر کا حال ‏ ‏ زندگی بھر وہ رہیں مورد آفات و ملال
گزارا ایک دن بھی نہ راحت سے کجا بارہ سال ‏ ‏ ہر مصیبت کی صعوبت کی ہے تفصیل محال
سوئیں تربت میں وہ نہ اشکوں سے دھوتے دھوتے
کٹ گئی عمر تمام آپ کی روتے روتے
سب سے پہلے وہ رسولِ دوسرا کو روئیں ‏ ‏ بعد اس واقعہ کے خیر النساء کو روئیں
پھر صد افسوس شہ عقدہ کشا کو روئیں ‏ ‏ بعد اس کے حسن سبز قبا کو روئیں!
پھر بھی رونے سے نہ فرصت ہوئی چشم تر کو !
روئیں شبیر کو شبیر کے سارے گھر کو

جناب سیّدہ کی وفات کے بعد زینب و ام کلثوم دونوں بہنیں اپنے پدر بزرگوار کی زیر تربیت رہیں اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے حسب وصیت جناب فاطمہ زہرا امامہ سے عقد کر لیا جو آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں اور جن کا شمار زنان صالحہ میں سے تھا جناب امامہ نے پوری شفقت سے اولاد جناب زہرا کی تربیت کی۔ وفات جناب سیدہ کے وقت آخرت زینب کی عمر چھ سات سال کی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام دونوں بیٹیوں کو معارف الہیٰہ اور احکام دینیہ کی تعلیم دیتے رہے جناب زینب کو اسی تعلیم کی بدولت عقل و فہم زہد و عبادت اور مکارم اخلاق و علم و دین میں تمام خاندان بنی ہاشم کی عورتوں پر فضیلت حاصل ہوئی۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے فضائل روحانی کی بنا پر ان کا بڑا احترام کرتے تھے جب آپ اپنے جدعالی مقام کی کی زیارت کے لیے رات کو تشریف لے جانا چاہتی تھیں تو حضرت بہ نفس نفیس اہتمام فرماتے تھے حکم دیتے تھے کہ مسجد کے چراغ گل کر دیئے جائیں حسنین کو حکم دیتے تھے کہ ہمراہ جائیں لیکن آہ امیرالمومنین ایک وقت وہ بھی آیا جب یہی زینب بازار کوفہ و شام میں برہنہ اونٹ پر تشہیر کی جاتی تھیں۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ جب جناب زینب جوان ہوئیں تو اشعث بن قیس نے جو رؤسائے کندہ سے تھا جناب امیر علیہ السلام سے درخواست کی کہ حضرت زینب کا عقد اس کے ساتھ کر دیا جائے۔ یہ سن کر آپ برہم ہوئے اور فرمایا اشعث تیری یہ جرأت کہ زینب سے عقد کی خواہش کرے۔ زینب شبیہ خدیجہ اور دامن عصمت کی پلی ہوئی ہے اس

نے عفت و عصمت کی چھاتی سے دودھ پیا ہے اگر پھر ایسی درخواست کی تو تلوار سے جواب دیا جائے گا تیری یہ لیاقت نہیں کہ تو زینب سے عقد کرے اور اس یادگار دہر سے بات کر سکے۔

تقریباً ۱۷ ہجری میں حضرت امیر علیہ السلام نے جناب عبداللہ بن جعفر سے جناب زینب کا عقد کر دیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر کچھ حال عبداللہ کا بیان کیا جائے جب جناب جعفر ملک حبشہ میں مقیم تھے تو جناب عبداللہ وہیں پیدا ہوئے آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں ان کے بطن سے حبشہ ہی میں تین لڑکے پیدا ہوئے۔ عبداللہ، عون، محمد ۷ھ میں جس روز قلعہ خیبر فتح ہوا اسی روز جناب جعفر حبشہ سے واپس آئے تھے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ میں جعفر کے آنے سے زیادہ خوش ہوں یا قلعہ خیبر کے فتح ہونے سے۔ پھر جعفر کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ حضرت عبداللہ اس زمانہ میں طفل خورد سال تھے۔ ۸ھ میں جناب جعفر جنگ موتہ میں بعمر اکتالیس سال شہید ہوئے ابن جوزی نے اپنے تذکرہ میں روایت کی ہے کہ جناب عبداللہ نے یحیٰی بن ابی العلی سے کہا کہ مجھے وہ وقت یاد ہے جب جناب مختار نے تشریف لا کر میرے باپ کی خبر شہادت سنائی اور مجھے میرے بھائی کو حضرت نے اپنے سینے سے لگا کر دعا فرمائی درانحالیکہ آنسو آپ کی آنکھوں سے جاری تھے۔ بار الہٰی جعفر نے عمدہ ثوابوں کی طرف سبقت کی تو اس کی ذریت میں اچھا قائم مقام ہوا کرتا ہے اور میری ماں کو بشارت دی کہ خدا نے جعفر کو دو پر عنایت فرمائے ہیں اور وہ فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے تھے میری والدہ نے خواہش کی کہ یہ خبر اور لوگوں کو بھی سنادی جائے چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بحالت حزن و ملال تشریف لے گئے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی، منبر سے اتر کر مجھے اپنے ہمراہ دولت سرا میں لے گئے اور حکم دیا کہ ہمارے لیے کھانا لایا جائے۔ پہلے مجھے کھانا کھلایا پھر میرے بھائی کو بلا کر کھلایا تین روز تک ہم جناب رسول خدا کے ہمراہ آپ کی ازواج کے گھروں میں رہے پھر ہم اپنے گھر چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت ہمارے گھر تشریف لائے اور میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر یہ دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ صَفْقَتِهٖ (خداوندا ان کے گروہ میں تو برکت عطا فرما) پھر حضرت نے حجام کو بلا کر ہم سب بھائیوں کے بال ترشوائے اپنے سامنے کھانا کھلوایا۔ کتاب بحار الانوار میں ہے کہ جب حضرت جعفر شہید ہوئے تو حضرت رسول خدا نے جناب فاطمہ کو حکم دیا کہ تین روز تک جعفر کے گھر میں کھانا بھیجیں اور اسی روز سے یہ سنت جاری ہو گئی۔ جناب عبداللہ کہتے ہیں مجھے جو حضرت نے دعا دی تھی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ میں مال و دولت سے مالا مال ہو گیا۔ حضرت عبداللہ کی سخاوت کا یہ حال کہ جب اہل مدینہ کسی سے قرض لیتے تھے تو اس کی ادائیگی کا وعدہ عبداللہ کی عطا پر مشروط کر دیتے تھے جناب عبداللہ میں اتنی خوبیاں تھیں کہ قریش میں اور کسی کو حاصل نہ تھیں آپ بڑے عالم اور فقیہ تھے آپ کا شمار مفسرین قرآنی اور راویان حدیث میں ہے جناب زینب سے جناب عبداللہ کا عقد ہوا اس وقت جناب زینب کی عمر گیارہ سال کی تھی جب جناب زینب سسرال

پہنچیں تو جناب امیرالمومنین روزانہ عبداللہ کے یہاں تشریف لے جاتے تھے آپ کو جناب زینب سے بڑی محبت تھی اسی طرح جناب عبداللہ بھی آپ کے نزدیک بہت محبوب تھے جب بہ زمانہ خلافت ظاہری میں حضرت نے مدینہ سے کوفہ کو ہجرت کی تو ان دونوں کو ساتھ لیا وہاں جناب زینب کی یہ جلالت شان تھی کہ کوفہ کی امیرزادیاں آپ کی زیارت کی متمنی رہتی تھیں جنہیں یہ شرف حاصل ہو جاتا وہ فخر کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ تمام لڑائیوں میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب رہے تا اینکہ حضرت نے شہادت پائی اور خلافت امام حسن علیہ السلام کی طرف منتقل ہوئی۔ امام حسن علیہ السلام نے پہلے معاویہ سے جنگ کی مگر حسب مصلحت اس سے صلح کر کے سنہ ھ میں مع اہل بیت مدینہ کو مراجعت فرمائی جناب زینب بھی ساتھ آئیں آپ کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کا دم پنجتن پاک میں باقی رہ گیا۔ آپ ہی قبیلہ بنی ہاشم کے سردار قرار پائے آپ کو بھی جناب عبداللہ سے بہت محبت تھی۔

جناب عبداللہ کی اولاد میں جو بطن زینب سے ہوئی مورخین کا اختلاف ہے جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ ابن جوزی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے بطن سے چار لڑکے ہوئے علی، عون الاکبر، محمد، عباس اور ایک لڑکی جس کا نام ام کلثوم تھا۔ ان میں سے عون و محمد کربلا میں شہید ہوئے۔

لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے عراق جانے کا ارادہ کیا تو جناب زینب اس سے بہت پریشان ہوئیں کہ مبادا جناب عبداللہ ان کو بھائی کے ساتھ جانے سے منع کریں آخر آپ نے جناب عبداللہ کے پاس آکر رونا شروع کیا اور کہا کہ میرے بھائی نے عراق جانے کا ارادہ کیا ہے اور جو محبت اپنے بھائی سے ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں چونکہ عورتیں بغیر اجازت شوہر کہیں نہیں جا سکتیں اس لیے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے بھائی کے ہمراہ چلی جاؤں ورنہ آپ کی خدمت میں رہوں گی مگر آپ یہ خیال فرمالیں کہ بھائی کے جانے کے بعد میرا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ عبداللہ نے آپ کی پریشانی اور حالت زار دیکھ کر کہا آپ کو اختیار ہے چاہے اپنے بھائی کے ہمراہ جائیے چاہے یہاں رہیے یہ سن کر خوش خوش امام حسین علیہ السلام کے گھر آئیں اور آخر کار حضرت کے ہمراہ کوچ کیا۔

کتاب اسرار الشہادت وغیرہ میں مرقوم ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے ارادہ سفر کیا تو راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا تقریباً چالیس اونٹوں پر محملیں کسی ہوئی تھیں پردے پڑے ہوئے تھے زنان بنی ہاشم سوار ہو رہی تھیں ناگاہ ایک جوان برآمد ہوا اور آواز دی کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا دو بیبیاں برقعہ پوش آئیں جن کے چاروں طرف کنیزیں حلقہ کئے ہوئے تھیں اور نہایت سکون و وقار سے آہستہ آہستہ محمل کے قریب پہنچیں اسی جوان نے اونٹ کو بٹھایا اور اپنا زانو خم کر کے ایک معظمہ کو اور امام حسین نے اسی طرح دوسری مخدومہ کو سوار کیا میں نے معلوم کیا یہ دونوں بیبیاں کون تھیں کسی نے بتایا یہ دختران امیرالمومنین زینب و ام کلثوم ہیں اور یہ جوان بنی

ہاشم عباس بن امیر المومنین ہیں۔

مکہ سے روانہ ہو کر جب حضرت امام حسینؑ نے منزل تنعیم میں قیام کیا تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد کو خدمت امام میں روانہ کیا اور ایک خط میں لکھا میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ میرے اس خط کو پڑھ کر پلٹ آئیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ سفر آپ کے لیے باعث ہلاکت نہ ہو جائے آپ خدا کی حجت برحق ہیں مومنین کی بہت سی اُمیدیں آپ سے وابستہ ہیں جانے میں جلدی نہ فرمائیے میں جواب کا منتظر ہوں اس کے بعد جناب عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مکہ سے جو یزید کی طرف سے حاکم تھا ایک امان نامہ حضرت کے لیے لکھوایا اور اس کے بھائی یحییٰ کو لے کر روانہ ہوئے جب خدمت میں پہنچے تو پلٹ جانے پر بہت اصرار کیا مگر حضرت راضی نہ ہوئے اور فرمایا مجھے خواب میں نانا نے جو حکم دیا ہے وہ ضرور بجالاؤں گا انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے فرمایا جب تک زندہ ہوں اسے بیان نہ کروں گا۔ یہ سُن کر جناب عبداللہ واپس ہوئے اور اپنے دونوں بیٹوں کو ہدایت دی کہ خلاف حکم امام کوئی بات نہ کریں اگر جان دینے کا موقع آئے تو بھی دریغ نہ کریں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ خود کیوں نہ ساتھ گئے اس کا جواب یہ ہے کہ مصلحت امام یہی تھی کہ جناب عبداللہ مدینہ ہی میں رہیں کیونکہ یزید نہیں چاہتا تھا کہ بنی ہاشم میں سے کوئی بھی زندہ رہے چونکہ خاندان بنی ہاشم میں سے کئی بیبیاں وہاں رہ گئی تھیں بالخصوص جناب ام سلمہ اور ام البنین اس لیے ان کی محافظت بہت ضروری تھی جناب عبداللہ چونکہ صاحب اثر زماں تھے اس لیے ان کا وہاں چھوڑنا ضروری سمجھا گیا ورنہ جس شخص نے اپنی بی بی اور بچوں کو ساتھ کر دیا تھا وہ خود کیسے رُک سکتا تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب جناب عبداللہ کو عون و محمد کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے غلام ابوالسلاسل نے خبر سن کر کہا۔ یہ مصیبت ہم پر حسین ابن علی کی وجہ سے آئی یہ سن کر جناب عبداللہ بہت برہم ہوئے اور اپنا جوتا اس کے منہ پر مار کر کہا ولدالزنا حسین کو تو یوں کہتا ہے بخدا اگر میرے سامنے یہ واقعہ ہوتا تو میں بھی بغیر قربان ہوئے ان سے جدا نہ ہوتا مجھے اس کا ملال ہے کہ میں نے اپنے نفس کو کیوں نہ قربان کیا شکر ہے میرے دونوں بیٹے فرزند رسولؐ پر قربان ہو گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ کا رُک جانا کسی مصلحت کی بنا پر تھا۔

جناب زینب کو یہ علم تھا کہ اس سفر کا انجام اچھا نہیں مگر پھر بھی خوشی کے ساتھ اپنے بھائی کے ساتھ روانہ ہوئیں جب ابن عباس نے حضرت کو روکنا چاہا اور حضرت نے ان کے خیال سے موافقت نہ کی تو آخر میں وہ کہنے لگے اچھا اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں جناب زینب نے پس پردہ سے برہم ہو کر کہا ابن عباس افسوس ہے کہ تم ہمارے سید و سردار کو مشورہ دیتے ہو کہ ہمیں ساتھ نہ لے جائیں خدا کی قسم میں ہرگز اپنے غریب برادر کو نہ چھوڑوں گی۔

لکھا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام خزیمیہ پر پہنچے اور ایک شبانہ روز وہاں قیام فرمایا تو صبح کو جناب زینب نے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ رات ایک ضرورت سے جب میں خیمہ سے باہر آئی تو میں نے ہاتف کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ اَلَا یَا عَیْنُ فَادْ مَعِیْ وَمَنْ یَبْکِیْ عَلَی الشُّھَدَآءِ بَعْدِیْ عَلٰی قَوْمٍ تَسُوْقُھُمْ

المنایا الی المعاد لا بخانیا و عدھم۔ (اے آنکھ آنسو بہلنے میں کوشش کر میرے بعد شہداء پر کون روئے گا اس قوم پر جس کو موت الیفائے وعدہ کے لیے وعدہ گاہ پر لیے جاتی ہے) اے بھائی یہ اشعار مصیبتوں کے آنے کی خبر دے رہے ہیں ارشاد فرمایا کہ یہ ارشاد کس طرف کو ہے حضرت نے فرمایا۔ اے بہن جو قضا و قدر کو منظور ہوگا وہ ظہور میں آئے گا۔

کربلا میں پہنچ کر حضرت زینب نے اپنے برادر مظلوم کی محبت میں ایسے مصائب اٹھائے جن کی حد نہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے اپنے دونوں بچوں کو لباس جنگ پہنا کر حضرت کی خدمت میں لائیں اور عرض کی نادار بہن کا یہ ہدیہ قبول فرما کر انہیں اجازت جہاد عطا فرمائیے بعد اجازت امام اوّل محمد بن عبداللہ میدان میں آئے اور رجز پڑھ کر فوج یزید پر حملہ کیا اور دس دشمنوں کو داخل جہنم کیا آخر عامر بن نہشل تمیمی نے انہیں شہید کیا پھر عون بن عبداللہ میدان میں آئے اور جنگ کرنا شروع کی تین سوار اور آٹھ پیادے قتل کیے آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے جناب زینبؑ کا صبر دیکھیے کہ کبھی اپنے فرزندوں کے نام لے کر بین نہ کیے بلکہ روئیں یا بین کیے تو اپنے برادر مظلوم کا نام لے کر۔ بھائی کی محبت میں آپ نے قید کی مصیبتیں اٹھائیں اور وہ ذلت گوارا کی جو کربلا سے کوفہ تک ہوئی۔ کوفہ کی ذلتوں اور مصیبتوں کو کم خیال نہ کرنا چاہیے کیونکہ اسی کوفہ میں جناب زینب و ام کلثوم ایک وقت میں شہزادیاں رہی تھیں آپ کی جلالت شان یہ تھی کہ بڑے بڑے امیروں اور سرداروں کی عورتوں کو آپ تک پہنچنا مشکل تھا اس عزت کے بعد اس ذلت و خواری کے ساتھ اسی کوفہ میں داخل ہونا اگر خیال کیا جائے تو سخت ترین مصیبت تھی۔

لکھا ہے جب اہل حرم کا لٹا ہوا قافلہ دروازہ کوفہ پر پہنچا شہر کے باہر کوفہ کا ایک محلہ وار تھا جس میں ایک عورت دوست داران اہل بیت میں سے رہتی تھی اس وقت وہ مومنہ سجادہ پر بیٹھی ہوئی مشغول عبادت تھی اسے واقعہ کربلا کی مطلق خبر نہ تھی ناگاہ شور و غوغا سنا تحقیق حال کے لیے برقع اوڑھ کر اپنے کوٹھے پر آ کر دیکھا کہ ایک فوج چلی آرہی ہے اور اس کے ساتھ کچھ نورانی سر نیزوں پر علم ہیں کچھ عورتیں اسیر و دستگیر لیے اونٹوں پر بیٹھی ہوئی ہیں کہ جن پر پردہ ہے نہ عماری نہ سروں پر ردائیں فرط خجالت سے ان کے سر جھکے ہوئے ہیں سب کے آگے ایک معظمہ کو دیکھا کہ سر جھکائے ایک بچہ گود میں لیے بیٹھی ہیں اور وہ بچہ بار بار اس بی بی سے پانی طلب کرتا ہے چونکہ پانی موجود نہ تھا اس لیے وہ بی بی سخت پریشان ہیں یہ دیکھ کر بی بے تاب ہو گئی اور دریافت کرنے لگی تم کس قوم و قبیلہ سے ہو؟ اس بی بی نے سر اٹھا کر کہا ہم اسیران آل محمدؐ ہیں اور حضورؐ کی اولاد ہیں یہ سن کر اس نے اپنے منہ پر طمانچے مارے اور کہنے لگی اپنا نام تو بتایئے مجھے آپ دختر شیر خدا سے مشابہ معلوم ہوتی ہیں اور یہ بتائیے کہ نیزۂ طویل پر کس کا سر ہے مجھے یہ صورت پہچانی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ سن کر جناب زینب آبدیدہ ہوئیں اور فرمایا میں دختر امیر المومنین ہوں اور یہ سر میرے مظلوم برادر حسین ابن علی کا ہے یہ سنتے ہی وہ عورت زار زار رونے لگی اور گھبرائی ہوئی اپنے گھر میں پہنچی اور جتنی چادریں اس کے پاس تھیں وہ لے کر آئی اور اہل حرم

کی نذر کیں لیکن آہ ان ظالموں نے وہ بیکس بیبیوں کے سروں پر چادریں نہ رہنے دیں۔

ایک روز بعد اہل حرم کا کوفہ میں داخلہ ہوا تمام اہل کوفہ لباس فاخرہ پہنے بازاروں میں جمع تھے اہل حرم کی اس حالت زار پر رحم کھا کر خرمے وغیرہ بچوں کو دیتے تھے جناب ام کلثوم ان خرموں کو بچوں کے منہ سے نکال کر پھینک دیتی تھیں اور فرماتی تھیں لے اہل کوفہ ہم آل محمد ہیں صدقہ ہم پر حرام ہے اہل حرم کی یہ حالت دیکھ کر بہت سے اہل کوفہ بھی رونے لگے۔ اسی موقعہ پر جناب زینب نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے اہل کوفہ کے دل ہل گئے۔

اے کوفیو! دغابازو! مکارو! تم کیا روتے ہو خدا کرے تمہارے آنسو کبھی نہ رکیں اور تمہاری آہ و بکا کبھی موقوف نہ ہو تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو اپنا دھاگہ مضبوط بٹ کر توڑ ڈالے تم اپنی قسموں کو مکر و فریب کا حیلہ قرار دیتے ہو تم حسد و بدی اور لونڈیوں کی خوشامد اور دشمنوں سے چغل خوری کرنے کے سوا اور کچھ نہیں رکھتے گویا تم گھوڑے کی چراگاہ ہو (اوپر خوشنما سبزہ اور نیچے گندگی) اس چاندی کی مثل ہو جس سے اپنی قبر کو سجایا گیا ہو (ظاہر میں چمک دمک باطن میں تاریکی) تمہارے ہاں نفسوں نے برے اعمال پیش کیے ہیں جن کے سبب خدا تم پر غضبناک ہے اور تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے تم کیا روتے ہو اور نالہ و فغاں کرتے ہو ہاں خدا کی قسم زیادہ روؤ کم ہنسو تم پر وہ دھبہ لگا ہے جسے تم دھو کر دور نہیں کر سکتے اور فرزند خاتم الانبیاء کے قتل کا دھبہ کیوں کر دھوؤ گے وہ فرزند رسول جو سردار جوانان جنت تھا تمہارا جائے پناہ اور تمہارے لیے محل امن تھا تمہارا ہادی برحق اور رہنما تھا تم نے اسے قتل کر کے بدکاری کا بوجھ اٹھایا (خدا کرے) تم برباد اور ہلاک ہو جاؤ یقیناً تمہاری کوشش و تدبیر ضائع اور تمہاری کمائی اکارت ہوئی اور تم غضب خدا میں گرفتار اور ذلیل و خوار ہوئے اے کوفیو تمہارا برا ہو تم نے رسول کے جگر کو چاک کر ڈالا اور ان کی محترم ذریت کو گھروں سے باہر نکالا اور کیسی زبردست خونریزی اور بے حرمتی کی بے شک تم ایسے امر عظیم اور فعل بد کے مرتکب ہوئے ہو جس کی سختی اور برائی سے زمین و آسمان پر ہو جائیں۔ کیا تم آسمان سے خون برسنے پر تعجب کرتے ہو ابھی کیا ہے آخرت کا عذاب تم کو بہت زیادہ ذلیل کرنے والا ہوگا خدا نے اس وقت جو تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے اس ڈھیل پر مغرور نہ ہو خدا بہت جلدی گرفت کرنے والا ہے وہ تمہیں جلد واصل جہنم کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار تمہاری گھات میں ہے۔

لکھا ہے جب ابن زیاد ملعون کو اہل بیت کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے دربار عام کیا جس میں ہر طرح کے لوگ موجود تھے اور سرہائے شہداء کے ساتھ اہل حرم کو اپنے سامنے بلایا۔ جب یہ بے بس و بے کس داخل دربار ہوئے تو جناب زینب ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں کنیزیں حلقہ باندھ کر آپ کے چاروں طرف کھڑی ہو گئیں ابن زیاد نے دریافت کیا یہ کون عورت ہے کسی نے جواب نہ دیا تیسری مرتبہ پوچھا تو ایک شخص نے کہا یہ زینب دختر علی بن ابی طالب ہیں اس ملعون نے آپ کو مخاطب کر کے کہا خدا کا شکر ہے کہ تم کو رسوائی حاصل ہوئی اور جو تم نے ایجاد کیا تھا وہ جھوٹ ثابت ہوا حضرت

زینب نے فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اپنے نبی کی وجہ سے مکرم کیا اور جس کی وجہ سے ایسا پاک کیا جو پاک کرنے کا حق ہے فاسق کی تضحیک اور فاجر کی تکذیب ہوئی۔ ابن زیاد بے حیا نے پھر کہا اللہ نے جو تمہارے بھائی حسین کے ساتھ کیا اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔ جناب زینب نے فرمایا میں نے اچھا ہی دیکھا وہ گروہ جس کی قسمت میں شہید ہونا لکھا تھا وہ اپنی خواب گاہ کی طرف گیا۔ عنقریب خدا ان کو اور تم کو جمع کرے گا اور وہ خدا کے سامنے تم سے دعویٰ کریں گے اے ابن زیاد تیرے لیے حساب کی جگہ ہے تو بھی جواب کے لیے مستعد رہ تیرے پاس جواب کہاں ہیں دیکھیں اس روز کون رستگاری پاتا ہے اے پسر زیاد مرجانہ تیری ماں تیرے ماتم میں روئے۔

یہ سن کر ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور اس مظلومہ کو قتل کرنا چاہا عمرو بن حریث بھی دربار میں موجود تھا اس نے کہا اے امیر یہ عورت ہے اور جو کچھ اس ستم رسیدہ نے کہا ہے اس کا بُرا نہ مان۔ الغرض اس ملعون نے حکم دیا کہ جب تک یزید کا فرمان آئے ان سب کو قید خانہ میں رکھا جائے اور کوئی ان کے پاس نہ جائے۔ کتب مقاتل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مخدرات ۱۲ یا ۱۳ محرم کو کوفہ میں آئیں اس کے بعد ابن زیاد نے دمشق کو قاصد روانہ کیا تاکہ یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دے اور یزید کا حکم لائے کہ اسیروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے جب اس کا یہ حکم آیا کہ ان قیدیوں کو دمشق بھیج دیا جائے تو ابن زیاد نے ایک فوج کے ساتھ اہل حرم کو مع سرہائے شہداء دمشق روانہ کیا پہلی منزل کربلا تھی جہاں سترہ صفر یا بیس صفر کو یہ لوگ پہنچے یہ پہلا چہلم تھا جو اہل حرم نے بحالت اسیری کربلا میں کیا پہلا چہلم شام سے واپسی پر تو کسی طرح ممکن ہی نہ تھا کیونکہ ابن زیاد کے قاصد کا دمشق جانا اور واپس آنا ۳۶۔ ۲۷ دن میں نہیں ہو سکتا جب دمشق چار فرسنگ رہ گیا تو لشکر یزید نے مع اہل حرم یہاں قیام کیا اور یزید سے داخل شہر ہونے کی اجازت طلب کی اس ملعون نے ایک دن مقرر کیا شہر و بازار آراستہ ہوئے دربار سجایا گیا پھر داخلہ کا حکم ہوا۔ بازاروں میں راستوں میں خلائق کا بڑا ہجوم تھا لوگ باجے بجا کر خوشیاں منا رہے تھے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک جس نیزہ پر تھا اسے شمر ملعون لیے ہوئے تھا وہ فخریہ کہتا تھا میں طویل نیزہ والا ہوں۔ میں اصلی دین کا پیرو ہوں۔ میں نے فرزند سید الوصیین کو قتل کیا اور امیر المومنین یزید کے لیے اس کا سر لایا ہوں۔ یہ سن کر جناب زینب نے فرمایا اے لعین ابن لعین تو نے جھوٹ کہا آگاہ رہو کہ قوم ظالمین پر خدا کی لعنت ہے اے تجھ پر خدا کا عذاب ہو تو یزید ملعون پر فخر کرتا ہے اس شخص کے قتل کی وجہ سے جس کا جھولا جبرئیل و میکائیل نے جھلایا جس کا نام عرش کے پردوں پر لکھا ہوا ہے جس کے نانا پر نبوت ختم ہوئی۔ جس کے باپ نے شرک کی بنیاد اکھاڑ دی۔

الغرض اہل حرم جو صبح کو داخل دمشق ہوئے تھے تمام دن شہر میں تشہیر کیے گئے اور بعد غروب آفتاب دربار یزید میں داخل ہوئے چونکہ وقت شب تھا یزید نے اس وقت تو قید خانہ میں رکھنے کا حکم دیا دوسرے روز صبح کو دربار میں بلایا تمام دربار بھرا ہوا تھا جس میں بنی امیہ کے بڑے بڑے سردار اور یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔ اہل حرم اس دربار

میں آئے کہ ہر بی بی کے شانہ میں رسّی بندھی ہوئی تھی۔ جب کوئی چلتے چلتے رکتا تھا تو اشقیا تازیانوں سے مارتے تھے تا اینکہ یزید کے سامنے لائے گئے۔ وہ شقی تخت پر بیٹھا تھا اور طشت کے نیچے طشت طلائی میں سر امام حسین علیہ السلام رکھا تھا۔ شمر نے ایک ایک بی بی کا تعارف کرایا۔ وہ شقی مسکرا رہا تھا جناب زینب نے سب درباریوں کے سامنے یزید کے مظالم کی قلعی کھولی۔ آپ کے کلام کا یہ اثر ہوا کہ درباریوں کے چہرے متغیر ہو گئے اور معلوم ہوتا تھا۔ ان کو یزید سے تنفر پیدا ہو رہا ہے آخر یزید نے حکم دیا ان سب کو قید میں رکھا جائے مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ اہل حرم کتنی مدت دمشق میں قید رہے بعض نے چھ ماہ لکھا ہے بعض نے چالیس روز اس کے بعد رہائی کا حکم دیا گیا چند روز دمشق میں اہل حرم کا قیام رہا۔ امام مظلوم کی صف ماتم بچھی۔ سیدانیاں جی کھول کر اپنے شہیدوں کو روئیں اس کے بعد اہل حرم وہاں سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ نعمان بن بشیر ایک رسالہ کے ساتھ ان کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا جب تیتی پوششوں سے آراستہ ہو کر محملیں آئیں تو جناب زینب نے فرمایا۔ اِجْعَلُوْہَا بِسَوَادٍ حَتّٰی یَعْلَمَ النَّاسُ اِنَّا فِیْ مُصِیْبَۃٍ وَعَزَآءِ الْقَتْلِ اَوْلَادِ الزَّہْرَآءِ عَلَیْہَا السَّلَامُ۔ ان کو سیاہ کر دو تاکہ لوگ واقف ہو جائیں کہ ہم مصیبت اور عزائے قتل اولاد زہرا میں ہیں) موافق روایت مقاتل معتبرہ سرہائے شہدا بھی یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام کو دیدیئے تھے۔ دوبارہ اہل حرم کے کربلا پہنچنے میں بہت اختلاف ہے کہ وہ روز اربعین تھا یا کوئی اور دن نیز اس بارے میں بھی کہ جناب جابر سے پہلی بار ورود کربلا میں ملاقات ہوئی یا دوسری بار مگر معتبر روایت یہی ہے کہ دوسری بار جب اہل حرم کربلا میں آئے تب جناب جابر ابن عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوئی۔ مدینہ پہنچ کر پندرہ روز برابر مظلوم کا ماتم ہوتا رہا۔ زنان مدینہ جوق در جوق پرسے کے لیے آتی رہیں جناب زینب نے بعد واقعہ کربلا تمام عمر گریہ وزاری میں صرف کی۔ سر دریائی پینا چھوڑ دیا۔ ہنسنا قطعاً ترک تھا شادی کی محفلوں میں شرکت بند کر دی تھی سوائے گریہ وزاری کوئی کام پسند نہ آتا تھا۔

جناب زینب کی وفات اور مقام دفن میں بہت اختلاف ہے بعض مدینہ میں بیان کرتے ہیں بعض شام میں اور بعض کے نزدیک مصر میں دفن ہوئیں۔ بعض کتب مقاتل میں ہے کہ اہل بیت کے مدینہ پہنچنے کے چار ماہ بعد حضرت ام کلثوم نے وفات پائی۔ اور آپ کی وفات سے تقریباً تین ماہ بعد جناب زینب نے رحلت فرمائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں آپ کی عمر ۵۵ یا ۵۶ سال کی ہوئی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ آپ کو مصر میں قناطر السباع میں دفن کیا۔ بعض کا خیال ہے نزدیک شام آپ مدفون ہوئیں اور وہاں آپ کا قبہ بھی بنا ہوا ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے جو شام میں دفن ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کو دوبارہ اسیر کیا گیا تھا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ دوبارہ بعہد یزید گرفتار ہوئیں یا بزمانہ عبدالملک ابن مروان۔

کتاب طراز المذہب، انوار الشہادت اور بحر المصائب میں کتب عدیدہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بعد شہادت امام حسین

علیہ السلام اہل مدینہ کو یزید سے سخت نفرت ہو گئی تھی ہر طرف سے اس پر لعنت ہونے لگی تھی۔ آخر سب نے اس کی خلافت سے انکار کر دیا۔ اُدھر عبداللہ بن زبیر نے یزید کی مخالفت شروع کر دی۔ یہ خبریں یزید تک پہنچیں اور اس سے کہا گیا کہ بکثرت لوگ امام زین العابدین علیہ السلام سے بیعت کر رہے ہیں یہ سن کر وہ غضب ناک ہوا اور مسلم بن عقبہ کو لشکر کثیر کے ساتھ بھیجا کہ اہل مدینہ کو قتل کر کے محلہ بنی ہاشم کو ویران کر دے اور اہل بیت کو اسیر کر کے دوبارہ شام میں لائے چنانچہ اس خبیث نے ایسا ہی کیا جب قریب دمشق پہنچے تو جناب زینب بہت مضطر و پریشان ہوئیں اور رو رو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے میرے خالق اے میرے پروردگار مجھ غریب کی حالت زار پر رحم فرما۔ اور مجھے موت دے تاکہ دوبارہ مجلس یزید میں حاضر نہ ہوں ناگاہ آپ علیل ہوئیں اور وہیں رحلت فرما گئیں۔ امام زین العابدین نے بکمال غم واندوہ راہ شام میں آپ کو دفن کیا اور خود مع فوج یزید روانہ دمشق ہو گئے۔

کتاب انوار الشہادت میں تبصرۃ الذاکرین کے حوالے سے مرقوم ہے کہ شیخ محمد بغدادی شافعی نے کتاب منتخب السیر میں لکھا ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے سفر شام دوبارہ اختیار کیا تو جناب زینب ساتھ تھیں جب اس مقام پر پہنچیں جہاں آپ کا مدفن ہے تو یزید کے واصل جہنم ہونے کی خبر پہنچی تو مصائب شام کا تصور کر کے جناب زینب کا دل گھبرایا آپ اس باغ میں چلی گئیں جو خیمہ کی پشت پر واقع تھا۔ رات کا وقت تھا آپ باغ میں نہر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں اور اتنا روئیں کہ بیہوش ہو گئیں اور نہر میں گر گئیں جس سے نہر کا پانی بند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر باغبان بیلچہ لیے ہوئے وہاں آیا۔ اس نے دیکھا کہ کسی چیز کے گرنے سے پانی جانے کا راستہ بند ہو گیا ہے لہذا اس نے زور سے بیلچہ مارا جس سے آپ کا سر اقدس شق ہو گیا آپ نے ایک چیخ ماری آپ کی خادمہ اسی حالت میں آپ کو لے کر خیمہ میں آئی جب خیمہ میں شور گریہ بلند ہوا تو مالک باغ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اس نے حاضر خدمت ہو کر معذرت کی اور معافی چاہی حضرت زینب نے اس شرط پر اسے معاف کر دیا کہ اس باغ میں ان کا مقبرہ بنایا جائے مالک باغ نے منظور کر لیا۔ حضرت زینب نے اسی ضرب کے صدمہ سے وفات پائی اور اسی باغ میں دفن ہوئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عہد یزید میں آپ کا دوبارہ امام زین العابدین علیہ السلام کا گرفتار ہو کر جانا کسی متقدمین کی کتاب میں نہیں پایا جاتا درایتاً بھی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یزید کے خلاف شہادت امام حسین کے بعد اس قدر شورش عام ہو رہی تھی کہ یزید کو دوبارہ اسیر کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اس شورش کو دبانے کے لیے کسی طرح امام زین العابدین کو اپنے سے راضی کرے چنانچہ جب اس نے مسلم بن عقبہ کو مکہ سے مدینہ کے تاخت و تاراج کرنے کے لیے بھیجا تھا تو تاکید کر دی تھی کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو نہ ستانا۔

ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مدینہ میں جب قحط بہت زیادہ ہوا تو جناب عبداللہ مع جناب زینب وہاں سے منتقل ہو کر سواد شام میں چلے گئے تھے اور وہیں جناب زینب کا انتقال ہوا۔

بہر حال جو صورت بھی ہو اس میں شک نہیں کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے بڑے مصائب اٹھائے کوئی مصیبت

ایسی نہ تھی جوامت جفاکار کے ہاتھوں ان مظلومہ پہ نہ پڑی ہو ساری عمر غم و الام میں ہی گزر گئی دنیا میں ایسی مصیبت زدہ بی بی اور کوئی نہیں ملتی نانا کو رو بیٹھیں ماں کو رو بیٹھیں باپ کو رو بیٹھیں ایک بھائی پر ماتم کیا پھر کربلا میں تو انتہا ہی نہ رہی بھرے گھر کا ماتم کیا کیا ٹھکانہ ہے ان صدموں کا آدمی تصور کرے تو کلیجہ پھٹ جائے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ،
وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

نوحہ

مظلوم تھی اور بیکس و نادار تھی زینبؑ
ہے ہے بھرے کنبہ کی عزادار تھی زینبؑ

نانا کو کبھی روتی تو ماں کو کبھی پیٹتی
گہ ماتمی حیدر کرارؑ تھی زینبؑ

لاشے پہ حسن کے کبھی سر پیٹتی آئی
اور سوگ نشینِ شہ ابرار تھی زینبؑ

آوارہ وطن ہو کے وطن سے کبھی نکلی
شبیرؑ کی سو جان سے غمخوار تھی زینبؑ

جو بیبیاں لوٹ گئیں تھیں کرب و بلا میں
ان بیکسوں کی قافلہ سالار تھی زینبؑ

بازار میں سر ننگے لعینوں نے پھرایا
گہ صورت قیدی سر دربار تھی زینبؑ

کوفہ میں کبھی اور کبھی شام میں آئی
صد حیف عجب بیکس و لاچار تھی زینبؑ

اٹھارہ بنی فاطمہ کی لاشوں پہ روئی
کیا غمزدہ و صاحب آزار تھی زینبؑ

تمت بالخیر